

پیغام رضا

کا

امام احمد رضا نمبر





مدیرِ اعلیٰ

رحمت اللہ صدیقی

ناشر:

رضا دار المطالعہ

پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

٩٢/٧٨٦

ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم

تاثرات

اہلسنت وجماعت کو اپنے اسلاف سے جو عظیم تہذیبی ورثہ ملا ہے اسے سنبھالنے اور اگلی نسلوں تک پہنچانے میں امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کا زمانہ معترف ہے۔ اس تہذیبی ورثے کے اہم ترین اجزائے ترکیبی ہیں شریعت اور طریقت، شریعت اور طریقت کے باہمی ربط کو بنیاد بنا کر امام اہلسنت نے فرد کی خارجی اور داخلی زندگی کو اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا کے مطابق بنانے پر زور دیا، انھیں جو دور ملا وہ بڑا پرخطر تھا، اسلامی معاشرے میں داخلی بحران تھا اور خارجی عوامل بھی اس بحران میں اضافہ کر رہے تھے۔ مشرقی اور مغربی اقدار متصادم نظر آتی تھیں، مغربی علوم وتہذیب کی یلغار نے برصغیر کے مسلمانوں کے ذہن میں اپنے تہذیبی ورثے کے متعلق شبہات پیدا کر دیئے تھے بعض نے سپر ڈال دی اور مغربی تہذیب ہی کو سب کچھ سمجھ لیا، دوسرے بھٹکتے رہے، انھیں روشنی نظر نہیں آتی تھی وہ اسلامی مشرقی تہذیب میں توڑ ھلے تھے لیکن اپنی تہذیب کا دفاع نہیں کر سکتے تھے۔ علمی سطح پر دفاع کا کام امام اہلسنت نے کیا۔ انکی ایک عظیم خدمت یہ ہے کہ انھوں نے علمی، دینی تحقیقی اور عقائدی سطح پر اہلسنت کے تاریخی تسلسل کے تصور پر بہت زور دیا، اپنے دور کے مشکل اور متنازعہ فی مسائل پر جب وہ اظہار خیال فرماتے تو اس طرح کہ پہلے قرآن حکیم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سند لیتے اور بعدہٗ مذاہب ائمہ کرام بالخصوص امام اعظم وائمہ احناف، محدثین کرام اور مشائخ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال زریں سے مزید مستند کرتے۔ یہ شان ان کے دوسرے ہم عصروں کے حصے میں نہیں آئی، اس لئے آپ کے معاصرین آپ کو مجتہد، فقیہہ، خلیفۂ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور اس زمانے کا امام اعظم سمجھتے تھے۔

امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کے حوالے سے ایک پہلو ابھی بھی بہت تحقیق چاہتا ہے اور وہ ہے سماجی اصلاح کے لئے ان کی کوششیں، وہ انتہائی متصلب اہلسنت تھے۔ یہاں یہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ دین ومذہب کے معاملے میں صلابت بنیادی صفت تصور کی جاتی ہے۔ لیکن چونکہ امام اہلسنت نے مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا، اس لئے انھوں نے سماجی اصلاح کے لئے جو رہنما اصول بنایا اس میں انسانی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے نرم روی کو اختیار کیا، سماجی اصلاح کے کام میں ان کا رہنما اصول تھا، "اعمال میں ہدایت نرمی سے چاہیئے کہ سختی سے ضد نہ بڑھے۔"

امام اہلسنت کا پیغام آفاقی ہے اور اسے آفاقی ہی بنا کر پیش کرنا چاہیئے، امید کرتا ہوں کہ برادر طریقت حضرت مولینا رحمت اللہ صدیقی قادری، برکاتی نوری کی مرتب کی ہوئی پیش نظر یہ دینی وعلمی پیش کش اس سمت میں ایک اہم پیش رفت ثابت ہوگی۔

صدر شعبۂ تاریخ وثقافت جامعہ ملیہ دہلی

تاثر

از: ڈاکٹر علاء الدین صاحب وائس چانسلر جامعہ ہمدرد دہلی

مولانا احمد رضا اس شخصیت کا نام ہے جس نے اپنی علمی وفنی خوبیوں کے سبب عالمِ اسلام میں دھوم مچادی ہے اس سرزمین کا کونسا ایسا شہر ہے جہاں سے

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

کی صدائیں نہ بلند ہوتی ہوں اور فضائے آسمانی میں نہ لہراتی ہوں۔ جس والہانہ عقیدت میں ڈوب کے انھوں نے نعتیں لکھی ہیں اس سے ان کے عشقِ بے پایاں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا احمد رضا شاعر نہیں بلکہ عاشقِ رسول تھے نثر ہو یا نظم سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے اُن کی جتنی تحریریں ہیں ان کے ایک ایک جملہ سے عشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پھوٹا پڑتا ہے کچھ لوگوں نے ان کے اِس عشق کو غلو پر محمول کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان کے ساتھ زیادتی ہے۔

ہر عالم اپنے عہد کا رہنما اور اپنے زمانہ کا چراغ ہوتا ہے جس سے تمام لوگ اکتسابِ نور کرتے ہیں۔ علم ومعرفت اور دین ومذہب کے اعتبار سے سماج میں جو بے راہ رَوی داخل ہوجاتی ہے ان کی وہ اصلاح کرتا ہے اور معاشرہ میں جو جہالت وضلالت کا دُھندلکا پھیل جاتا ہے اپنی علمی وایمانی شعاعوں سے انھیں دور کرتا ہے ہمارے خیال سے انھوں نے اس اہم ذمّہ داری کو بطورِ احسن انجام دیا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ ان کی ایک ہزار تصانیف متعدد موضوعات پر ہیں جس میں دین ودنیا کے بیشتر علوم کا احاطہ ہے جس کا مطالعہ اس قدر وسیع اور جس کی فکر ہمہ جہت ہو بلاشُبہ وہ نابغۂ روزگار اور اپنے عہد کا عبقری ہوگا۔

علاء الدین احمد

پیغامِ رضا

کا

امام احمد رضا نمبر

سنِ اشاعت : سنہ ۱۹۹۷ء

مُدیرِ اعلیٰ :- رحمت اللہ صدیقی

مُدیر :- سیّد اولادِ رسول قدسی مصباحی

معاونِ مُدیر :- نوشاد عالم چشتی

ناشر:

رضا دار المطالعہ

پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

۹۲/۷۸۹

سلسلۂ اشاعت نمبر ۵

مجلہ : ——— پیغام رضا
شمارہ : ——— (۱) سنہ ۱۹۹۸ء
نگراں طباعت : ——— مولانا رفیق احمد مصباحی
ناشر : ——— رضا دار المطالعہ پوکھریرا سیتامڑھی۔ بہار۔
تعداد : ——— ۲۲۰۰
قیمت :

ملنے کے پتے

فاروقیہ بکڈپو :	۴۲۲۔ مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶
رضوی کتاب گھر :	مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶
مکتبہ جام نور :	مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶
مکتبہ نعیمیہ :	مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶
رضا اکیڈمی :	کامبیکر اسٹریٹ پوسٹ بکس ۳۳۷۳۔ بمبئی ۳
پاکیزہ بکڈپو :	سبزی باغ پٹنہ۔
اجمیری بکڈپو :	۱۶۷۔ ڈمٹمکر روڈ ناگپاڑہ۔ بمبئی ۸
مکتبۃ المدینہ :	مینارہ مسجد بمبئی ۳
قادری جامع مسجد :	نائیک نگر۔ ایل بی۔ ایس مارگ سائن بمبئی ۲۲

کاروانِ رضا

زیر سرپرستی

خاندان مارہرہ کے چشم وچراغ وارث علم وفن شیخ الطریقت

حضرت علامہ سید شاہ الحاج **آل رسول** صاحب **نظمی** حسنین میاں برکاتی۔

شہزادۂ احسن العلماء، پیر طریقت آبروئے مسلک اعلحضرت امین ملت حضرت علامہ

سید شاہ الحاج **ڈاکٹر امین میاں** صاحب مسلم یونیورسٹی،

علی گڑھ۔

جانشین حضور مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ حضرت علامہ

مفتی **اختر رضا خاں** صاحب ازہری

بریلی شریف یو.پی۔

مشیرانِ سفر

ڈاکٹر سید جمال الدین صاحب
سید محمد اشرف صاحب
سید طلحہ رضوی برق صاحب
علامہ سید وجاہت رسول صاحب
علامہ سید تراب الحق قادری صاحب
پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب
حکیم موسیٰ امرتسری صاحب
ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب
علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب
ڈاکٹر پروفیسر مجید اللہ قادری صاحب
مفتی عبد القیوم ہزاروی صاحب
علامہ عبد الحکیم شرف قادری
علامہ عبد الستار ہمدانی صاحب
ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی صاحب
علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب
علامہ شبنم کمالی صاحب

علامہ ملک الظفر صاحب
محمد طفیل نقشبندی صاحب
علامہ عبد الرزاق بتھرالوی صاحب
الحاج سعید نوری صاحب
محمد شمشاد حسین رضوی صاحب
الحاج ظفر قادری صاحب
علامہ سید سراج اظہر صاحب
مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب
مولانا شہاب الدین رضوی صاحب
مولانا محمود عالم رشیدی صاحب۔
مولانا ادریس رضوی صاحب
حافظ محمد فیاض احمد پاکستان
الحاج سراج الدین خان صاحب
مولانا عبد الرزاق جبلپوری صاحب
پروفیسر انجم کمالی صاحب
مولانا اظہر القادری۔

ڈاکٹر خواجہ اکرم الدین صاحب
مولانا آل مصطفےٰ صاحب
مولانا مدثر خان قادری صاحب
الحاج عبدالغنی برکاتی صاحب
الحاج علی محمد کھتری نوری صاحب
الحاج یوسف صاحب
جناب الحاج احمد عمر سوریا صاحب
قاری اطہر صاحب
ماسٹر حامد رضا صاحب
مولانا محمد عیسٰی رضوی مصباحی صاحب
مولانا طیب صاحب
سید محمد انور چشتی صاحب
مولانا ارشد الرحمٰن صاحب
مولانا نثار المصطفےٰ
الحاج استغراق صاحب
مولانا فاروق صاحب
مولانا محمد علی مصباحی صاحب
مولانا محمد ارشاد مصباحی صاحب
مولانا شاہد رضا مصباحی
مولانا حبیب الرحمٰن مصباحی

مفتی سخاوت صاحب
جناب حفظ الاسلام صدیقی صاحب
جناب انظار احمد صدیقی صاحب
حافظ محمد اشرف صاحب
مولانا شبلی پوکھریروی صاحب
جناب محمد زبیر خان قادری صاحب
پروفیسر عبدالسلام صاحب
مولانا احسان رضا تبسم
مولانا احمد علی صاحب
مولانا احمد رضا صاحب
مولانا عبدالسمیع مصباحی صاحب
مفتی محمد الیاس صاحب مفتی کان پور
محمد ظہیر الحق صدیقی صاحب
ڈاکٹر وسیم خاں صاحب
ڈاکٹر سہیل صاحب
مولانا صابر القادری صاحب
مولانا کمال الدین مصباحی صاحب
مولانا ذکی اللہ صاحب
مولانا منظور احمد مصباحی
مولانا محمد اسلم مصباحی

اثر

امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا — اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا — اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا
کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا — شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا
تو حسینی حسنی کیوں نہ محی الدین ہو — اے خضر مجمع بحرین ہے چشمہ تیرا
قسمیں دیدے کے کھلاتا ہے پلاتا ہے تجھے — پیارا اللہ ترا چاہنے والا تیرا
مصطفیٰ کے تن بے سایہ کا سایہ دیکھا — جس نے دیکھا مری جاں جلوۂ زیبا تیرا
ابن زہرا کو مبارک ہو عروس قدرت — قادری پائیں تصدق مرے دولھا تیرا
کیوں نہ قاسم ہو کہ تو ابن ابی القاسم ہے — کیوں نہ قادر ہو کہ مختار ہے بابا تیرا
نبوی مینہ علوی فصل بتولی گلشن — حسنی پھول حسینی ہے مہکنا تیرا
نبوی ظل علوی برج بتولی منزل — حسنی چاند حسینی ہے اجالا تیرا
نبوی خور علوی کوہ بتولی معدن — حسنی لعل حسینی ہے تجلا تیرا
بحر و بر شہر و قری سہل و حزن دشت و چمن — کون سے چک پہ پہونچتا نہیں دعویٰ تیرا
حسن نیت ہو خطا پھر کبھی کرتا ہی نہیں — آزمایا ہے یگانہ ہے دوگانہ تیرا
عرض احوال کی پیاسوں میں کہاں تاب مگر — آنکھیں اے ابر کرم تکتی ہیں رستا تیرا

موت نزدیک گناہوں کی تہیں میل کے خول
آبرس جا کہ نہا دھولے یہ پیاسا تیرا

آب آمد وہ کہے اور میں تیمم برخاست
مشت خاک اپنی ہو اور نور کا اہلا تیرا

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے
کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارا تیرا

تجھ سے در در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

تیری عزت کے نثار اے مرے غیرت والے
آہ صد آہ کہ یوں خوار ہو بردا تیرا

بد سہی چور سہی مجرم و ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

مجھ کو رسوا بھی اگر کوئی کہے گا تو یونہی
کہ وہی نا وہ رضا بندۂ رسوا تیرا

ہیں رضا یوں نہ بلک تو نہیں جید تو نہ ہو
سید جید ہر دہر ہے مولا تیرا

فخر آقا میں رضا اور بھی اک نظم رفیع
چل لکھا لائیں ثنا خوانوں میں چہرا تیرا

⁂ ⁂ ⁂

اداریہ

رحمت اللہ صدیقی

اعلیحضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء۔ وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) ابن مولنا مفتی نقی علیخاں رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء وصال ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) ابن مفتی رضا علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ولادت ۱۲۲۴ھ/۱۸۱۰ء وصال ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) کے آبائے کرام و اجداد عظام افغانستان کی سرزمین سے ہجرت کرکے لاہور کے راستے بارھویں صدی ہجری کے اواخر میں بریلی شریف میں وارد ہوئے۔ (۱) امام احمد رضا کے دادا مکرم مفتی رضا علی خاں نے بریلی شہر میں ۱۲۴۶ھ میں دارالافتاء کی بنیاد ڈالی (۲) مفتی رضا علی خاں کے وصال حسرت آیات کے بعد آپ کے صاجزادے امام الاتقیاء مفتی نقی علی خاں نے اس سجادہ افتاء کو زینت بخشی ؛ اور آپ کی زندگی ہی میں کار افتاء کی تمام ذمہ داریاں صرف چودہ سال کی عمر میں امام احمد رضا نے اپنے سر لے لی اس تعلق سے آپ خود اپنے وصایا شریف میں رقمطراز ہیں :

> اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے کرم سے اس گھر سے فتویٰ نکلتے نوّے برس سے زائد ہوگئے۔ میرے دادا صاحب (مفتی رضا علی خاں) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مدت العمر یہ کام کیا۔ وہ جب تشریف لے گئے تو اپنی جگہ میرے والد ماجد قدس سرہٗ العزیز کو چھوڑا۔ میں نے چودہ سال کی عمر میں ان سے یہ کام لے لیا۔ پھر چند روز بعد امامت بھی اپنے ذمہ کرلی۔ میں نے اپنے صغر سنی میں کوئی بار ان پر نہ رہنے دیا۔ اور اب میں تم تین کو چھوڑتا ہوں۔" (۳)

امام اہلسنت نے ۱۲۸۶ سے ۱۳۴۰ تک مسلسل پچپن سال تک دارالافتاء کی خدمات انجام دی اسلامی تاریخ میں یہ شرف بہت کم لوگوں کو حاصل ہوا ہے۔ آپ کے برادر اصغر مفتی محمد رضا خاں بریلوی بھی (وصال ۱۹۳۹ء) شعبۂ افتاء سے وابستہ تھے۔ فتاویٰ رضویہ میں

۱ے معارف رضا، ۱۹۹۰ء۔ ۲ے وصایا شریف ص ۱۳۔ مطبع فیاض الحسن بک سیلر کان پور۔

جابجا آپ کے تعلق سے استفتاد یکھنے کو ملتے ہیں۔ اور امام احمد رضا کے کئی رسائل وفتاوی پر آپ کی تصدیقات بھی نظر آتی ہیں۔ امام احمد رضا کے صاحبزادگان حضرت حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وصال ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) اور حضور مفتی اعظم ہند مفتی مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وصال ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء) نے بھی اپنی پوری حیات فتویٰ نویسی میں صرف فرمائی۔ اور آج حضور مفتی اختر رضا خاں ازہری یہ ذمہ داری نبھا رہے ہیں۔

علوم و فنون تقویٰ و طہارت اور اسی طرح کی دوسری بے شمار خوبیوں کا جو سورج ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء میں طلوع ہوا۔ ۶۵ سال تک اپنے وجود پاک سے اسلام کو روشن و منور کرتا ہوا ۱۹۲۱ء میں غروب ہو گیا۔ جہاں ملت اسلامیہ کی ناخدائی کرنے والے خال خال نظر آتے تھے اس ذات پاک نے سعی پیہم اور اپنے عشق رسالت کی بھرپور توانائی سے علوم و فنون سے معمور مبلغین مصلحین اور قائدین کی ایک بہت بڑی ٹیم تیار کی اور اسے غیر منقسم ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلا دیا۔ اب جہاں بھی جہالت کی تاریکی سر اٹھاتی اور بدعات منکرات کے سائے اپنے بال و پر پھیلاتے اس کے جری اور رہا در سپاہی وہیں اس کی بروقت سرکوبی کے لئے تیار رہتے۔ اور مسلمانوں کے دلوں کو ایمان و عقیدے کی روشنی سے معمور کرتے۔ اب عالم یہ ہے کہ اس کے چاہنے والے دنیا کے ہر گوشے میں پھیل چکے ہیں جس سے ہر سمت نور و عرفان کی خیرات بٹ رہی ہے۔ اور عشق و محبت کے پیمانے چھلک رہے ہیں۔ دلوں کی کائنات میں کشمکش دیکھنے کو نہیں ملتی۔ اس کے پیغامات نے آفاق میں گم ہونے اور سمندر کی تہوں سے خیر و فلاح کے ہیرے جواہرات نکالنے کا ہنر سکھا دیا ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے !
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق ڈاکٹر اقبال

امام احمد رضا علم، عمل اور عشق کے پیکرِ جمیل تھے۔ جب یہ خوبیاں کسی شخصیت میں جمع ہوجاتی ہیں تو اس کا وجود مکمل اور اسکی ذات آفاقی ہوجاتی ہے۔ وہ انسانی دلوں کی دھڑکن اور قوم کی خوابیدہ تمناؤں کا مرکز ہوجاتی ہے۔ اس کی نشست و برخاست بلکہ اس کی ہر ادا اک کتاب زندگی کے لئے ہوتی ہے اس کی پاکیزہ نگاہوں سے ایمان و یقین کا سویرا نمودار ہوتا ہے۔ پاکیزہ صفات روحیں اس کی خلوت و جلوت کی زیارت کے لئے تشریف لاتی ہیں اور اس کی عظمت و بزرگی کا کائناتیں منشاء الٰہی کے تحت اعلان کرتی ہیں۔ ایسی عبقری اور ہمہ جہات شخصیت صدیوں میں نمودار ہوتی ہیں ایسی ہی ذات کو دنیا اپنا قائد اور امام و پیشوا تسلیم کرتی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بہت مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آج امام احمد رضا کی شخصیت عالمی برادری کے لئے مرکز توجہ اور سواد اہلسنت کیلئے محور عقیدت و محبت بنی ہوئی ہے۔ جو عزت و عظمت رب کائنات نے اپنے اس محبوب بندے کو عطا کی ہے۔ صدیوں کی تاریخ میں اسکی نظیر بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ امام احمد رضا علوم و فنون کی انجمن تھے۔ ایسی انجمن جس میں سینکڑوں فن کی شمع روشن تھی۔ جس فن پر قلم اٹھا دیا اسے علماء و محققین کے لئے قابل توجہ و لائق تقلید بنا دیا۔ اس تعلق سے ان کی تصنیفات دیکھی جاسکتی ہیں جن میں تحقیق و تفتیش کا اعلیٰ مذاق پایا جاتا ہے فتاویٰ رضویہ فقہ اسلامی کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ جو بارہ ۱۲ مجلدات پر مشتمل ہے اور ہر جلد ہزار آٹھ سو صفحات پر پھیلی ہے۔ جس میں انسانی زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق لاکھوں مسائل موجود ہیں جس میں نت نئے سائنٹفک تحقیقات کی نشاندہی بھی ہے ہر دور اور ہر ماحول میں انسانی ضرورتوں کا علم بھی اور فتح و نصرت کی تقلید بھی۔ اگر اہل علم فتاویٰ رضویہ کا غیر جانب دار ہو کر مطالعہ کریں اور اس سے جدید انداز فکر کے مطابق مسائل کا

استخراج کر کے اس کی بڑے پیمانے پر اشاعت کریں تو عالمی طور ایک انقلاب عظیم برپا ہو سکتا ہے۔

امام احمد رضا نے ۱۳۳۰ھ میں قرآن حکیم کا ترجمہ فرمایا جو کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے نام سے مشہور ہے۔ اردو تراجم قرآن کی صف میں کنز الایمان کو امتیازی حیثیت حاصل ہے بلکہ غیر جانبدار دانشوروں کا اعتراف ہے کہ کنزالایمان اردو میں قرآن حکیم کے مفہوم کو صحیح انداز میں بیان کرنے میں بے مثال ہے۔ کنزالایمان کے حسن ترجمہ پر حضور محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> جس کی نہ کوئی مثال عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں اور نہ اردو میں اس کا ایک ایک لفظ ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ پر لایا نہیں جا سکتا۔ یہ بظاہر تو ایک ترجمہ ہے مگر —— درحقیقت قرآن کی صحیح تفسیر —— بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اردو زبان میں قرآن ہے۔[1]

ایک اور نہایت محتاط عالم اور ممتاز صحافی مولانا کوثر نیازی کا اعتراف ہے کہ

> "امام احمد رضا نے عشق افزا اور ادب آموز ترجمہ کیا ہے۔ یہ ایمان پرور ترجمہ عشق رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے۔"[2]

یہ بات حقیقت ہے کہ کنز الایمان میں تقدیس الوہیت اور عظمت رسالت کے تحفظ کا جو پاکیزہ پن ہے غیر سنی قرآن میں اس کی جھلک بھی دیکھنے کو بھی نہیں ملتی بلکہ دیگر غیر سنی مترجمین نے اللہ جل شانہٗ اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو مشکوک بنا دیا ہے۔ انہیں تراجم کا سہارا لے کر مخالفین نے اسلام کی طہارت و پاکیزگی پر بڑے بھیانک حملے کئے ہیں۔ اگر کنز الایمان چھپ کر دنیا کے سامنے نہ آیا ہوتا تو ملت اسلامیہ کو عظیم

---

[1] معارف رضا ص۲، ۱۹۹۷ء [2] ایضاً پیغام رضا۔ ۱۹۹۶ء۔

نقصانات سے دوچار ہونا پڑتا۔

امام احمد رضا کی حیات وخدمات پر مختلف انداز سے کام ہو رہا ہے۔ پہلے کی نسبت کام میں تیزی آئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے آپ کی ذات پر سطحی خیال و فکر کے لوگوں نے اپنا اجارہ قائم کر رکھا تھا۔ ان کی فکر محدود۔ ان کی سوچ محدود اور ان کا دائرہ محدود تھا۔ وہ اپنے مفاد کے پیش نظر اپنے دائرے سے امام احمد رضا کی شخصیت اور ان کے کارنامے کو نکلنے نہیں دینا چاہتے تھے۔ اور آج بھی ان کی کوششیں جاری ہیں وہ اپنی بالادستی قائم رکھنے کیلئے خفیہ سازشوں میں ملوث ہیں۔ اپنی محافل ومجالس میں ان کے نام کا فلک شگاف نعرہ لگاتے نہیں تھکتے۔ لیکن عملی طور پر انہیں کچھ کرنے کے لئے کہیے تو ان کے ہوش کے طوطے اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ قول وعمل کا یہی تضاد مسلک وعقیدے کی زمین کو سمیٹتا جا رہا ہے۔ جب تک امام احمد رضا مفاد پرستوں کے حلقے میں رہے آپ کے افکار ونظریات کو عمومیت نصیب نہ ہو سکی۔ لیکن کسی عظیم وعبقری شخصیت کے علمی ولسانی نوادرات کو زیادہ دنوں تک پردۂ خفا میں رکھا نہیں جا سکتا۔ سچائیوں کا سورج بطن گیتی سے طلوع ہو کر رہتا ہے۔ پھول کی خوشبو کو پابند سلاسل نہیں کیا جا سکتا۔ خوشبو پھیلتی رہی پھیلتی رہی۔ اور جب علوم وفنون کے اس گل ولالہ کی خوشبوئے دلنواز بڑی بڑی درسگاہوں اور عالمی جامعات میں پہنچی۔ تو بڑے بڑے دانشورانِ زمانہ اور محققین کی نگاہیں اس آفتاب فضل وکمال کی جانب متوجہ ہوئیں۔ سوچنے کا انداز بدلا تحقیقات کی راہیں کھلیں اور آج عالم یہ ہے کہ ہر سمت سے یہی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔

وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھئے وہ علاقہ رضا کا ہے
اوروں نے بھی لکھا ہے بہت علم دین پر
جو کچھ ہے اس صدی میں وہ تنہا رضا کا ہے

علوم و فنون کی دنیا میں امام احمد رضا کی شخصیت بڑی مستحکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے سخت اختلاف رکھنے والے بھی ان کی عبقریت و ہمہ گیریت کے قائل نظر آتے ہیں خالق کائنات نے انہیں علم و عمل کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ اسی بنیاد پر بڑے بڑے فقہا و محدثین کے دلوں میں آپ کی عقیدت و محبت کا چراغ روشن ہے اہل علم آپ کے افکار و خیالات سے اپنی تحقیقات کا حسن دوبالا کرتے ہیں۔ امام احمد رضا کا ہر دعویٰ سینکڑوں دلائل و براہین سے معمور ہوا کرتا ہے۔ آپ کا قاری کسی مسئلہ میں تشنگی کا شکار نہیں ہوتا امام احمد رضا کی حیات کا مرکزی اور نمایاں پہلو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اسی عشق کے قریب آپ نے پوری انسانی برادری کو اکٹھا کرنے کی تا حیات کوشش کرتے رہے۔ خود فرماتے ہیں ؎

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا
جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

یہ بات حقیقت ہے کہ اتحاد و اتفاق کی کوئی بھی کوشش اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک عشق حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا عنوان نہ قرار دیا جائے۔ یہی عشق ایمان و یقین کی روح اور دارین میں فلاح و نجات کا ضامن ہے کچھ لوگ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ثانوی حیثیت دینے کی غیر شرعی کوشش کرتے ہیں۔ جو کہ قرآنی نظریات کے خلاف ہے۔ کلمہ کے غیر منطقی مفہوم کی بنیاد پر اتحاد کے نعرے کبھی موثر نہیں ہو سکتے۔ بظاہر امام احمد رضا کے دامن میں پناہ لینے والوں کے سامنے جب اس قسم کی باتیں ہوتی ہیں۔ تو مجھے حیرت ہے کہ اعلحضرت کی تعریف و توصیف کرنے والے حضرات بھی مصلحت کوشی سے کام لیتے ہیں جو مسلک اعلحضرت کے سراسر خلاف ہے

خود امام احمد رضا فرماتے ہیں:

دشمنِ احمد پہ شدت کیجئے　　ملحدوں سے کیا مروت کیجئے
مثلِ فارس زلزلے ہوں نجد میں　　ذکرِ آیاتِ ولادت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ رسول
اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

ہم ایسی ذہنیت رکھنے والوں سے پر خلوص التماس کرتے ہیں کہ وہ اپنے ذہن و فکر کی تطہیر کے لئے کسی دردمند دل کی طرف رجوع کریں یا دماغ کی پوری، توانائی کو حاضر رکھ کر امام احمد رضا کی تحریرات کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کر کے زینت محفل ہوں۔ ورنہ عوامی زندگی پر اس کے بہت غلط اثرات مرتب ہوں گے جس کی تلافی آگے چل کر ممکن نہ ہوگی۔

امام احمد رضا کی عبقری شخصیت اور آپ کے علمی و تحقیقی نوادرات و مخطوطات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ آپ کی حیات و خدمات پر اچھا خاصہ کام ہوا ہے۔ ہو رہا ہے اور انشاء اللہ ہوتا رہے گا۔ لیکن جو بھی کام ہوا ہے اس پر جدید انداز فکر سے سوچنے کی ضرورت ہے۔ ہم جس زمانے میں سانس لے رہے ہیں یہ زمانہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہے انسان کی فکر بدل رہی ہے۔ اور سوچنے کا انداز بدل رہا ہے۔ آئے دن نئے، نئی ایجادات و تحقیقات سامنے آرہی ہیں۔ اور انسانی عقل کو حیرت زدہ کر رہی ہیں۔ اس مادی اور تغیر پذیر دور میں جس شخصیت پر بھی کام ہو اس میں زمانہ اور ماحول کے تقاضے کا لحاظ بہرحال ضروری ہے۔ تا کہ انسان کی جدید فکر اسے قبول کرے۔

دعوت و تبلیغ کا کام ہر دور میں ہوا ہے۔ اور آج بھی ہو رہا ہے لیکن دعوت و تبلیغ کا انداز ہر زمانے میں بدلتا رہا ہے۔ صحابہ کرام کے پاکیزہ عہد میں دعوت کا جو طریقہ

کار تھا تابعین کے زمانے میں اس میں تبدیلی لائی گئی۔ تابعین کے زمانے میں دعوت کی جو صورت تھی تبع تابعین کے دور میں اس میں تغیر و تبدل واقع ہوا۔ یعنی جیسے جیسے انسانی سماج میں تبدیلی آتی رہی دعوت و تبلیغ کا انداز بدلتا رہا۔ جس ملک اور علاقے کی جو زبان ہوتی مبلغین اس ملک اور علاقے کی زبان کے ماہر بنا کر بھیجے جاتے۔ اسلامی افکار کی اشاعت میں علاقائیت اور وطنیت ماحول و مزاج کا خیال بنیادی اہمیت رکھتا ہے لیکن آج کا پڑھا لکھا طبقہ اس تعلق سے خطا کا شکار رہے۔ وہ قدیم روایات کو اپنے سینے سے لگائے ہوا ہے۔ اور جدیدیت کو معیوب تصور کرتا ہے۔ جبکہ ہر دور کے کچھ نہ کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ ان تقاضوں کو اسلامی نظریات کے سانچے میں اس طرح ڈھالا جائے جس سے اسلام کے تقدس کو ٹھیس نہ پہنچنے پائے۔ اس طرح کی تبدیلی کوئی بری چیز نہیں ہے۔

برصغیر ہند و پاک میں امام احمد رضا کے افکار و خیالات کی بڑے پیمانے پر اشاعت ہو رہی ہے۔ پاکستانی اہل قلم علما و مشائخ حالات و ماحول کی روشنی میں کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے کام کا جو انداز اختیار کر رکھا ہے اس سے امام احمد رضا کی شخصیت کو سمجھنے میں بڑی سہولت ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی دانشگاہوں نے امام احمد رضا کیلئے اپنے یہاں ریسرچ و تحقیق کے دروازے کھول رکھا ہے لیکن ہندوستانی اہل قلم جمود کا شکار ہیں انکا طریقہ کار جو پچاس سال پہلے تھا وہی آج بھی ہے جسکے باعث امام احمد رضا کے وسیع کارنامے، اور آپ کی شخصیت محدود دائرے سے باہر نہیں نکل پا رہی ہے نئی نسل امام احمد رضا کو سمجھنے کیلئے کوشاں ہے لیکن آپکی تصنیفات ارشادات و پیغامات اور تصورات و خیالات تک ان کی رسائی بہت کم ہو پا رہی ہے۔ یا زبان و بیان کی تفہیم ان کے لئے مشکلات پیدا کر رہی ہیں۔ امام احمد رضا کے علمی شہ پاروں کی ترسیل و اشاعت کے کچھ پیمانے متعین کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان کی زمین محدود کر دی گئی ہے۔ اس میں شدت و ثقالت کی سما بھی ہے۔ نازک خیال اور نازک طبیعت اذہان اس شدت کے متحمل نہیں ہو پا رہے ہیں

امام احمد رضا کی شدت جو یقیناً عین ایمان بلکہ روح ایمان ہے۔ اس کی تفہیم آسان کرنے کی ضرورت ہے۔ نازک ذہنوں کو ہموار کرنے کیلئے زبان و بیان کا پیرایا بدلنا ہوگا۔ دلوں کو قریب کرنے کے لئے سہل راہوں کا انتخاب عمل میں لانا ہوگا۔ اور خیالات میں وسعت وکشادگی پیدا کرنی ہوگی جس ملک اور جس علاقے کی جو زبان ہے امام احمد رضا کی تحریرات کو اس ملک اور علاقے کی زبان میں منتقل کرنا ہوگا۔ بلکہ دنیا کے تمام ممالک میں ایسے مذہب پرست و مسلک نواز نمائندوں کا انتخاب کیا جائے جو اپنے ملک و وطن کے حالات اور زبان و بیان پر اچھی خاصی گرفت رکھتے ہوں۔ چند صفحات کی کتاب چھپوا کر اپنے حلقۂ اثر میں تقسیم کر دینا اور خالص تاجرانہ ذہن رکھنے والے اداروں کے سپرد کر دینا رضویات کی خاطر خواہ اشاعت نہیں ہے۔ رضویات کی اشاعت کا جو لوگ جذبہ رکھتے ہیں۔ انہیں اسلاف کی قربانیوں اور امام احمد رضا کی جانفشانیوں کو نگاہ میں رکھنا ہوگا۔ یہ حقیقت ہے اور بڑی تلخ حقیقت ہے کہ آج ہم امام احمد رضا کے نام کو ذاتی منفعت کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ ہم مذہب و مسلک کی اشاعت کا جذبہ لے کر اس وقت تک نہیں اٹھتے جب تک اس میں مالی مفاد شامل نہیں کر لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب و مسلک کی زمین سمٹتی جارہی ہے اخلاقی قدروں کا پاکیزہ لباس تار تار ہو رہا ہے۔ لیکن نام نہاد قائدین کے سر سے انانیت و مفاد پرستی کا بھوت اتر نہیں پا رہا ہے۔ مذہب و مسلک کے خلاف ہزاروں قیامتوں کا اہتمام ہو رہا ہے۔ لیکن بطن گیتی سے ایسی قیادت ابھر نہیں پارہی ہے۔ جو ان قیامتوں کی سرکوبی کر سکے۔ اور الجھی ہوئی بکھری ہوئی انسانیت کو چراغ منزل و چراغ راہ عطا کر سکے۔

دور حاضر میں اختلاف و انتشار کو ہوا دینے کے لئے منظم تحریک کی بنیاد ڈالی جارہی ہے۔ دولت و ثروت کی فراہمی کے لئے شرعی حدود کا پاس و لحاظ اٹھا دیا گیا ہے۔ جس شخص سے خطیر رقم ملنے کی امید ہوتی ہے اسے جنتی ہونے کی سرٹیفکٹ دے دی جاتی ہے۔ اخلاقیات کے دائرے پامال کر دیئے گئے ہیں۔ مسادات کی دیواروں کو منہدم

کردیا گیا اور رشتوں کے تقدس کو مجروح کر دیا گیا ہے لیکن جب مذہب و مسلک کے تحفظ کی بات آتی ہے۔ تو سارے اعضا شل ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اتنی بات پورے اعتماد و یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ہم اپنے اکابرین کے علمی و روحانی یادگار کے تحفظ میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک پورے خلوص و للٰہیت کے ساتھ اپنے آپسی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر پیش قدمی نہ کریں۔

امام احمد رضا کی ذات پاک اتحاد کی علامت ہے۔ محبت کی علامت ہے۔ اور سخت ترین ماحول میں اپنی شناخت برقرار رکھنے کا بہترین سامان ہے۔ امام احمد رضا نے مسلمانوں کے ایمان و عقیدے کی حفاظت فرمائی۔ تاریک سے تاریک ماحول میں عقیدت و محبت کے دیئے روشن کئے۔ اور باطل شکنی کا وہ تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا جس کی نظیر بہت کم پیش کی جا سکتی ہے۔ آپ کی ذات نے دور حاضر میں تنہا جو کام کر دیا آج ہم وسائل ہونے کے باوجود پوری جمعیت کے ساتھ نہیں کر پا رہے ہیں بلکہ صرف امام احمد رضا کی تالیفات و تصنیفات کے کو عالمی پیمانے پر پھیلایا جاتا تو آج ہماری یہ پوزیشن نہ ہوتی۔ ہم کاسۂ گدائی لئے در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ ہماری تاریخ بدلی جا رہی ہے۔ ہمارا جغرافیہ بدلا جا رہا ہے ہمارے قدموں کے نشانات مٹائے جا رہے ہیں۔ اور یہ سب کچھ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ہم ان چیزوں کے خلاف نہ زبان کھول سکتے ہیں اور نہ ہی قلم اٹھا سکتے ہیں۔ اس لئے ہماری زبان میں طاقت نہیں ہے۔ اور قلم کو ہم نے گروی رکھ دیا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے جو اشجار مقدس لگائے تھے اور جن محلات کی تعمیر کی تھی ان اشجار کی شکل بدل کر اس کا پھل باطل قوتیں کھا رہی ہیں۔ اور ان محلات پہ جو عبارتیں کندہ تھیں انہیں مٹا کر مخالفوں نے اپنے قبضہ و تصرف کر رکھا ہے۔ تاریخ کے ساتھ اتنا بڑا مذاق اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ غیر منقسم ہندوستان میں مخالفین کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ اور اب جگہ جگہ ان کی بالادستی ہے ہم ان سے راہ و رسم بنانے کے لئے

میں مصروف ہیں۔ ہمارے ایمان وعقیدے میں اتنا ضعف آچکا ہے کہ جن سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نشست وبرخاست کو زہر قاتل بتایا ہے ان سے ہم رشتے اور ناطے طے کر رہے ہیں۔ جن باطل قوتوں کا سر خمیدہ کرنے کے لئے ہم ہر وقت تیار رہا کرتے تھے آج خود ان کے سامنے خمیدہ سر کھڑے ہوئے ہیں۔ ایسے ہی وقت کے لئے غالباً علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

متاع دین ودانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

امام احمد رضا نے ہمیں جو متاع لوح وقلم دی ہے اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم وپاکیزہ دولت عطا کی ہے۔ اب سوال یہ نہیں ہے کہ اسکی اشاعت کس طرح کی جائے۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے کون سی راہ کون سا طریقہ عمل میں لایا جائے۔ آپ کی نصف سے زائد تصنیفات اب تک زیور اشاعت سے محروم ہیں۔ کتابوں کی فہرست تو ملتی ہے لیکن ان کے مسودات کا دور دور تک نام ونشان نہیں ملتا۔ جب کہ کسی نہ کسی کے پاس مسودات موجود ہیں۔ جب ہم آپ کی تصنیفات ہزار بارہ سو بتاتے ہیں۔ تو مخالفین ہمارا مذاق اڑاتے ہیں لیکن اس کا ان حضرات پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ جو مسودات کو اپنی آہنی گرفت میں لئے ہوئے ہیں ہم ان سے انتہائی خلوص کے ساتھ التماس کرتے ہیں کہ وہ رازدارانہ طور پر ہم سے رابطہ قائم کریں۔ ان کی منہ مانگی قیمت دینے کے لئے ہم تیار ہیں اور ہم یہ راز تاحیات کسی پر افشا نہ ہونے دیں گے۔

دس شوال المکرم ۱۹۹۸ء میں رضا اکیڈمی بمبئی بڑے پیمانے پر امام احمد رضا کا یوم ولادت منانے کی تیاری کر رہی ہے۔ اور اسی موقع سے امام احمد رضا کی چھوٹی بڑی ایکسو بتیس ۱۳۲ کتابوں کی اشاعت بھی عمل میں آئے گی۔ اس جرأتمندانہ اقدام کی ستائش کی جانی چاہیئے۔ اور اس کی مشکلات کو حل کرنے کی ہر ممکن کوشش ہونی چاہیئے۔ ہندوستان میں جو ادارے رضویات کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف

ہیں ان میں رضا اکیڈمی اہمیت کی حامل ہے۔ بلکہ اس نے امام احمد رضا کی تصنیفات کی اشاعت میں اپنا ایک نمایاں مقام بنا رکھا ہے۔ اور رضویات پر کام کرنے والے اداروں کا اخلاقی طور پر تعاون بھی کرتی ہے۔ اگر ہندوستان میں اس طرح کے دس، بیس ادارے قائم ہو جائیں تو فکر رضا کی بالادستی کو کوئی روک نہیں سکتا۔

امام احمد رضا تحریک عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بن کر مومنین کے قلوب میں زندہ ہیں۔ اور آپ کی کتابیں چراغ عشق بن کر تاریک دلوں کو شریعت و معرفت کی روشنی عطا کر رہی ہیں۔ ایوان نجد آپ کے قلم کے جلال سے لرزاں و ترساں ہے اور رضا کے نیزے کی مار سے صف اعداء میں قیامت برپا ہے۔ ہر سال دنیا کے مختلف گوشوں میں امام احمد رضا کے نام پر سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں۔ ان سیمیناروں، اور کانفرنسوں میں بڑے بڑے مذہبی و سیاسی مفکرین کو دعوت دی جاتی ہے۔ وہ انتہائی عقیدت کے ساتھ شریک جشن ہوتے ہیں۔ اور جب ان پر امام احمد رضا کے علم و فضل کی ضیائیں پڑتی ہیں تو ان دانشوروں کی جستجو بڑھ جاتی ہے۔ ان میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے یہاں آپ کا نام ناگواری کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ جب ان پر حقائق کھلتے ہیں۔ تو ان آنکھوں سے تعصبات کے پردے اٹھنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور دلوں میں ایمان و یقین کی حلاوتیں اترتی جاتی ہیں۔ اس طرح کی محافل کی شروعات اگر پچاس سال پہلے ہوئی ہوتی تو آج بزم کائنات کا رنگ ہی کچھ نرالا ہوتا۔

امام احمد رضا عالم اسلام کی سب سے مظلوم شخصیت ہے۔ ان کے افکار و خیالات کو مشکوک بنانے کے لئے بڑے بیہودہ ہتھیار استعمال کئے گئے اور کئے جا رہے ہیں۔ اس تعلق سے ان کے متبعین نے بھی بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ وہ ان کی ذات کا عرفان نہ حاصل کر سکے اور ان کے کارناموں کی اشاعت میں خطا کے شکار ہو گئے۔ ہندوستان کی دوسری نام نہاد شخصیات کے نام پر بڑے بڑے ادارے اور یونیورسٹیاں قائم ہوئیں ہیں۔ اور انکے سہارے ان کے افکار کو نئی نسل کے ذہنوں میں منتقل کیا جا رہا ہے جبکہ امام احمد رضا کے سامنے ان شخصیات کا قد بہت چھوٹا ہے۔

برصغیر ہندوپاک میں امام احمد رضا کے ماننے والوں کی غالب اکثریت ہے دولت وثروت میں بھی دوسرے مسالک کے لوگ آپ کے ماننے والوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اس کے باوجو آپ کے نام پر کسی پائیدار ادارے نہ کسی جامعہ کی بنیا درکھی جاسکی۔ شخصی اور مفاد پرستانہ بنیاد پر تو آپ کے نام پر بہت سارے ادارے اور مکتب نما جامعات کا وجود عمل میں آیا۔ جو اپنے بانی ومہتمم کی جہالت پر ماتم کناں ہیں۔ ان کے بانی جامعہ کی تعریف سے قطعی لاعلم ہیں۔ اگر جاہل نہ ہوتے تو ایسا جہالت مآب قدم ہرگز نہ اٹھاتے انہیں یہ معلوم نہیں کہ کوئی ادارہ جامعہ کی صورت کب اختیار کرتا ہے۔ اور کتنے مدارج کے بعد اختیار کرتا ہے۔ پرائمری/مکتب/جونیئرہائی اسکول/معہد/کالج/کلیہ/یونیورسٹی/جامعہ اتنے سارے مدارج طے کرنے کے بعد جامعہ کا تصور ابھرتا ہے۔ مگر آج ہندوستان کا عالم یہ ہے کہ 15×10 کا ایک روم تیار ہوا۔ دس بچوں کی مختصر جماعت اکٹھا ہوئی۔ ان پر ایک نیم مولوی صاحب کو مسلط کردیا گیا اور دس فٹ کی بلندی پر جامعہ کا بڑا بورڈ لگادیا گیا۔ جامعہ حامدیہ، جامعہ ضیائیہ، جامعہ رحمانیہ، جامعہ سلیمانیہ، جامعہ اسلامیہ جامعہ رضاالعلوم، جامعہ غوثیہ، جامعہ امام احمد رضا، جس طرح ناموں کے ساتھ بھاری بھرکم القاب لگاکر بامعنی القاب کی معنویت کا خون کیا جارہا ہے۔ اسی طرح اداروں کے ساتھ جامعہ کی نکاح خوانی کرکے اس کی غیر معمولی اہمیت کو ختم کرنے کا رواج عام ہوتا جارہا ہے۔ نہ جانے ایسے حضرات احمقوں کے جنت سے خارجہ سند کب حاصل کریں گے۔ ممکن ہے کوئی عقل کا یتیم ایسے اشخاص کی دستاربندی کیلئے کسی بڑے ادارے کی بنیاد رکھ دے۔ ایسے ہی عقل سے پیدل لوگ امام احمد رضا کی اہمیت اور ان کے علمی کارناموں کو بے دردی کے ساتھ مجروح کررہے ہیں۔

اہلسنت وجماعت کے نام نہاد صاحبان جبہ ودستار میں اتحاد ومحبّت کا فقدان ہے ہر مولوی کسی نہ کسی جامعہ کا بانی مبانی بنا ہوا ہے۔ جامعہ جھولی میں جامعہ کی رسید جھولی میں، جامعہ کا رجسٹر جھولی میں، جامعہ کے طلبہ وطالبات جھولی میں۔ ایک

بوسیدہ جھولی میں ایک جامعہ پھل پھول رہی ہے۔ اور قریہ قریہ گھوم کر جامعہ کے نام پر زکوٰۃ وصدقات کی رقومات اکٹھا کی جارہی ہے۔ جو ساری کی ساری رقومات اہل خانہ کی پرورش اور ان کی نازبرداری پر صرف کی جاتی ہے۔ اور اگر کچھ رقوم بچ گئیں تو وہ مقدمات پر خرچ کردی جاتی ہیں۔

اگر نام نہاد صاحبان قیل وقال اپنا ایک مستحکم متحدہ محاذ بنائیں، اور کسی ایک ادارہ کے لئے متحد ہوکر کام کریں۔ تو اس کے اچھے نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ مگر اس دورتباہی ومسلک فروشی میں ان سے اس طرح کی امید پتھر دوب اگانے کے مترادف ہوگا۔ اگر یہی روش زیادہ دنوں قائم رہی تو اہلسنت کا وجود کتابوں کے اوراق تک محدود ہوکر رہ جائے گا۔ صاحبان حال وقال دولت کے پیچھے اسی طرح بھاگ رہے ہیں جس طرح سیلاب کا پانی نشیب کی سمت محوِ سفر ہوتا ہے۔

ایسے حالات میں امام احمد رضا کا درد اور ان سے سچی محبت سینوں میں اپنا گھر کیسے بنائے۔ میری ان باتوں کا شدید رد عمل ہوسکتا ہے۔ پیغام رضا کے مفتی اعظم نمبر کی اشاعت کے بعد بڑے پیمانے پر میرے خلاف محاذ تیار کیا گیا جو مصروف عمل بھی ہے لیکن اس کی مجھے قطعی فکر نہیں میری حیات کا نصب العین افکار رضا کی اشاعت ہے۔ اس راہ میں میری جان بھی چلی جاتی ہے تو انشاء اللہ میرے خون کے ہر چھینٹے سے ایک رضانواز انسان پیدا ہوگا۔ یوں بھی میں نے اپنے خاندان کے قریب قریب بیسوں بچوں کو رضا سے وابستہ کردیا ہے۔ جو آگے چل کر انشاء اللہ اپنے نام کی اہمیت کا خیال کریں گے۔ حقیقت میں میرا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں ہے بلکہ حالات ومشاہدات اس طرح کے اظہار پر مجبور کررہے ہیں۔ میرا یہ قلمی جہاد ہے۔ اور سنجیدہ طبقہ اس سے مطمئن ہے۔ اور جو لوگ غیر مطمئن ہیں جب وہ رات کی تنہائی میں سوچیں گے تو انہیں بھی میری حمایت کے لئے تیار ہونا پڑے گا۔

امام احمد رضا نے دس نکاتی پروگرام ترتیب دیا تھا۔ جسے معارف رضا پاکستان نے صراحت کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اور معارف رضا کی پوری ٹیم اس تعلق سے

مصروف عمل ہے۔ ہندوستان میں دارالعلوم اشرفیہ بڑی تندہی سے دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ اور تعلیمی اور مالی بنیاد پر یہ ادارہ دن بدن ترقیات کی جانب گامزن ہے۔ دورِ حاضر میں ادارہ اہلسنت کا مضبوط قلعہ ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے خوابوں کی حسین تعبیر ہے۔ مذہب و مسلک کے تشخص کو پورے وقار کے ساتھ محفوظ کئے ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی امام احمد رضا کے دس نکاتی پروگرام کی بہت ساری شقوں پر آج تک یہ عمل نہ کر سکا۔ ذمہ داران ادارہ کو اس طرف توجہ دینے کی شدید ضرورت ہے۔

ہر مذہب پرست و مسلک نواز شخص کی اخلاقی ذمہ داریوں میں سے اہم ذمہ داری ہے کہ پیغامِ رضا کو عام کرے۔ چاہے قول کے ذریعے یا فعل کے ذریعہ، تحریر کے ذریعہ ہو یا تقریر کے۔ تقریر میں حقائق و شواہد کا دامن ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے جذبات سے کم احتیاط سے زیادہ کام لیا جائے۔ تقریر کا ہر پہلو علمی انداز فکر سے معمور ہو۔ ورنہ آج کے بیشتر خطباء و واعظین کا علم و معنی سے بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ وہ اپنی غیر محققانہ گفتگو کے ذریعہ علم و عرفان کی ایسی بارش کرتے ہیں۔ کہ کیچڑ سے سارا ماحول لت پت ہو جاتا ہے۔ اور تحریر میں تحقیقی اسلوب اختیار کئے جائیں اس لیے کہ امام احمد رضا کی حیات کا ہر پہلو اپنے دامن میں علم و معرفت کے سمندر لئے ہوتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں چھپنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ انہیں جہاں معلوم ہوا کہ امام احمد رضا یا کسی دوسری اہم شخصیت پر کوئی خصوصی شمارہ شائع ہونے والا ہے۔ وہ ادھر ادھر سے کاٹ چھانٹ کر مدیر کے پاس مضمون بھیج دیتے ہیں۔ اور دباؤ ڈلواتے ہیں۔ اسے جیسے بھی ہو شامل اشاعت کر لیا جائے۔ بلکہ ہماری نگاہ میں ایسے بھی لوگ ہیں جو من و عن دوسروں کے مضامین اپنے نام سے شائع کراتے رہتے ہیں۔ اور اپنے حلقۂ احباب میں اپنی تحریری صلاحیتوں کی بڑے پیمانے پر تشہیر کیا کرتے ہیں اور اعلیٰ نسب والوں سے اپنی کوتاہ نسبی کو ملانے کی بیجا کوشش کرتے ہیں آبا و اجداد کا دست تنگ کشکول گدائی سے کبھی خالی نہ رہا۔ اور آنجناب پدرم سلطان بود

کا نعرہ لگاتے نہیں تھکتے ایسے اشخاص سے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ محنت کریں اور دلجمعی کے ساتھ مطالعہ کریں اور اس فن کو سمجھنے کے لئے کسی مخلص استاذ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کریں۔ اس کے بعد کسی پرچہ کے مدیر کے پاس اس مضمون کو بھیجنے کی کوشش کریں۔

قارئین کرام جیساکہ سرقہ کرنے والے علم سے کورے ادیبوں کی بھرمار ہے ویسے ہی اپنے اسم گرامی کے ساتھ بڑے سے بڑا اور بھارنی سے بھاری القاب وخطاب کو پڑھکر سہم جائیں مرعوب ہوجائیں۔ ڈرجائیں تاکہ ان کے خلاف لب کشائی کی کوئی جراُت نہ کرسکے۔ اور ان کے غیر شرعی حرکات کی گرفت نہ کی جاسکے۔ محقق دہر، فقیہ عصر، سیاح ایشیا وافریقہ، نائب مفتی اعظم، شارح بخاری مفتی اعلی الجامعۃ الاشرفیہ، حضرت علامہ الحاج مفتی شریف الحق صاحب امجدی کی خداداد بصیرت پر قربان جائیے آپ نے اپنے ایک وضاحتی خط میں تحریر فرمایا تھا کہ جو (پیغامِ رضا کے امام احمد رضا نمبر ۱۹۹۶ء) میں شائع ہوچکا ہے۔) کچھ لوگ دوسروں کا لقب چھین کر اپنے بزرگوں کے نام چسپاں کرنا چاہتے ہیں۔ ستم بالائے ستم کہ اب مفتی صاحب کے خوشہ چینوں میں سے ہی ایک صاحب فقیہ عصر کا لقب چھین کر بقلم خود فقیہ عصر بن بیٹھے ہیں۔ القاب کے تقدس کو یوں ہی پامال کیا جاتا رہا۔ تو آگے چل کر دین و شریعت کا نہ جانے کیا حال ہوگا۔

قارئین کرام، پیغامِ رضا کے امام احمد رضا نمبر کی یہ دوسری جلد ہے۔ اس میں ہندوپاک کے مشاہیر کہنہ مشق اہل قلم کے تحقیقی معلوماتی، اور فکر انگیز مقالات، وتاثرات شامل ہیں جنہیں پڑھنے کے بعد امام احمد رضا کی ہمہ گیر شخصیت کے نت نئے گوشے پہلی بار آپ کے سامنے آئیں گے۔ جس سے آپ کے دماغ ہی نہیں بلکہ روح بھی وجد وکیف کے سمندر میں ڈوب جائیں گے۔

۱۹۹۶ء میں پیغامِ رضا کا امام احمد رضا نمبر جو شائع ہوا تھا اس میں عام قارئین کا بہت کم خیال رکھا گیا تھا۔ ایسا ہماری ناتجربہ کاری کی وجہ سے ہوا تھا اس کے باوجود نمبر امید سے

کہیں زیادہ مقبول ہوا۔ اہل علم نے کافی پسند کیا۔ اور قریب قریب بیس اخبار و رسائل میں اس پر زوردار تبصرے شائع ہوئے۔ آج بھی ملک و بیرون ملک سے خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہوتے۔ لیکن کتابت کی خامیاں اور مکتبہ والوں کی عدم رواداری اور غیر انسانی حرکات نے حوصلوں کو منجمد کر دیا۔ لیکن یہ جو نمبر آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے اس میں عام قارئین کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ تاکہ ہر طبقے میں اس کی پذیرائی ہو سکے اس میں ہر صالح ذوق کی تسکین کا سامان موجود ہے۔ اور رضویات پر کام کرنے والوں کے لئے یہ نمبر یقیناً دستاویز کا کام دے گا۔ امام احمد رضا کی حیات و خدمات پر تحقیقات کی راہیں بہت کشادہ ہو گئی ہیں۔ اور آپ کے دینی و ملی کارناموں کو بڑی وسعت دے دی گئی ہے وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حدائق بخشش (جو امام احمد رضا کا نعتیہ دیوان ہے) کی علامہ فیض احمد اویسی رضوی نے پچیس جلدوں میں شرح تیار کر دی ہے۔ جس کی قریب قریب پندرہ جلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اور ہر جلد ۶/۵ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ علامہ فیض احمد اویسی صاحب کی شخصیت یقیناً امام احمد رضا ایوارڈ کی مستحق ہے۔ کسی ادارے کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا۔ تو ان کی ذات اور خدمات کے ساتھ ظلم ہوگا۔

مقالاجات کی شروعات امام احمد رضا کے رسالہ مبارکہ " ازاحۃ العیب بسیف الغیب " سے کی جاتی ہے۔

یہ رسالہ بہت پہلے ۵۰۰ سو کی تعداد میں چھپا تھا۔ علامہ عبدالستار ہمدانی صاحب کی ذات جو اہلسنت کے لئے نعمتِ عظیمہ کی حیثیت رکھتی ہے (اللہ رب العزت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ان پر رحم فرمائے اور اہلسنت کے ہر فرد کو چاہیئے کہ ان کے لئے خصوصی دعا کرے) انہوں نے اپنی ذاتی لائبریری سے عطا فرمایا تھا کہ اسے پیغام رضا کے خصوصی نمبر میں شامل کر لیا جائے اس رسالہ کا مطالعہ ایمان و یقین میں توانائی پیدا کرے گا۔ ویسے تو امام احمد رضا کی ہر طرح تحریر عشق و محبت سے معمور ہوا کرتی ہے۔ آپ نے جس عنوان پر بھی قلم اٹھایا ہے اپنے تبحر علمی کے باعث

اس عنوان کے ہر پہلو کی بڑے خوبصورت انداز میں وضاحت فرمائی ہے۔ اور ایسی حجت اس پر قائم کر دی ہے جسے دیکھ کر علمائے متاخرین و متقدمین جھوم اٹھے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

اسلامی دنیا سے رضویات کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے منوانے والوں میں ماہر رضویات مسعود ملت ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی ذات تقدیم کی حیثیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمات اور اس تعلق سے آپ کی جد وجہد کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ رضویات کے معماروں کی جب تاریخ ترتیب دی جائے گی۔ تو آپ کا نام اس تاریخ کا بیش لفظ بنے گا۔ امام احمد رضا پر کوئی بھی تحقیق اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جبتک ڈاکٹر صاحب کا ذکر نہ کیا جائے۔ آپ کی عظیم کوشش دائرۂ معارف امام احمد رضا شامل اشاعت ہے۔ یہ رضویات پر کام کرنے والوں کے لئے بڑی قیمتی چیز ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک اچھی تحریک کی بنیاد رکھ دی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کتنے لوگ میدان میں نمودار ہوتے ہیں۔

اردو ادب کی دنیا میں ڈاکٹر عنوان چشتی کی اہمیت مسلم ہے۔ بہترین شاعر و ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ صف اول کے نقاد بھی ہیں۔ آپ کی کئی تحقیقی و معیاری تصنیفات حلقۂ علم و فن میں دھوم مچا چکی ہیں۔ آپ کا ایک معلوماتی، فکر انگیز تحقیقی مقالہ "مولانا سید سلیمان ندوی اور امام احمد رضا کا تصور نبوت" پیغام رضا کی زینت ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ مقالہ عوام و خواص میں یکساں پسند کیا جائے گا۔ اس کے مطالعہ کے بعد علمی دنیا میں سوچ کی نئی راہیں کھلنے کے امکانات روشن ہیں۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ریڈر شعبہ اسلامیات ہمدرد یونیورسٹی دہلی ایک کہنہ مشق صاحب قلم اعلیٰ ذوق کے شاعر و ادیب کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ آپ کی درجنوں تحقیقی اور علمی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ کئی کتابوں پر ایوارڈ بھی پا چکے ہیں۔ ذہن، فکر، تحریر و

تقریر میں بڑی یکسانیت ہے۔ مذہب و مسلک کو ایسے لوگوں کی ضرورت ہے۔ ایک ایسے مبسوط مقالے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ جو سوانحی انداز میں لکھا گیا ہو۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک جب ہم نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہندوستان میں سلسلہ قادری کا بانی کون؟ کے عنوان سے کام کر رہا ہوں۔ اس کی کئی قسطیں کتابوں کی شکل میں چھپ چکی ہیں۔ امام احمد رضا کی شخصیت پر ابھی کام مکمل نہیں ہوا ہے۔ لیکن بہت جلد مکمل کر کے آپ کو دے دوں گا۔ وعدہ کے مطابق ڈاکٹر صاحب نے "زیر ترتیب کتاب شمالی ہند میں سلسلۂ قادری۔ آغاز و ارتقا کا ایک ورق" عطا فرمایا۔ جسے نمبر میں شامل کر کے ہمیں مسرت ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر محمد مظفر عالم جاوید صدیقی پاکستانی اہل قلم میں امتیازی حیثیت کے مالک ہیں آپ کا انداز تحریر خوبصورت۔ ہے الفاظ و معنی پر اچھی خاصی گرفت ہے۔ "امام احمد رضا کی میلاد نگاری" آپ کی عمدہ کوشش ہے۔ عنوان کا انتخاب قابل تحسین ہے ویسے امام احمد رضا کی ہر سانس اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد خوانی کے جذبات سے بسر ہوتی تھی اس کے باوجود اس سے پہلے کسی دانشور نے اپنی تحقیق کو اس طرح کا عنوان نہیں دیا تھا۔

عاشق صادق کے موضوع پر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر نقشبندی صاحب کی تحریر ہے۔ مضمون کا ہر حرف دل کے نرم و نازک تاروں کو چھیڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ "ان کے یادوں کی شمع جس دل میں فروزاں ہوگی"۔ اس طرح کی تحریرات اس کے زخم کے لئے مرہم کا کام دے گی۔ ہم نے خود اسے بار بار پڑھا ہے اس کے باوجود تشنگی ابھی باقی ہے۔ پتھر دل بھی پڑھے تو لذت غم سے آشنا ہوگا۔

"تاریخ نعت گوئی میں امام احمد رضا کا منصب"۔ شاعر لکھنوی کی بے باک تحریر مضمون میں جہاں آپ نے امام احمد رضا کی نعت گوئی کے میدان میں نمایاں خصوصیات

کو واضح کیا ہے۔

وہیں امام احمد رضا کے ساتھ اہل ادب کی تعصب پرستی، دورنگی اور بے اعتنائی کو ثابت کیا ہے۔ ہماری نگاہ میں جن لوگوں کا اہل ادب میں شمار ہوتا ہے ان کی غالب اکثریت ادب کے مفہوم سے یکسر غافل ہے۔ بلکہ دیکھا یہ جارہا ہے کہ ادب کی دنیا میں انہیں کو مقام ملتا ہے۔ جو بے ادبوں کے امام ہونے کا پورا پورا حق رکھتے ہیں۔ (الا ما شاء اللہ) اگر ایسا نہیں ہے تو نعت پاک جو ایک مہتم بالشان فن ہے۔ اور اس کا لکھنا بھی عبادت، پڑھنا اور سننا بھی عبادت ہے۔ اس فن پر اب تک اہل ادب کی توجہ کیوں نہ ہو سکی شاعر لکھنوی صاحب امام احمد رضا کے سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

"امام احمد رضا بریلوی نے نعت اور صرف نعت کو اپنا مقصد حیات بنایا اور اس صنف کو بہترین ادبی جواہر پاروں سے مزین کیا اور ایسی نعتیں لکھیں جو زبان و بیان فکر و فن اظہار و ابلاغ کی تاثیر و تاثر کے اعتبار سے اردو ادب میں سرمایے کا درجہ رکھتی ہیں"

امام احمد رضا کی اردو نعت گوئی: ڈاکٹر ریاض مجیدی (گورنمنٹ کالج فیصل آباد) کی تحریر ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں ؎

"امام احمد رضا اردو نعت کی تاریخ میں واحد شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے وسیع مطالعے کو پوری طرح اپنے فن نعت میں برتا ہے انہوں نے نعتیہ مضامین کے بیان میں قرآن و حدیث سے لے کر منطق و ریاضی ہیئت و نجوم، ہندسہ و مابعد الطبیعیات وغیرہ علوم و فنون کی مختلف اصطلاحوں کو نہایت سلیقے سے برتا ہے"

حضرت مولانا محمد شمشاد حسین رضوی کا اچھے اور منجھے ہوئے قلمکاروں میں شمار ہوتا ہے۔ انداز گفتگو تحقیقی اور معیاری ہوتا ہے۔ ہم نے جب بھی موصوف کو آواز دی اپنی

تمام تر مصروفیات کے باوجود بھرپور تعاون سے نوازا" پیغام رضا" کے معاونین میں آپ کی اہمیت نمایاں ہے۔ ملک و بیرون ملک کے موقر اخبار و رسائل میں آپ کی تحقیقات شائع ہوتی ہیں۔ امام احمد رضا اور "فونوگراف" مولانا موصوف کی عمدہ تحقیق ہے۔ جو زیر نظر شمارہ میں شامل ہے۔

حضرت مولانا محمد ارشاد احمد رضوی مصباحی دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور کے شعبۂ درس و افتاء سے وابستہ ہیں کم عمر ہونے کے باوجود اچھی صلاحیت کے مالک ہیں۔ ہندوستان کے تاریخی شہر سہسرام سے تعلق رکھتے ہیں۔" امام احمد رضا اور علمائے سہسرام" کے حوالے سے اچھی تحقیق پیش کی ہے۔ جو بات رضویات میں ایک اضافہ تصور کیا جائے گا۔"

فقہی عبارات پر امام احمد رضا کا کلام اور ان کی تحقیق و تنقیح مولانا آل مصطفے مصباحی کی تحقیق ہے۔ موصوف کے کئی تحقیقی مقالات اہل علم سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ہندوستان و پاکستان کے معیاری رسائل میں اکثر و بیشتر چھپتے رہتے ہیں۔ مولانا کا یہ کام تقلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ نوجوان علماء کو اس طرح کے مقالات لکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ امام احمد رضا کے علمی شہ پاروں سے دنیا زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکے۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب اور ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب ہندوستان کی عظیم جامعات سے وابستہ ہیں۔ یہ دونوں شخصیات مسلسل امام احمد رضا کے افکار و نظریات کی اشاعت میں مصروف ہیں اور اپنی اعلیٰ تحقیقات سے ادبی سرمائے میں اضافہ کرتے رہتے ہیں ہم ان شخصیات کے قلمی تعاون کے مشکور ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی ہماری حوصلہ افزائی فرماتے رہیں گے۔

پیغام رضا کے اس خصوصی شمارے میں۔ برصغیر ہند و پاک کے مشاہیر اہل قلم

کی تحقیقات شامل ہیں ہم نے بہت ساری شخصیات کا مختصر تعارف پیش کر دیا ہے یہاں فرداً فرداً سب کا تعارف ممکن نہیں اتنی بات پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے۔ یہ سب اہلسنت کے تابندہ ماہ و نجوم ہیں جن کی روشنی سے ہماری بزم خیال روشن ہے۔ ادارہ اپنے ان معاونین کی کرم فرمائیوں کا شکر گذار ہے۔ رب کائنات سب کو دین و سنیت کی خوب خوب خدمت کی توفیق بخشے۔

اس نمبر کو تحقیقی و معیاری بنانے میں ہم نے بھر پور کوشش کی ہے اس کے باوجود یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ امام احمد رضا کی حیات و خدمات کے تمام گوشوں پر یہ نمبر حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ ان کی زندگی کے بعض پہلوؤں کی صرف جھلکیاں پیش کی گئی ہیں تاکہ آنے والی نسل ان جھلکیوں کی روشنی میں امام احمد رضا کے کارناموں کو زیادہ سے زیادہ پھیلا سکے۔ یہ بات بھی حقیقت ہے کہ جیسے جیسے امام احمد رضا کے دینی و ملی کارناموں کو سمیٹنے کی کوشش کی جارہی ہے، وہ مزید پھیلتے جارہے ہیں تاریخ کے دامن میں بہت کم ایسی شخصیات نظر آتی ہیں جن کے رشحات قلم کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں میں کام کرنے والے کام کر رہے ہیں ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کے علم و فضل کو دنیا تسلیم کرتی ہے اس کے باوجود ان کا کہنا ہے کہ ہم نے ابھی تک امام احمد رضا کی زندگی کے کسی ایک پہلو کا بھی کما حقہٗ احاطہ نہ کر سکے ہیں۔ یہ امام احمد رضا کے ساتھ رب کائنات کا خاص فضل ہے۔

قارئین کرام اس نمبر کو پیش کر کے ہمیں دلی مسرت ہو رہی ہے اس لئے کہ امام احمد رضا کی زندگی کے بہت سارے اہم گوشے اور دوسرے حقائق، پہلی مرتبہ سامنے آئے ہیں۔ لیکن ان گوشوں اور حقائق کی معرفت آپ کو اسی وقت ہو سکتی ہے۔ جبکہ آپ بالاستیعاب اس کا مطالعہ کریں۔ امام احمد رضا کی قیمتی نگارشات موتیوں کی طرح پھیلی ہوئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان پر تحقیقات کی جائیں۔ ان کی تشریحات پر ذی علم اور با ذوق علما کی جماعت متعین کی جائے۔ تو ہمیں یقین ہے کہ اسلام کے بہت سارے راز ہائے سربستہ کی عقدہ کشائی ہوتی رہے گی۔ جس سے مسلمانوں پر ترقیات

اور دنیوی واخروی خیر و فلاح کی راہیں کھلتی جائیں گی۔

پیغام رضا کی تدوین، ترتیب و تہذیب اور اس کی اشاعت میں مالی و اخلاقی تعاون کرنے والوں کا دائرہ بہت محدود ہے۔ لیکن جو بھی ہے غنیمت ہے ترتیب و تہذیب میں تو ہمیں بہت کم دشواریوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن جب اشاعت کی منزل آتی ہے تو دن میں تاروں کی بارات نظر آنے لگتی ہے۔ مالی تعاون کرنے والوں کی تعداد پنجتن پاک کے اعداد کو بھی نہیں پہونچ پاتی۔ اب تک رضا دار المطالعہ کی جو مطبوعات زیور اشاعت سے آراستہ ہوئی ہیں۔ ان میں ہمارے ایک انتہائی مخلص کرم فرما کی خاص توجہ رہی ہے۔ اور اس نمبر میں بھی ان کا اخلاص شامل ہے۔ ہم ان کے لئے صرف اتنی دعا کرتے ہیں کہ رب کائنات اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل انہیں اہل و عیال کے ساتھ عافیت میں رکھے اور ان کے کاروبار میں بے پناہ ترقیاں عطا فرمائے تاکہ وہ دین و مسلک کی زیادہ سے زیادہ خدمات انجام دے سکیں۔ ان کے علاوہ بھی کچھ خاص لوگ جن کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

علامہ عبد الستار ہمدانی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ نے اپنی حیات کا ہر لمحہ امام احمد رضا کے نظریات کی اشاعت کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے انہیں کا ذکر کرتے ہیں۔ اب تک امام احمد رضا کی ۹۲ کتابوں کو گجراتی زبان میں منتقل کر چکے ہیں اور کئی دوسری تحقیقی تصنیفات بھی امام احمد رضا کے حوالے سے منظر عام پر آچکی ہیں۔ آپ کی ایک علمی تحقیقی کتاب "شرح حدائق بخشش" پانچ سو صفحات پر مشتمل رضا دار المطالعہ کے زیر اہتمام منظر عام پر آنے والی ہے جو انشاء اللہ عوام و خواص میں کافی پسند کی جائے گی۔ یہ کتاب اہل علم کے لئے ماخذ کی حیثیت رکھے گی۔ پیغام رضا کی اشاعت میں آپ کا دینی و اخلاقی تعاون شامل ہے۔

حضرت مولانا رفیق احمد مصباحی و مولانا محمد عیسیٰ رضوی مصباحی کی جدوجہد

کو فراموش نہیں کیا جا سکتا دفتر سے لے کر پریس تک ان کی قربانیاں شامل ہیں۔ یہ دونوں حضرات نوجوان علماء میں امتیازی حیثیت کے مالک ہیں۔ الحاج سعید نوری صاحب مولانا آل مصطفےٰ مصباحی، مولانا احمد رضا مصباحی، مولانا حافظ محمد اشرف مصباح الحق صدیقی مولانا کمال الدین مصباحی مولانا عارف کانپوری، مولانا محمد علی رضوی، نوشاد عالم چشتی مولانا اشرف چشتی مولوی یونس رضوی، ظہیر الحق صدیقی ان حضرات کے اخلاص مسلسل کی ہم قدر کرتے ہیں۔ اور جن اہل قلم نے ہمارا قلمی تعاون کیا ہے سب کے دل کی گہرائیوں سے مشکور ہیں۔ "معارف رضا" سے بھی کئی تحقیقی و قیمتی مقالات لئے گئے ہیں۔ ہم اراکین ادارہ کے شکر گذار ہیں۔

نوشابہ ظہور صدیقی و شائستہ پروین صدیقی یہ دونوں فاضلات انتہائی ذہین اور اچھی صلاحیت کی مالک ہیں۔ امام احمد رضا کی شخصیت پر ریسرچ و تحقیق کا ارادہ رکھتی ہیں۔ پیغام رضا کی اشاعت میں ان دونوں کا تعاون لائق ستائش ہے۔ پروف ریڈنگ کی اہم ذمہ داری کو عمدہ طریقے سے انجام دیا ہے۔ ہم ان کے جذبات کی قدر کرتے ہیں اور ان کے لئے نیک خواہشات رکھتے ہیں۔

قارئین حضرات ہم نے اس نمبر کی ترتیب میں بہت احتیاط سے کام لیا ہے پھر بھی انسان ہونے کی وجہ سے لغزش بھول ہو سکتی ہے۔ اگر آپ کی نگاہ میں کوئی کمی نظر آجائے تو رضا نوازی کے ساتھ اطلاع دیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اس کمی کا ازالہ ہو سکے۔ اور اس نمبر پر آپ کے تاثرات کا بھی انتظار رہے گا۔

فقط

طالب دعاء

رحمت اللہ صدیقی

خطیب و امام قادری جامع مسجد۔ نائیک نگر۔ سائن ممبئی ۴۰۰۰۲۲

فون: ۶۰۹۸۳۴۴

اِزاحۃ العیب بسیف الغیب

١٣٣٠ھ

از امام احمد رضا خاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مسئلہ از مدرسہ دیوبند ضلع سہارنپور مرسلہ یکے از اہلسنت نصرہم اللہ تعالیٰ بوساطت جناب مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی سلمہ اللہ تعالیٰ۔

تسلیمات دست بستہ کے بعد گذارش ہے کہ بندہ اس وقت دہاب گڑھ مدرسہ دیوبند میں مقیم ہے جناب عالی (یعنی جناب مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی) جو جو باتیں آپ نے ان لوگوں کے حق میں فرمائی تھیں وہ سب سچ ہے سر مو فرق نہیں عید کے دن بعد نماز جمیع اکابر علما وطلبا ورؤسا نے مل کر عیدگاہ میں بقدر ایک گھنٹہ یہ دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ جارج پنجم بادشاہ لندن کو ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھے اور اس کے والد کو خدا مغفرت نصیب کرے اور جس وقت جارج پنجم ولایت سے بمبئی کو آیا تو مبلغ چوبیس روپیہ کا تار برائے خیر مقدم یعنی سلامی روانہ کر دیا اور بتاریخ ۱۳ ذی الحجہ ایک بڑا جلسہ کر دیا کہ جو چار گھنٹے مختلف علماء نے بادشاہ انگریز کی تعریف اور دعا بیان کیا اور خوشی کے واسطے مٹھائی تقسیم کیا اور عین خطبہ میں بیان کیا کہ امام احمد بن حنبل نے خواب میں دیکھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امام احمد نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری کتنی عمر باقی ہے آپ نے پانچ انگشت

اٹھائیں پھر برائے تعبیر محمد بن سیرین کے پاس آئے انھوں نے فرمایا خمس لا یعلمھا الا ھو تو معلوم ہوا کہ آپ مطلع علی الغیب نہیں دوسرا ذوالیدین کی حدیث کو بیان کیا کہ آپ کو نماز میں سہو ہو گیا جب ذوالیدین نے بار بار استفسار کیا اور آپ نے صحابہ سے دریافت کیا تو پھر نماز کو پورا کیا اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے علم مشاہدہ میں نقصان ثابت ہو گیا علم غیب پر اطلاع تو ابھی دور ہے انتہی یہاں کے لوگ اس قدر بد معاش ہیں کہ مولوی محمود حسن مدرس اوّل درجہ حدیث نے مسلم شریف کے سبق میں باب شفاعت اس حدیث میں کہ آپ نے جب تمام مسلمین کی شفاعت کی اور سب کو نجات دیدیا مگر کچھ لوگ رہ گئے یعنی منافقین وغیرہ تو آپ نے ان کے واسطے شفاعت کی تو فرشتوں نے منع کر دیا کہ تم نہیں جانتے ہو کہ ان لوگوں نے کیا کچھ نکالا بعد آپ کے تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہر جمعہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں یہ غلط ہے محض افترا ہے علم غیب کا کیا ذکر۔ اللہ اکبر۔ ترمذی شریف کے سبق ۱۷۲ صفحہ کے آخر میں۔ ایک عورت کے ساتھ زنا ہو گیا اکراہ کے ساتھ تو اس عورت نے ایک شخص پر ہاتھ رکھا آپ نے اس شخص کو رجم کا حکم فرمایا پس دوسرا شخص اٹھا اُس نے اقرار زنا کا کر لیا پہلے شخص کو چھوڑا اور دوسرا مرجوم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا تاب توبۃ الخ اگر شخص ثانی اقرار نہ کرتا تو پہلے شخص کی گردن اڑا دیتے یہ اچھی غیب دانی ہے ھٰذا اکلہ قولہ اور بھی وقتاً فوقتاً احادیث میں کچھ نہ کچھ کہے بغیر نہیں چھوڑتے اللہ اکبر معاذ اللہ من شرہٖ۔

الجواب

اللہ عزوجل گمراہی و بیحیائی سے پناہ دے۔ فقیر نے ابناء المصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے مختصر جملوں میں ان شبہات اور ان جیسے ہزاروں ہوں تو سب کا جواب شافی دیدیا مگر وہابیہ اپنی خرافات سے باز نہیں آتے اور الدولۃ المکیہ اور اُس کی تعلیق الفیوض المکیہ میں بیان آئین ہے بیں پھر تذکیر کر دوں کہ انشاءاللہ العزیز بار بار سوال کی حاجت نہ ہو اور ذی فہم سُنّی ایسے لاکھ شبہے ہوں تو سب کا جواب خود دے لے فقیر نے قرآن کریم کی آیات قطعیہ سے ثابت

کیا کہ قرآن عظیم نے ۲۳ برس میں بتدریج نزول اجلال فرماکر اپنے حبیب صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ماکان ومایکون یعنی روز اول سے روز آخر تک کی ہر شے ہر بات کا علم عطا فرمایا اور اصول میں مبرہن ہو چکا کہ آیات قطعیہ کے خلاف کوئی حدیث آحاد بھی مسلم نہیں ہو سکتی اگرچہ سنداً صحیح ہو تو مخالف قرآن عظیم کے خلاف پر جو دلیل پیش کرے اُس پر چار باتوں کا لحاظ لازم اول وہ آیت قطعی الدلالۃ یا ایسی ہی حدیث متواتر ہو دوم واقعہ تمامی نزول قرآن کے بعد کا ہو سوم اس دلیل سے راساً عدم حصول علم ثابت ہو کہ مخالف مستدل ہے اور محل ذہول میں اس پر جزم محال اور وہ منافی حصول علم نہیں بلکہ اس کا مثبت ومقتضی ہے چہارم صراحۃً نفی علم کرے ورنہ بہت علوم کا اظہار مصلحت نہیں ہوتا اور اللہ اعلم یا خدا ہی جانے یا اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ایسی جگہ قطع طمع جواب کے لیے بھی ہوتا ہے اور نفی حقیقت ذاتیہ نفی حقیقت عطائیہ کو مستلزم نہیں اللہ عزّ وجل روزِ قیامت رسولوں کو جمع کرکے فرمائے گا ماذا اجبتم تم کفار کے پاس ہدایت لے کر گئے انہوں نے تم کو کیا جواب دیا۔ سب عرض کریں گے لا علم لنا ہمیں کچھ علم نہیں ان شبہات اور ان کے امثال کے رد کو یہی چار جملے بس ہیں اور یہاں امر پنجم اور وہ یہ ہے کہ وہ واقعہ روزِ اول سے قیامِ قیامت تک یعنی اُن حوادث سے ہو جو لوح محفوظ میں ثبت ہیں کہ انہیں کے احاطہ کا دعویٰ ہے امور متعلقہ ذات وصفات وابد وغیرہ نامتناہیات سے ہو تو بحث سے خروج اور دائرہ جنون وسفاہت میں صریح ولوج ہے۔ ان جملوں کے لحاظ کے بعد وہابیہ کے تمام شبہات برباد ہو جاتے ہیں کشجرۃ خبیثۃ ن اجتثت من فوق الارض مالھا من قرار ۝ اب یہیں ملاحظہ کیجئے اولاً چاروں شبہے امر اول سے مردود ہیں ان میں کونسی آیت یا حدیث متواتر قطعی الدلالۃ ہے ثانیاً دوسرا اور چوتھا شبہہ امر دوم سے دوبارہ مردود ہیں کہ یہ ایام نزول کے وقائع ہیں یا کم از کم ان کا بعد تمامی نزول ہونا ثابت نہیں ثالثاً دوسرا شبہہ امر سوم سے سہ بارہ اور تیسرا دوبارہ مردود ہے شبہۂ دوم میں تو صریح بدیہی یقینی ذہول تھا۔ نماز فعل اختیاری ہے اور افعال اختیاریہ بے علم وشعور ناممکن مگر وہابیہ بدیہیات

میں بھی انکار رکھتے ہیں ذٰلک بانھم قوم یکابرون اور شبہہ سوم کا حال بھی ظاہر روز قیامت کا عظیم ہجوم تمام اولین و آخرین وانس و جن کا ازدحام لاکھوں منزل کے دور میں قیام اور حوض و صراط و میزان پر گنتی شمار کی حد سے باہر مختلف کام اور ہر جگہ خبر گیراں صرف ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کروڑویں حصے کا کروڑواں حصہ ہجوم کارہائے عظیمہ مہمہ اگر ایسے دس ہزار پر ہو جن کی عقل نہایت کامل اور حواس کمال مجتمع اور قلب اعلیٰ درجہ کا ثابت توان کے ہوش پراں ہو جائیں آئے حواس گم ہوں یہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینۂ پاک ہے جس کی وسعت کے حضور عرش اعظم مع جملہ عوالم صحرائے لق و دق میں بھنگے کے مانند ہیں جیسے ان کا رب فرماتا ہے الم نشرح لک صدرک پھر ان عظیم و خارج از حد شمار کاموں کے علاوہ وہ وقت وہ سہمناک کہ اکابر انبیاء و مرسلین نفسی نفسی پکاریں رب عزوجل اُس غضب شدید کے ساتھ تجلی فرمائے ہو کہ نہ اُس سے پہلے کبھی ہوئے نہ اس کے بعد کبھی ہو پھر ایک ایک مسلمان اُس سے زیادہ پیارا جیسے مہربان ماں کو اکلوتا بچا۔ وہ جوش ہیبت وہ کام کی کثرت وہ وفور رحمت وہ لاکھوں منزل کا دورہ وہ کروڑوں طرف نظر، سنکھوں طرف خیال۔ ایسی حالت میں اگر بعض باتیں ذہن اقدس سے اتر جائیں تو عین اعجاز ہے جس سے بالا صرف علم الٰہی ہے وبس ولکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون اور اس پر صریح دلیل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام امت کا دکھایا جانا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تمام امت کے اعمال برابر عرض ہوتے رہنا تو ہے ہی جس پر احادیث کثیرہ ناطق اگرچہ وہابیہ اپنی ڈھٹائی سے انکار کریں مگر سب سے زیادہ صاف صریح دلیل قطعی یہ ہے کہ آخر روز قیامت کچھ لوگوں کی نسبت یہ واقعہ پیش آنے کی حدیث بیان کون فرما رہے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی تو ارشاد فرما رہے ہیں اگر اس ہجوم عظیم کارہائے خطیر میں ذہول نہ ہوتا تو یہ واقعہ واقع ہی نہ ہوتا تو اُس وقت اتنے ذہول سے چارہ نہیں لیقضی اللہ امرا کان مفعولا ولکن الوھابیۃ قوم یفرقون۔ رابعًا پہلا شبہہ امر چہارم سے دوبارہ مردود

ہے کسی کی مقدار عمر و وقت موت اُسے بتادینا غالب اوقات اکثر ناس کے لیے مصلحت دینیہ کے خلاف ہے تو ایسے مہمل سوال کے جواب سے اگر اعراض فرمایا اور حوالہ بخدا فرمادیا کیا مستبعد ہے **فائدہ** یہ انھیں جملوں سے ان چاروں شبہوں کے متعدد رد ہوگئے اب بتوفیقہ تعالیٰ بعض بقیہ افادات ذکر کریں کہ وہابیہ کی کمال جہالت آفتاب سے زیادہ روشن ہو اور چاروں شبہوں میں ہی ایک پر چار چار رد ہو جائیں **فاقول** و باللہ التوفیق **شبہہ اولیٰ** کے دو رد گذرے امر اول و چہارم سے **ثالثاً** حضرات علمائے وہابیہ کی جہالت تماشا کردنی امام احمد بن حنبل نے خواب دیکھا اور امام ابن سیرین سے تعبیر پوچھی۔ اے سبحٰن اللہ۔ جھوٹ گھڑے تو ایسا گھڑے۔ امام ابن سیرین کی وفات سے ساڑھے ترپن برس بعد امام احمد کی ولادت ہوئی ہے۔ ابن سیرین کی وفات نہم شوال ۱۱۰ھ ایک سو دس کو ہے اور امام احمد کی ولادت ربیع الاول ۱۶۴ھ ایک سو چونسٹھ میں تقریب میں ہے محمد بن سیرین ثقة ثبت عابد کبیر القدر مات سنة عشر ومائة وفیات الاعیان میں ہے محمد بن سیرین له الید الطولیٰ فی تعبیر الرؤیا توفی تاسع شوال یوم الجمعة سنة عشر ومائة بالبصرة تقریب میں ہے احمد بن محمد بن حنبل مات سنة احدی و اربعین وله سبع وسبعون سنة وفیات میں ہے الامام احمد بن حنبل خرجت امه من مرو وھی حامل به فولدته فی بغداد فی شھر ربیع الاول سنة اربع وستین ومائة مگر یہ کہے کہ امام احمد نے جب کہ اپنے جد امجد کی پشت میں نطفے تھے یہ خواب دیکھا اور امام ابن سیرین نے ما فی الارحام سے بھی خفی تر غیب ما فی الاصلاب کو جانا اور تعبیر بیان کی یوں آپ کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی نہ ہوئی تو ابن سیرین کو علم غیب ہوا۔ یہ شاید حضرات وہابیہ پر آسان ہو کہ ان کو اوروں کے فضائل سے اتنی عداوت نہیں جو اصل اصول جملہ فضائل یعنی فضائل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ سے ہے۔

لطیفۂ جلیلہ دیوبندی علما کی یہ جہالت اپنے قابل ہے ان کے اکابر کی ان سے بھی بڑھ کر ان کے قابل تھی عالیجناب امام الوہابیہ مولوی گنگوہی صاحب آنجہانی اپنے ایک فتوے میں اپنی داد قابلیت دیتے ہوئے فرماتے ہیں حسین بن منصور کے قتل[1] پر امام ابو یوسف شاگرد امام ابو حنیفہ جو کہ سید العلماء تھے اور سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو تمام سلاسل کے مرجع ہیں دونوں نے فتویٰ قتل کا دیا بجا ہے۔ در فن تاریخ ہم کمالے دارند سیدنا امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پنجم ربیع الاول یا ربیع الآخر ۱۸۲ھ ایک سو بیاسی کو ہے اور حضرت حسین منصور حلاج قدس سرہٗ کا یہ واقعہ ۲۳ ذی قعدہ ۳۰۹ھ تین سو نو میں دونوں میں قریب ایک سو اٹھائیس برس کا فاصلہ ہے مگر امام ابو یوسف کو غیب داں کہیے کہ اپنی وفات سے سوا سو برس بعد کے واقعہ کو جان کر حلاج کے قتل کا پیشگی فتویٰ دے گئے تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی میں ہے القاضی ابو یوسف الامام العلامۃ فقیہ العراقین صاحب ابی حنیفۃ اجتمع علیہ المسلمون مات فی ربیع الآخر سنۃ اثنتین وثمانین ومائۃ عن سبعین سنۃ ولہ اخبار فی العلم والسعادۃ وفیات الاعیان میں ہے کانت ولادۃ القاضی ابی یوسف سنۃ ثلث عشرۃ ومائۃ وتوفی یوم الخمیس اول وقت الظہر لخمس خلون من شہر ربیع الاول سنۃ اثنتین وثمانین ومائۃ ببغداد اسی میں تاریخ شہادت حضرت حلاج لکھا یوم الثلثاء لسبع وقیل لست بقین من ذی القعدۃ سنۃ تسع وثلثمائۃ سلطان اورنگ زیب محی الدین عالمگیر انار اللہ تعالیٰ برہانہٗ کی حکایت مشہور ہے کہ کسی مدعی ولایت کا شہرہ سن کر اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس کی عمر طویل بتائی جاتی تھی۔ سلطان نے پوچھا جناب کی عمر شریف کس قدر ہے۔ کہا مجھے تحقیق تو یاد نہیں مگر جس زمانے میں سکندر ذوالقرنین امیر تیمور سے لڑ رہا تھا میں جوان تھا سلطان نے فرمایا علاوہ کشف وکرامات در فن تاریخ ہم کمالے دارند۔ دیوبندی صاحبوں نے تو ترپن چون ہی برس کا بل رکھا تھا جناب

[1] قتل پر قتل کا فتویٰ بھی قابل تماشا ہے یعنی قتل کو قتل کیا جائے یا قاتل کو۔

گنگوہی صاحب سوا سو برس سے بھی اونچے اڑ گئے یعنی شملہ بمقدار علم۔ اس سنت پر قائم ہو کر اگر کوئی دیوبندی یا تھانوی حضرت گنگوہی صاحب کے تذکرہ میں لکھدیتا کہ عالیجناب گنگوہیت مآب کو ابن ملجم نے غسل دیا اور یزید نے نماز پڑھائی اور شمر نے قبر میں اتارا تو کیا مستبعد تھا بلکہ وہ اس سے قریب تر ہوتا دو وجہ سے اولاً ممکن کہ اشتراک اسماء ہو وفات گنگوہی صاحب کے وقت جو لوگ ان کاموں میں ہوں ان کے یہ نام ہوں۔ ثانیاً باب تشبیہ واسع ہے جیسے لکل فرعون موسی مگر جناب گنگوہی صاحب کے کلام میں کہ امام ابو یوسف شاگرد امام ابو حنیفہ جو سید العلما تھے کوئی تاویل بنتی نظر نہیں آتی سوا اس کے کہ اتنا عظیم جہل شدید یا حضرت امام پر اتنا بیبا کانہ افترائے بعید ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز المجید۔ رابعاً بفرض صحت حکایت یہ معبّر کی اپنی مقدار علم ہے ممکن کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمر ہی بتائی ہو خواہ مجموع خواہ باقی۔ پانچ انگلیوں سے اشارے میں پانچ یا چھ دن یا ہفتے یا مہینے یا برس یا ساٹھ یا بہتر برس یا تیس سال دس مہینے گیارہ دن یا اکتیس سال چار مہینے چند دن بارہ احتمال ہیں۔ کیا دلیل ہے کہ خواب دیکھنے والے کی عمر اگرچہ بفرض غلط امام احمد ہی ہوں روز خواب سے آخر تک ان میں سے کسی مقدار پر نہ ہوئی امام احمد کی عمر شریف ۷۷ سال ہوئی اگر پانچ برس کی عمر میں خواب دیکھا ہو تو سب میں بڑا احتمال ۷۲ سال ممکن ہے اور باقی زیادہ واضح ہیں یا اصل دیکھے تو امام احمد و امام ابن سیرین کا نام تو دیوبندیوں نے بنا لیا کیا دلیل کہ واقعی خواب دیکھنے والے کی ساری عمر چار احتمال اخیر سے کسی شمار پر نہ ہوئی۔ خواب دیکھنے کی تاریخ اور دیکھنے والے کی تاریخ ولادت و تاریخ وفات یہ سب صحیح طور پر معلوم ہوئی اور ثابت ہو کہ اس کی مجموع عمر و باقی عمر کوئی ان میں سے کسی احتمال پر ٹھیک نہیں آتی اس وقت کہنے کی گنجائش ہو کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے مقدار عمر کی طرف اشارہ نہ فرمایا اور جبکہ ان میں سے کچھ ثابت نہیں تو ممکن کہ حضور نے عمر ہی بتائی ہو۔ معبر کو اس کے جاننے کی طرف راہ نہ تھی لہذا اپنی سمجھ کے قابل اُسے عیوب خمسہ کی طرف پھیر دیا دیوبندیو

کو تو شاید اس اشارے میں یہ بارہ احتمال سمجھنے بھی دشوار ہوں حالانکہ وہ نہایت واضح ہیں اور ان کے سوا اور دقیق احتمال بھی تھے کہ ہم نے ترک کردیئے **شبہہ ثانیہ** کے تین رد گذرے اور اول و دوم وسوم سے **رابعًا** دیو بندیوں کی عبارت کہ آپ کے علم مشاہدہ میں نقصان ثابت ہو گیا علم غیب پر اطلاع تو ابھی دور ہے جس ناپاک و بے باک طرز پر واقع ہوئے اس کا جواب تو انشاء اللہ تعالیٰ روز قیامت میں ملے گا مگر ان سفیہوں کو دین کی طرح عقل سے بھی مس نہیں امراہم واعظم و اجل واعلیٰ میں اشتغال بارہا امرسہل سے ذہول کا باعث ہوتا ہے ایسی جگہ اس کے ثبوت سے ہی اس کا انتفا ہوتا ہے نہ کہ اس کی نفی سے اُس کی نفی پر استدلال کیا جائے ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون **شبہہ ثالثہ** کے دو رد گزرے امر اول وسوم سے **ثالثًا** یہ حدیث جس طرح دیوبندی نے بتائی صریح افترا ہے نہ صحیح مسلم میں کہیں اس کا پتہ ہے **رابعًا** حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعمال امت پیش کئے جانے کو غلط محض افترا کہنا غلط و محض افترا ہے۔ بزار اپنی مسند میں بسند صحیح جیّد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن احمدت اللہ علیہ وما کان من شی استغفرت اللہ لکم میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر۔ تمہارے اعمال مجھ پر عرض کیے جائیں گے میں بھلائی پر حمد الٰہی بجالاؤں گا اور برائی پر تمہاری بخشش چاہوں گا اللّٰھم صل و سلم و بارک علیہ صلاۃ تکون لک ولہ رضاء ولحقہ العظیم اداء آمین مسند حارث میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں حیاتی خیر لکم تحدثونی ونحدث لکم فاذا انامت کانت وفاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فان رأیت خیرا احمدت اللہ ان رأیت غیر ذلک استغفرت اللہ لکم میرا جینا تمہارے لیے بہتر ہے مجھ سے

باتیں کرتے ہو اور ہم تمہارے نفع کی باتیں تم سے فرماتے ہیں جب میں انتقال فرماؤں گا تو میری وفات تمہارے لیے خیر ہوگی تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے اگر نیکی دیکھوں گا حمد الٰہی کروں گا اور دوسری بات پاؤں گا تو تمہاری مغفرت طلب کروں گا اللھم صل وسلم وبارك عليه قدر رافته و رحمته بامته ابدا آمین ابن سعد طبقات اور حارث مسند میں اور قاضی اسمٰعیل بسند ثقات بکر بن عبد اللہ مزنی سے مرسلاً راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم فاذا انامت کانت وفاتی خیرا لکم تعرض علی اعمالکم فان رأیت خیرا حمدت اللہ وان رأیت شرا استغفرت لکم میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے جو نئی بات تم سے واقع ہوتی ہے ہم اس کا تازہ علاج فرماتے ہیں جب میں انتقال کروں گا میری وفات تمہارے لیے بہتر ہوگی تمہارے اعمال میرے حضور معروض ہوں گے میں نیکیوں پر شکر اور بدی پر تمہارے لیے استغفار فرماؤں گا اللھم صل وسلم وبارك على هذا الحبيب الذى ارسلته رحمة وبعثته نعمة وعلى آله وصحبه عدد كل عمل وكلمة آمين امام ترمذی محمد بن علی والد عبد العزیز سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں تعرض الاعمال یوم الاثنين والخميس على الله تعالىٰ وتعرض على الانبياء وعلى الآباء وعلى الامهات يوم الجمعة فيفرحون بحسناتهم وتزداد وجوههم بياضا واشراقا فاتقوا الله تعالىٰ ولاتوذوا موتاكم ہر دوشنبہ وپنجشنبہ کو اعمال اللہ عزوجل کے حضور پیش ہوتے ہیں اور ہر جمعہ کو انبیا اور ماں باپ کے سامنے وہ نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہروں کی نورانیت اور چمک بڑھ جاتی ہے تو اللہ سے ڈرو اور اپنے مُردوں کو اپنی بد اعمالی سے ایذا نہ دو اللھم وفقنا لما ترضاہ ویرضاہ نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتزداد به وجوہ آباءنا وامھاتنا بیاضا واشراقا آمین ابو نعیم حلیۃ الاولیا میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان

اعمال امتی تعرض علی فی کل یوم جمعة واشتد غضب اللّٰہ علی الزناة بے شک ہر جمعہ کے دن میری امت کے اعمال مجھ پر پیش ہوتے ہیں اور زانیوں پر خدا کا سخت غضب ہے والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ - امام اجل عبداللّٰہ بن مبارک سیدنا سعید بن مسیب بن حزن رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم سے راوی لیس من یوم الا وتعرض علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اعمال امتہ غدوة وعشیا فیعرفہم بسیماھم واعمالھم کوئی دن ایسا نہیں جسمیں نبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اُن کی امت کے اعمال صبح و شام دو وقت پیش نہ ہوتے ہوں تو حضور انہیں ان کی نشانی صورت سے بھی پہچانتے ہیں اور ان کے اعمال سے بھی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم تیسیر شرح جامع صغیر میں ہے و ذلک کل یوم کما ذکرہ المؤلف وعدہ من خصوصیاتہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم وتعرض علیہ ایضا مع الانبیاء والاباء یوم الاثنین والخمیس رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور یہ پیشی تو ہر روز ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی نے ذکر فرمایا اور اسے حضور کے خصائص سے گنا اور ہر دو شنبہ و پنجشنبہ کو بھی حضور پر اعمال امت انبیاء وآبا کے ساتھ پیش ہوتے ہیں قالہ تحت حدیث ابن سعد المذکور واللّٰہ تعالیٰ اعلم - اس طور پر بارگاہ حضور میں اعمال امت کی پیشی روزانہ ہر صبح وشام کو الگ ہوتی ہے پھر ہر دو شنبہ و پنجشنبہ کو جدا پھر ہر جمعہ کو ہفتہ بھر کے اعمال کی جدا - بالجملہ دیوبندیوں کا اسے غلط وافترائے محض کہنا محض اُسی بنا پر ہے کہ فضائل محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے جلتے ہیں صحیح حدیثوں کو کیا مانیں جب قرآن عظیم ہی سے بچکر نکلتے ہیں اوندھے چلتے ہیں فبای حدیث بعد اللّٰہ وایتہ یومنون شبهہ رابعہ کے دو رد گذرے امر اول و دوم سے ثالثًا حدیث ترمذی جس سے محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھاری شدید اعتراض جمانا چاہا وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون اصول محدثین پر محل کلام اور اصول دین پر قطعًا حجیت سے ساقط ہے ترمذی کے یہاں اس کے لفظ یہ ہیں حدثنا محمد بن یحییٰ ثنا محمد

بن یوسف عن اسرائیل ثنا سماك بن حرب عن علقمة بن وائل الکندی عن ابیہ ان امراۃ خرجت علی عہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ترید الصلاۃ فتلقاھا رجل فتجللھا فقضی حاجتہ منھا فصاحت فانطلق ومر بھا رجل فقالت ان ذلك الرجل فعل بی کذا وکذا ا مرتہ بعصابۃ من المھاجرین فقالت ان ذلك الرجل فعل بی کذا وکذا فانطلقوا فاخذوا الرجل الذی ظنت انہ وقع علیھا فاتوھا فقالت نعم ھو ھذا فاتوا بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلما امر بہ لیرجم قام صاحبھا الذی وقع علیھا فقال یا رسول اللہ انا صاحبھا فقال لھا اذھبی فقد غفر اللہ لك وقال للرجل قولا حسنا وقال للرجل الذی وقع علیھا ارجموہ وقال لقد تاب توبۃ لو تابھا اھل المدینۃ لقبل منھم ھذا حدیث حسن غریب صحیح وعلقمہ بن وائل بن حجر سمع من ابیہ وھو اکبر من عبد الجبار بن وائل عبد الجبار لم یسمع من ابیہ (۱) وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علقمہ کے سماع میں کلام ہے امام یحییٰ بن معین اُن کی روایت کو منقطع بتاتے ہیں اور اسی پر حافظ نے تقریب میں جزم کیا میزان میں ہے علقمہ بن وائل بن حجر صدوق الا ان یحیی بن معین یقول روایتہ عن ابیہ مرسلۃ تقریب میں ہے علقمہ بن وائل صدوق الا انہ لم یسمع من ابیہ (۲) پھر سماک بن حرب میں کلام ہے تقریب میں ہے قد تغیر باخرہ فکان ربما یلقن امام نسائی نے ان کے باب میں یہ فیصلہ کیا کہ جس حدیث کے تنہا وہی راوی ہوں حجت نہیں میزان میں ہے قال النسائی اذا انفرد باصل لم یکن حجۃ لانہ کان یلقن فیتلقن اھ وقد انتقد الحفاظ علی الترمذی تصحیحاتہ بل وتحسیناتہ کما بیناہ فی مدارج طبقات الحدیث وغیرھا من تصانیفنا اور اوپر ظاہر کہ اس حدیث کا مدار سماک پر ہے (۳) ابوداؤد نے یہ حدیث بعینہ اسی سند سے روایت کی اور اسی میں یہ لفظ لیرجم جو منشاء اعتراض وہابی ہے اصلا نہیں اُس کی سند یہ ہے

حدثنا احمد بن یحیٰی بن فارس نا الفریابی نا اسرائیل نا سماك بن حرب عن علقمہ بن وائل عن ابیہ اور محل احتجاج میں لفظ صرف یہ ہے فقالت نعم ھو ھذا فاتوابہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فلما امر بہ قام صاحبھا الذی وقع علیھا فقال یا رسول اللہ انا صاحبھا آخر میں ہے قال ابو داؤد رواہ اسباط نصر ایضا عن سماك یہاں امر بہ مطلق ہے ممکن کہ تحقیقات کے لیے حکم فرمایا یا یہ بھی سہی کہ بقدر حاجت کچھ سخت گیری کرو قید کرو کہ اگر گناہ کیا ہو اقرار کرے کہ شرعاً متہم کی تعزیر جائز ہے جامع ترمذی میں بسند حسن معاویہ بن حیدہ قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے حدثنا علی بن سعید الکندی ثنا ابن المبارك عن معمر عن بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حبس رجلا فی تھمتہ ثم خلی عنہ قال الترمذی و فی الباب عن ابی ھریرۃ حدیث بھز حدیث حسن و قد روی اسمعیل بن ابراھیم عن بھز بن حکیم ھذا الحدیث اتم من ھذا واطول اھ **قلت** سند الترمذی حسن علی و بھز وحکیم کلھم صدوق ما اشار الیہ من روایۃ اسمعیل بن ابراھیم فقد رواھا ابن ابی عاصم فی کتاب العفو قال حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ ثنا ابن علیۃ عن بھز عن ابیہ عن جدہ عن اخاہ اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال جیرانی علی ما اخذوا فاعرض عنہ فاعاد قولہ فاعرض عنہ و ساق القصۃ قال فی آخرھا خلوالہ عن جیرانہ (۴) امام بغوی نے مصابیح میں یہ حدیث ذکر کی اور اس میں سرے سے دوسرے شخص کا جس پر غلطی سے تہمت ہوئی تھی قصہ ہی نہ رکھا مصابیح کے لفظ یہ ہیں عن علقمہ بن وائل عن ابیہ ان امرأۃ خرجت علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترید الصلاۃ فتلقاھا رجل فتحللھا فقضی حاجتہ منھا فصاحت وانطلق ومرت

عصابۃ من المھاجرین فقالت ان ذلک فعل بی کذا وکذا فاخذوا الرجل فاتوابہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فقال لھا اذھبی فقد غفر اللہ لک وقال للذی وقع علیھا ارجموہ وقال لقد تاب توبۃ لوتابھا اھل المدینۃ لقبل منھم یہ بالکل صاف وبے دغدغہ ہے مشکوٰۃ میں اسے ذکر کرکے کہا رواہ الترمذی وابوداود (۵) اس لفظ ترمذی میں اصل علت یہ ہے کہ اگر کوئی عورت دھوکے سے کسی مرد پر زنا کی تہمت رکھ دے اور حاکم کے حضور نہ وہ مرد اقرار کرے نہ اصلا کوئی شہادت معائنہ گزرے چار درکنار ایک گواہ بھی نہ ہو تو کیا ایسی صورت میں حاکم کو روا ہے کہ صرف عورت کے نام لے دینے سے اس کے رجم وقتل کا حکم دیدے حاشا ہر گز نہیں ایسا حکم قطعاً یقیناً اجماعاً قرآن عظیم وشریعت مطہرہ کے بالکل خلاف اور صریح باطل وظلم وخون انصاف ہے اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور اُسی قدر واقعہ تھا ہمارے ائمہ کے یہاں مقبول ہے مگر انقطاع باطن باجماع علماء مردود وباطل ومخذول ہے اگرچہ کیسی ہی سند لطیف وصحیح سے آئے نہ کہ یہ سند کہ بوجوہ محل نظر ہے سماک کے سوا اسرائیل میں بھی اختلاف ہے اگرچہ راجح توثیق ہے امام علی بن مدینی نے فرمایا اسرائیل ضعیف ابن سعد نے کہا منھم من یستضعفہ یعقوب بن شیبہ نے کہا صالح الحدیث فی حدیثہ لین میزان میں ہے کان یحیی القطان لایرضاہ ابن حزم نے کہا ضعیف اور ان کی متابعت کہ اسباط بن نصر نے کی ان کا حال تو بہت گرا ہوا ہے تقریب میں کہا صدوق کثیر الخطا یغرب اھ اما ما حاول بہ التفصی عنہ فی ھامش نسخۃ الطبع اذ قال لعل المراد فلما قارب ان یامر بہ وذلک قالہ الراوی نظرا الی ظاھر الامر حیث انھم احضروہ فی المحکمۃ عند الامام والامام اشتغل بالتفتیش عن حالہ اھ فاقول لایجدی نفعا ولا یبدی اقعا فان الاشتغال بالتفتیش لایفھم قرب الامر بالرجم مالم یکن ھناک شئ یثبتہ وما کان ھناک

شهود ولا اقرار وما كان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیامر بقتل مسلم من دون ثبت فکیف یظهر للناظر قرب الامر بالرجم رجما بالغیب بل نسبته مثل هذا الفهم الرکیک الباطل الذی یترفع عنه احاد الناس الی الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم ثم ادعاء انهم اعتمدوا علیه کل الاعتماد حتی نسبوا الامر بالرجم الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ازراء بالصحابة وهو یرفع الامان عن روایاتهم ولاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم۔ **رابعًا** یہ سب علم ظاہر کے طور پر تھا اور علم حقیقت لیجئے تو وہابیہ کا عجیب اندھاپن قابل تماشہ ہے وہ حدیث کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم غیب پر روشن دلیل ہے اسی کو اُلٹی دلیل نفی ٹھہراتے ہیں اللہ عزوجل نے ہمارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شریعت وحقیقت دونوں کا حاکم بنایا حضور کے احکام شریعت ظاہرہ پر ہوتے اور کبھی حقیقت باطنہ پر حکم فرماتے مگر اس پر زور نہ دیا جاتا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک شخص کی تعریف کی کہ جہاد میں ایسی قوت رکھتا ہے اور عبادت میں ایسی کوشش کرتا ہے اتنے میں وہ سامنے سے گذرا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کے چہرہ پر شیطان کا داغ پاتا ہوں۔ اس نے پاس آکر سلام کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے دل کی بات بتائی کہ کیوں تو نے اپنے دل میں یہ کہا کہ اس قوم میں تجھ سے بہتر کوئی نہیں کہا ہاں پھر چلا گیا اور ایک مسجد مقرر کرکے نماز پڑھنے کھڑا ہوا حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کون ایسا ہے جو اٹھ کر جائے اور اُسے قتل کردے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے دیکھا نماز پڑھتا ہے واپس آئے اور عرض کیا کہ میں نے اسے نماز میں دیکھا مجھے قتل کرتے خوف آیا۔ حضور نے پھر فرمایا تم میں کون ایسا ہے کہ اُٹھ کر جائے اور اُسے قتل کردے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے اور نماز پڑھتا دیکھ کر چھوڑ آئے اور وہی عذر کیا حضور نے پھر فرمایا تم میں کون ایسا ہے کہ اٹھ کر جائے اور اسے قتل کردے مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے عرض کی میں حضور نے فرمایا ہاں تم اگر اُسے

پاؤ۔ یہ گئے وہ جا چکا تھا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میری امت سے پہلا سینگ نکلا تھا اگر یہ قتل ہو جاتا تو آئندہ امت میں کچھ اختلاف نہ پڑتا ابن ابی شیبہ و ابویعلی و بزار و بیہقی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں قال ذکروا رجلا عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فذکروا قوتہ فی الجہاد واجتہادہ فی العبادۃ فاذاھم بالرجل مقبل فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انی لاجد فی وجہہ سفعۃ من الشیطان فلما دنی مسلم فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھل حدثت نفسک بانہ لیس فی القوم احد خیر منک قال نعم ثم ذھب فاختط مسجدا او وقف یصلی فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من یقوم الیہ فیقتلہ فقام ابوبکر فانطلق فوجدہ یصلی فرجع فقال وجدتہ یصلی فھبت ان اقتلہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایکم یقوم فیقتلہ فقام عمر فصنع کما صنع ابوبکر فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایکم یقوم فیقتلہ فقال علی انا قال انت ان ادرکتہ فذھب فوجدہ قد انصرف فرجع فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھذا اول قرن خرج من امتی لو قتلتہ ما اختلف اثنان بعدہ من امتی خدمت اقدس میں ایک شخص حاضر کیا گیا جس نے چوری کی تھی ارشاد ہوا اُسے قتل کر دو۔ عرض کی گئی اس نے چوری ہی تو کی ہے فرمایا خیر ہاتھ کاٹ دو پھر اس نے دوبارہ چوری کی اور قطع کیا گیا سہ بارہ زمانۂ صدیق اکبر میں پھر چرایا اور قطع کیا گیا چوتھی بار پھر چوری کی اور قطع کیا گیا پانچویں بار پھر چرایا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیری حقیقت خوب جانتے تھے جب کہ اوّل ہی بار تیرے قتل کا حکم فرمایا تھا تیرا وہی علاج ہے جو حضور کا ارشاد تھا لے جاؤ اسے قتل کر دو اب قتل کیا گیا ابویعلی اور شاشی اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک میں ضیائے مقدسی صحیح مختارہ میں محمد بن حاطب اور حاکم مستدرک میں بافادۂ تصحیح ان کے بھائی حارث بن حاطب

رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی قال اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلص فامر بقتلہ فقیل انہ سرق فقال اقطعوہ ثم جئ بہ بعد ذلک الی ابی بکر وقد قطعت قوامہ فقال ابو بکر ما اجد لک شیأ الا ما قضی فیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم امر بقتلک فانہ کان اعلم بک فامر بقتلہ صحیح مستدرک کے لفظ حارث بن حاطب سے یہ ہیں ان رجلا سرق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاتی بہ فقال اقتلوہ فقالوا انما سرق قال فاقطعوہ ثم سرق ایضا فقطع ثم سرق علی عہد ابی بکر فقطع ثم سرق قطع حتی قطعت قوائمہ ثم سرق الخامس فقال ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعلم بھذا حیث امر بقتلہ اذھبوا فاقتلوہ اذھبوا ظاہر ہے کہ ان دونوں کے قتل کا حکم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے علوم غیب ہی کی بنا پر فرمایا تھا ورنہ ظاہر شریعت میں وہ مستحق قتل نہ تھے امام جلیل جلال الملۃ والدین سیوطی سلمہ اللہ تعالیٰ خصائص کبریٰ شریف میں فرماتے ہیں باب ومن خصائصہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من جمع بین القبلتین والھجرتین وانہ جمعت لہ الشریعۃ والحقیقۃ ولم یکن للانبیاء الا احدھما بدلیل قصۃ موسیٰ مع الخضر علیھما الصلاۃ والسلام وقولہ انی علی علم من علم اللہ لا ینبغی لک ان تعلمہ وانت علی علم من علم اللہ تعالیٰ لا ینبغی لی ان اعلمہ وقد کنت قلت ھذا الکلام اولا استنباطا من ھذا الحدیث من غیر ان اقف علیہ فی کلام احد من العلماء ثم رأیت البدر بن الصاحب اشار الیہ فی تذکرتہ ووجدت من شواھدہ حدیث السارق الذی امر بقتلہ والمصلی الذی امر بقتلہ وقد تقدم فی باب الاخبار بالمغیبات زیادۃ ایضاح لھذا الباب فقد اشکل فہمہ علی قوم ولو تاملوا لاتضح لھم المراد بالشریعۃ الحکم بالظاہر وبالحقیقۃ الحکم

بالباطن وقد نص العلماء علی ان غالب الانبیاء علیہم السلام انما بعثوا لیحکموا بالظاہر دون ما اطلعوا علیہ من بواطن الامور وحقائقہا ولکون الانبیاء لم یبعثوا بذالک انکر موسی قتلہ الغلام فقال لہ لقد جئت شیئا نکرا لان ذلک خلاف الشرع فاجابہ امر بذالک و بعث بہ فقال وما فعلتہ عن امری ذلک تاویل فہذا ابانہ معنی انک علی علم الی اٰخرہ قال الشیخ سراج الدین البلقینی فی شرح البخاری المراد بالعلم التنفیذ و المعنی لا ینبغی لک ان تعلمہ لتعمل بہ لان العمل بہ مناف لمقتضی الشرع ولا ینبغی ان اعلمہ فاعمل بمقتضاہ لانہ مناف لمقتضی الحقیقۃ قال فعلی ہٰذا لا یجوز للولی التابع للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اطلع علی حقیقۃ ان ینفذ ذلک بمقتضی الحقیقہ و انما علیہ ان ینفذ الحکم الظاہر انتہی وقال الحافظ ابن حجر فی الاصابۃ قال ابو حیان فی تفسیرہ الجمہور علی ان الخضر نبی وکان علمہ معرفۃ بواطن اوحیت الیہ وعلم موسے الحکم بالظاہر فاشار الی ان المراد فی الحدیث بالعلمین الحکم بالباطن و الحکم بالظاہر لا امر اٰخر وقد قال الشیخ تقی الدین السبکی ان الذی بعث بہ الخضر شریعۃ لہ فالکل شریعۃ واما نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فانہ امر اولا ان یحکم بالظاہر دون ما اطلع علیہ من الباطن والحقیقۃ کغالب الانبیاء ولہذا قال نحن نحکم بالظاہر وفی لفظ انما اقضی بالظاہر واللہ یتولی السرائر وقال انما اقضی بنحو ما اسمع فمن قضیت لہ بحق اٰخر فانما ہی قطعۃ من النار وقال للعباس اما ظاہرک فکان علینا واما سریرتک فالی اللہ وکان یقبل عذر المتخلفین عن غزوۃ تبوک ویکل سرائرہم الی اللہ وقال فی تلک المرأۃ لو کنت راجما احدا من غیر بینۃ لرجمتہا وقال ایضا لولا القراٰن لکان لی ولہا شان فہذا کلہ صریح فی انہ انما یحکم بظاہر

الشرع بالبینہ اذ الاعتراف دون ما اطلعہ اللہ علیہ من بواطن الامور وحقائقہا ثم ان اللہ زادہ شرفا و اذن لہ ان یحکم بالباطن وما اطلع علیہ من حقائق الامور فجمع لہ بین ما کان الانبیاء وما کان للخضر خصوصیۃ خصہ بہا ولم یجمع الامران لغیرہ وقد قال القرطبی فی تفسیرہ اجمع العلماء عن بکرۃ ابیہم انہ لیس لاحد ان یقتل بعلمہ الا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وشاہد ذلک حدیث المصلی و السارق الذین امر بقتلہما فانہ اطلع علی باطن امرہما وعلم منہما مایوجب القتل ولو تفطن الذین لم یفہموا الی استشہادی بہذین الحدیثین فی اٰخر الباب لعرفوا ان المراد الحکم بالظاہر والباطن فقط لاشئ اٰخر لایقولہ مسلم ولا کافر ولا مجانین المارستان وقد ذکر بعض السلف ان الخضر الی الان ینفذ الحقیقۃ وان الذین یموتون فجاءۃ ہو یقتلہم فان صح ذلک فہو فی ہذہ الامۃ بطریق النیابۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فانہ صار من اتباعہ کما ان عیسی علیہ السلام لما ینزل یحکم بشریعۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیابۃ عنہ ویصیر من اتباعہ وامتہ اھ اس کلام نفیس سے ثابت کہ عامۂ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو صرف ظاہر شرع پر عمل کا اذن ہوتا ہے اور سیدنا خضر علیہ السلام کو اپنے علم مغیبات پر عمل کا حکم ہے ولہٰذا انہوں نے ناسمجھ بچّہ کو بے کسی جرم ظاہر کے قتل کردیا اور یہ کہ اب جو ناگہانی موت سے مرجاتے ہیں انہیں بھی وہی قتل فرماتے ہیں اور ہمارے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ظاہر شرع اور اپنے علوم غیب دونوں پر عمل و حکم کا رب عزوجل نے اختیار دیا ہے اور امام قرطبی نے اجماع علماء نقل فرمایا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ محض اپنے علم کی بناء پر قتل کا حکم فرمادیں اگرچہ گواہ شاہد کچھ نہ ہو اور حضور کے سوا دوسرے کو اختیار نہیں تو اگر اُس نماز والے یا اُس چور یا اُس شخص کو جس پر

عورت نے دھوکے سے تہمت رکھی تھی قتل کا حکم فرمائیں تو یقیناً وہ حضور کے علوم غیب ہی پر مبنی ہے نہ کہ ان کا نافی۔ کیوں وھابیو! اب تو اپنی اوندھی مت پر مطلع ہوئے فانی تؤفکون۔

مسلمانو! وہابیہ کے مطلب پر بھی غور کیا۔ حکم کے دو ہی مبنے ہوتے یا ظاہر شرع یا باطنی علوم غیب۔ ظاہر ہے کہ یہاں ظاہر کی رو سے تو اصلا حکم رجم کی گنجائش نہ تھی نہ ملزم کا اقرار نہ اصلا کوئی گواہ۔ صرف مدعی کا غلط دعوی سُن کر مسلمان کے قتل کا حکم فرما دیں نبی کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے آج کل کا کوئی عالم نہ سالم کوئی جاہل حاکم ہی ایسا حکم کر بیٹھے تو ہر عاقل اُسے یا سخت جاہل یا پکا ظالم کہے تو حدیث صحیح مان کر راہ نہ تھی مگر اسی طرف کہ حضور نے بربنائے تہمت ہرگز یہ حکم نہ دیا بلکہ اپنے علوم غیب سے جانا کہ یہ شخص قابل رجم ہے اس پر حکم رجم فرمایا۔ اسے وہابیہ مانتے نہیں بلکہ بزعم خود اسی کے ابطال کو یہ حدیث لائے ہیں تو اب سمجھ لیجئے کہ ان کا کیا مطلب ہوا اور انہوں نے تمہارے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کیسا بھاری الزام قائم کیا کیوں نہ ہو عداوت کا یہی مقتضی ہے قد بدات البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر قد بینّا لکم الأیٰت لقوم یعلمون ٥ والذین یوذون رسول اللہ لھم عذاب الیم ٥ ربّ انی اعوذ بک من ھمزات الشیاطین واعوذ بک رب ان یحضرون ٥ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

نقشہ نعلین پاک

نہایت آب و تاب کے ساتھ اعلیٰ پیمانہ پر ہمارے یہاں بصرف زر کثیر چھپ کر تیار ہو چکا ہے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اس خوبی کا نقشہ اس وقت تک دنیا کی نظروں سے نہ گذرا ہوگا وہ حضرات جو اس نقشہ نعل پاک سے فیوض و برکات حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ پتہ ذیل سے طلب فرمائیں۔

مختصر فوائد نعل شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

کتاب المرتجی بالقبول فی خدمت قدم الرسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) میں لکھا ہے کہ جو شخص اس نقش شریف کو اپنے پاس رکھے، مقبول خلائق ہو اور ظالموں کے ظلم سے، دشمنوں کے غلبے سے۔ شیطان سرکش سے، حاسد کی نظر بد سے امن وامان میں رہے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرّف ہو۔ اور یہ نقش شریف جس لشکر میں ہو، اس کو شکست نہ ہو۔ اور جس قافلے میں ہو لوٹ مار سے محفوظ رہے۔ جس اسباب میں ہو، چوروں کا اس پر قابو نہ چلے۔ جس کشتی یا جہاز میں ہو، غرق ہونے سے بچے۔ اور حاملہ عورت درد زہ کی شدّت کے وقت اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں رکھے بفضلہ تعالیٰ اس کی مشکل آسان ہو اور جس مشکل حاجت میں اس سے توسّل کرے، پوری ہو۔

طریق توسل یہ ہے کہ آخر شب میں اُٹھ کر تہجد جس قدر ہو سکے پڑھیں۔ اس کے بعد گیارہ بار درود شریف گیارہ بار کلمۂ طیبہ اور گیارہ بار استغفار پڑھ کر اس نقش شریف کو باادب اپنے سر پر رکھے اور بتضرع تمام جناب باری تعالیٰ میں عرض کرے کہ "الٰہی میں جس مقدس پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے نقشہ نعل شریف کو سر پر لیئے ہوئے ہوں، اُن کا ادنی درجہ کا غلام ہوں۔ الٰہی اس نسبتِ غلامی پر نظر فرما کر ببرکت اس نعل شریف کے میری فلاں حاجت پوری فرمائیے"۔ مگر خلاف شرع کوئی حاجت طلب نہ کرے۔ پھر اس نقشہ کو سر پر سے اتار کر اپنے چہرے پر ملے اور اس کو بمحبت بوسہ دے اور اشعار شوقیہ بغرض ازدیاد عشق محمدی پڑھے۔ انشاءاللہ تعالیٰ عجیب کیفیت پائے گا۔

عاشقِ صادق

از: صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر نقشبندی
پرنسپل، رکن الاسلام جامعہ مجددیہ حیدرآباد

اس صدی میں "امام احمد رضا فاضل بریلوی" کے نام سے ایک ایسا شخص بھی گذرا ہے جو اپنے نبی کا سچّا عاشق اور محبِّ صادق تھا۔ عشقِ مصطفیٰ اس کے رگ و پے میں رچا بسا ہوا تھا۔

کہنے کو تو ہر شخص دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے نبی سے سچا عشق ہے۔ لیکن یاد رکھیئے "عشق و محبت" کی کچھ نشانیاں اور کچھ علامتیں ہوتی ہیں اگر کسی میں وہ نشانیاں پائی جائیں تو سمجھ لیجیئے کہ یہ سچا عاشق ہے۔

آیئے ذرا دیکھیں کہ عشق و محبت کی کون کون سی علامتیں اور نشانیاں اس عاشقِ رسول میں پائی جاتی تھیں۔

بے چینی و بے قراری

محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی یاد میں ہر وقت بے چین و بے قرار رہتا ہے۔ اسے محبوب کو دیکھے بغیر چین نہیں آتا۔ حضرت امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے کہ وہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ ان کے عشق کا یہ عالم تھا کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس حال میں کہ ان کا رنگ متغیر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے تمہارا رنگ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ عرض کرنے لگے کہ مجھے نہ کوئی مرض ہے اور نہ کوئی تکلیف بس صرف بات یہ ہے کہ جب آپ کو نہیں دیکھتا تو گھبرا جاتا ہوں، پریشان ہو جاتا ہوں اور جوں ہی آپ کی زیارت کر لیتا ہوں میری حالت یکدم سنبھل جاتی ہے۔ آج جب مجھے خیال آیا کہ آخرت میں آپ جنت کے اعلیٰ درجوں میں ہوں گے۔ میں نہ معلوم جنت میں جا بھی سکوں گا یا نہیں اگر گیا بھی تو کسی نچلے درجے میں ہونگا وہاں اگر آپ کی زیارت مجھے نہ ہو سکی تو کیا کروں گا۔ خالق کون و مکاں نے قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ فوراً نازل فرما کر اپنے محبوب کے ایسے عشاق کے لیے فرحت و مسرت کا سامان فرما دیا اور عشق رسول میں تڑپنے والوں کو خوش خبری سنا دی کہ جو میرے محبوب کی اس دنیا میں اطاعت کرے گا وہ آخرت میں انہی کے ساتھ ہوگا۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ
وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○

یہ عاشق رسول احمد رضا بھی اپنے محبوب کے دیدار کے لیے تڑپ رہا ہے۔ دوسری مرتبہ جب زیارت حرمین شریفین کے لیے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو شوق دیدار میں مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر روتے رہے، درود و سلام پیش کرتے رہے اور یہ امید لگائے کھڑے رہے کہ آج حضور ضرور نگاہ کرم فرمائیں گے اور اپنی زیارت سے ضرور مشرف فرمائیں گے لیکن اس شب زیارت نہ ہو سکی۔ آپ کا دل بہت ٹوٹا اور اسی ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ ایک نعت آپ نے لکھی۔ جس کے پہلے چند اشعار یہ ہیں ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

اسی مقطع میں اپنی قلبی آرزو پورا نہ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑی عجز وانکساری کے ساتھ درد بھرے انداز میں آپ نے فرمایا ؎

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتّے ہزار پھرتے ہیں

یہ نعت لکھ کر مواجہہ شریف کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوکر اپنی قلبی کیفیات حضور کے سامنے عرض کردیں۔ آقا کو اپنے اس عاشق کی یہ دل شکستگی گوارا نہ ہوئی، پھر کرم فرمایا اور ایسا کرم فرمایا کہ عالم خواب میں نہیں بلکہ عالم مشاہدہ میں بچشم سر بیداری کی حالت میں اسی رات اپنی زیارت سے مشرف کردیا۔ اس طرح اس دل بے قرار کو چین آتا چلا گیا۔ آپ نے اسی چین اور قرار کو اپنے ایک شعر میں ..یوں بیان فرمایا ؎

اک تیرے رخ کی روشنی چین ہے دوجہان کی
انس کا انس اسی سے ہے جان کی وہ ہی جان ہے

ہر ادا پیاری

سچے عاشق کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ عاشق کے لیے اپنے محبوب کی ہر ادا پیاری، ہر انداز دل کش اور ہر طرز دل نشیں اور دل ربا ہوتا ہے اور وہ اسی انداز کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے وہ اس کے اتباع اور اس کی ذات، کی مرافقت کو اپنے

لیے لازم کرلیتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اپنے دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے۔ (۲) اسی مضمون کی تائید اس حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جیسے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

من احبّ سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ (۳)

ترجمہ : ”جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا “

امام احمد رضا، عشق کی اس منزل سے بھی کامیابی کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔ تمام عبادات معاملات، رہن سہن، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا الغرض آپ کی ایک ایک ادا اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں جن جن اوقات اور مقامات پر منقول ہیں آپ انہی اوقات میں ان دعاؤں کو پڑھا کرتے تھے۔ آپ کے کمال اتباع کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں پسند ہے۔ یعنی ہر اچھے کام کی ابتدا دائیں طرف سے کی جائے۔ اس عاشق رسول نے عمل کرکے دکھایا۔ ایک روز فجر کی نماز ادا کرنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ نمازیوں کی نگاہیں آپ پر لگی ہوئی تھیں کہ عین انتظار میں آپ جلدی جلدی مسجد کے اندر تشریف لائے۔ اس وقت آپ کے ایک خادم قناعت علی نے ایک دوسرے ساتھی سید ایوب علی سے کہا کہ اب دیکھتے ہیں کہ اس جلدی کے اندر آپ ”دائیں“ کا خیال رکھتے ہیں یا نہیں۔ یعنی مسجد میں پہلے دایاں قدم رکھتے ہیں یا نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ مسجد کے پہلے زینے پر آپ کا پہلا قدم پڑا تو سیدھا۔ پھر مسجد کے اندر فرش پر پہلا قدم پڑا تو سیدھا۔ صحن میں ایک صف بچھی تھی، اس پر پہلا قدم پڑا تو سیدھا پھر ہر ہر صف پر جو پہلا قدم پڑتا گیا وہ سیدھا۔ پھر دالان میں پہلا قدم پڑا تو سیدھا۔ حتیٰ کہ محراب پر جب بیٹھے تو محراب میں پہلا قدم جو پڑا وہ بھی سیدھا تھا۔ اسی طرح ہر اچھا کام آپ سیدھے ہاتھ سے فرماتے تھے۔ اگر کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کوئی چیز لیتا تو آپ اس کو دینے سے ہاتھ روک لیا کرتے اور اس کو سیدھے ہاتھ سے لینے کا سبق دے کر پھر عطا فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ خط وغیرہ لکھتے

وقت جب (۷۸۶) لکھتے تو وہ بھی سیدھی طرف سے لکھتے تھے حالانکہ اعداد تو عام طور پر بائیں طرف سے لکھے جاتے ہیں۔ تعویذ لکھتے وقت بھی خطوط سیدھی طرف سے کھینچتے تھے۔ سبحان اللہ! اپنے محبوب کی محبوب اداؤں کا اتنا پاس وہی رکھ سکتا ہے جو سچا عاشق ہو اور جس کی نظر میں ادائے محبوب سے زیادہ کوئی شے پیاری اور محبوب نہ ہو۔

دیارِ محبوب

سچی محبت کی ایک نشانی یہ بھی ہوتی ہے کہ محبوب کا دیار، اس کا ملک، اس کا شہر اس کی گلی اور اس کا گھر بھی اس کو پیارا لگنے لگتا ہے۔ بلکہ اس کی نظر میں سارے جہاں سے اچھا اس کے محبوب کا شہر ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجنوں سے کسی نے پوچھا،

پس کدامی شہر ہا خوشتر است
گفت آں شہرے کہ در وے دلبر ست

کہ تجھے سب سے زیادہ کونسا شہر اچھا لگتا ہے تو اس نے کہا کہ جس شہر میں میرا محبوب رہتا ہے، مجھے تو وہ شہر سب سے زیادہ پیارا لگتا ہے۔

اسی لیے خدا کو بھی اپنے محبوب کا شہر "مکہ" بہت محبوب ہے اور اس نے قرآن میں اس کی قسم یاد فرمائی ہے۔

"لا اقسم بھٰذا البلد وانت حل بھٰذا البلد" اور اس شہر کی محبوبیت اور عظمت کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ "وانت حل بھٰذا البلد" کہ یہ شہر مجھے اس لیے محبوب اور عزیز ہے کہ میرے محبوب نبی کے قدم اس کو لگ گئے ہیں۔

اس عاشق رسول امام احمد رضا کو بھی اپنے محبوب کا شہر "مدینہ" سب سے زیادہ پیارا تھا۔ چونکہ محبوب یہاں قیامت تک کے لیے آرام فرما ہیں۔ اس لیے وہ اس کو تمام جہان سے بھی زیادہ حتیٰ کہ مکہ مکرمہ سے بھی زیادہ افضل و اعلیٰ جانتے تھے اگرچہ اپنے اس دعوے پر اس کے پاس بہت سے وزنی علمی دلائل بھی تھے مگر کوئی خشک زاہد اس کی بات کو ماننے کے لیئے

کسی طرح سے بھی تیار نہیں ہوتا تو وہ یہ شعر کہہ کر بات کو ختم کر دیا کرتا کہ :

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

کسی نے اس عاشق رسول سے پوچھا کہ مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے جبکہ مکہ مکرمہ کی مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے، تو اس حدیث سے تو مکہ کا مدینہ سے افضل ہونا ثابت ہوا۔ تم یہ کیسے کہتے ہو کہ مدینہ، مکہ مکرمہ سے بھی افضل ہے۔ اس عاشق نے اپنے عشق میں کیے ہوے اس دعوے کو "علم" کی روشنی سے ثابت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام ابوحنیفہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا یہی مسلک اور مذہب ہے کہ مدینہ افضل ہے لہٰذا میرا بھی یہی مسلک ہے۔ اس کے علاوہ خود حدیث مبارکہ میں بھی آیا ہے کہ "المدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون" کہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اگر وہ جانیں۔ بلکہ دوسری حدیث میں تو نص صریح ہے کہ المدینۃ افضل من المکۃ" کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے۔ پھر فرمایا کہ جہاں تک ہمارے اعتراض کا تعلق ہے اور دونوں جگہ پر تفاوت ثواب کا معاملہ، تو اس کا جواب شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب دیا کہ مکہ میں کمیت زیادہ ہے اور مدینہ میں کیفیت زیادہ ہے۔ یعنی وہاں مقدار زیادہ اور یہاں قدر زیادہ ہے جیسے یوں سمجھیے کہ لاکھ روپے زیادہ ہیں یا پچاس ہزار اشرفی زیادہ ہیں۔ ظاہر ہے گنتی میں تو لاکھ روپے ہی زیادہ ہوں گے لیکن مالیت میں یہ اشرفیاں اس سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ فرمایا کہ اس کے علاوہ مکہ میں ایک نیکی کی لاکھ نیکیاں، جیسے یوں ہی ایک گناہ کے لاکھ گناہ ہیں بلکہ وہاں تو گناہ کے ارادہ پر بھی گرفت ہے۔ جس طرح وہاں نیکی کے ارادے پر ثواب ہے جبکہ مدینہ منورہ میں نیکی کے ارادے پر ثواب تو ہے لیکن گناہ کے ارادے پر عذاب نہیں۔ پھر ایک گناہ کرے تو ایک ہی گناہ کی سزا جبکہ ایک نیکی کرے تو پچاس ہزار نیکیوں کا ثواب، پھر فرمایا کہ عجب نہیں کہ حدیث

مبارکہ میں "خیر لهم" (کہ تمہارے لیے مدینہ بہتر ہے) کے جو الفاظ آئے ہیں وہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ذکر دیار محبوب

محبوب کے لیے نہ صرف محبوب کا ذکر بلکہ اس کے شہر اور دیار کا ذکر بھی اس کے لیے قلبی فرحت وانبساط کا باعث ہوتا ہے۔ دیار محبوب کے ذکر سے بھی اس کے تن مردہ میں جان پڑ جاتی ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بادشاہ ایک بہت خوب صورت لڑکی کے حسن پر فریفتہ ہو گیا۔ اس نے اس سے شادی کر لی۔ لیکن وہ لڑکی کسی اور سے محبت کرتی تھی۔ جب وہ بادشاہ کے محل میں آئی تو اپنے محبوب کا فراق اور جدائی برداشت نہ کر سکی، بیمار پڑ گئی، بادشاہ نے مملکت کے تمام عمدہ سے عمدہ معالجوں کو طلب کر لیا سب نے علاج شروع کر دیا لیکن اس کو کوئی افاقہ نہ ہوا اور حال یہ ہوا کہ:

"مرض" بڑھتا گیا جوں جوں " دوا کی "

بادشاہ سخت پریشان تھا، آخر ایک روز ایک اللہ کے ولی سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اپنا مدعا عرض کیا آپ نے فرمایا کل ہم آکر اس کا علاج کریں گے۔ دوسرے دن آکر آپ نے اس لڑکی کا علاج اس طرح فرمایا کہ ایک شخص کو کہا کہ دنیا میں جتنے ممالک ہیں ان کے نام اس کے سامنے لیئے جائیں۔ جب نام اس کے سامنے لیئے جانے لگے تو ایک نام پر وہ چونکی۔ آپ نے فرمایا رک جاؤ اب اس ملک کے جتنے شہر ہیں ان کے نام لو، اس ملک کے تمام شہروں کے اس کے سامنے نام لیئے جانے لگے تو ایک شہر کے نام پر نبض اور دل کی رفتار تیز ہو گئی۔ آپ نے فرمایا رک جاؤ اب اس شہر میں جتنے محلے ہیں ان کے نام لو جب اس شہر کے تمام محلوں کے اور علاقوں کے نام لیے گئے تو ایک نام پر اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہو گئی۔ اس کا چہرہ چمکنے لگا۔ آپ نے فرمایا اس محلے میں جتنے لوگ رہائش پذیر ہیں ان

کے نام لو جب نام لئے گئے تو ایک نام پر اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ آپ نے بادشاہ سے فرمایا یہ فلاں ملک کے فلاں شہر کے فلاں باشندے کے عشق میں مبتلا ہے۔ اس کو اس کے محبوب سے ملا دو۔ بس یہی اس کی بیماری کا علاج ہے۔

اس عاشق رسول کا بھی یہی حال تھا کہ اس کے سامنے محبوب کے شہر مدینہ کا نام آجاتا تھا تو اس کے دل کی کلی کلی کھل اٹھتی اور وہ اپنے قلبی جذبات کو اپنے اس شعر میں یوں بیان کرتا تھا ؎

نام مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیمِ خُلد
سوزشِ غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں
حورِ جناں ستم کیا طیبہ نظر میں پھر گیا
چھیڑ کے پردہ حجاز دیس کی چیز گائی کیوں

تعظیم و تکریم

عشق و محبت کا ایک تقاضہ "ادب و احترام" بھی ہوتا ہے، محب نہ صرف اپنے محبوب کی تعظیم و تکریم کرتا ہے بلکہ محبوب کو جس چیز سے ادنیٰ سی نسبت اور تعلق بھی ہو جائے، محب کے لیئے وہ شئے بھی لائق صد احترام ہو جاتی ہے۔ ذرا دیکھئے حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عشاق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ادب و احترام کی کیسی کیسی مثالیں قائم فرمائیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ بال سنوارا کرتے تھے تو صحابہ کرام آپ کے چاروں طرف کھڑے ہو جاتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ حضور کا کوئی بال مبارک ان کے ہاتھوں کے سوا کسی اور جگہ نہ گرنے پائے۔

(مسلم شریف ج ۲، ص ۲۵۶)

اسی طرح حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال مبارک ایک صحابی کے پاس دیکھا کہ وہ سرخ رنگ کا تھا۔ میں نے اس کے سرخ ہونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کو خوب خوشبو لگا کر رکھتے ہیں اس لئے اس خوشبو کی وجہ سے یہ سرخ ہو گیا ہے۔
(صحیح بخاری، ص ۵۰۲)

معلوم یہ ہوا کہ محبوب سے جس شے کی نسبت ہو جائے عاشق اس کا بھی ادب و احترام کرتا ہے۔ آئیے ذرا دیکھیں یہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محبوب سے تعلق رکھنے والی چیزوں کا کس طرح ادب و احترام کرتا ہے۔

(الف) سب سے پہلے مدینہ منورہ کو لے لیجئے، اس عاشق کی نظر میں محبوب سے تعلق اور نسبت کی بنا پر اس پاک سرزمین کا یہ مقام تھا کہ ؎

ہاں ہاں رہ مدینہ ہے غافل، ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے
واروں قدم قدم پہ کہ ہر دم ہے جان نو
یہ راہ جاں فزا میرے مولیٰ کے در کی ہے
اللہ اکبر اپنے قدم اور یہ خاک پاک
حسرت ملائکہ کو جہاں وضع سر کی ہے

(ب) اس عاشق رسول کے ادب کا تو یہ عالم تھا کہ اس کے محبوب کے پاک دیار کا نام بھی اس کے سامنے آجاتا تھا تو ادب سے اس کا سر جھک جاتا تھا۔ وہ اپنے محبوب کے دیار پاک کے نام پاک کا بھی پورا پورا ادب کیا کرتا تھا چنانچہ آپ کا شعر ہے ؎

بہ ادب جھکا لو سر و لا کہ میں نام لوں گل و باغ کا
گل تر محمد مصطفےٰ چمن اس کا پاک دیار ہے

(ج) محبوب کے پاک شہر کی بھی کیا تعظیم ہے کہ جو وہاں سے ہو کر آ جائے وہ بھی اس عاشق کے لیے لائق احترام بن جاتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی حاجی حج کر کے آتا تھا تو آپ سب سے پہلے اس سے یہ پوچھتے تھے کہ مدینہ شریف حاضری دی یا نہیں۔ اگر وہ ہاں کر دیتا تو فوراً اس کی تعظیم کے لیے اٹھ کر اس کے قدم چوم لیا کرتے تھے کہ یہ وہ پیارے قدم ہیں جو میرے پیارے محبوب کی پیاری سرزمین کو چھو کر آئے ہیں اور اگر کوئی نفی میں جواب دیتا تو پھر اس کی طرف کوئی التفات نہیں فرماتے تھے۔

(د) یہ تو ان آدمیوں کا ادب ہے جو مدینہ کی پیاری سرزمین سے ہو کر آئے تھے، اس عاشق صادق کے عشق کا تو یہ عالم ہے کہ اس محبوب کے پاک دیار کی گلیوں کے کتے بھی اس کے لیے لائق احترام ہیں۔ شہر مدینہ سے نسبت رکھنے کے باعث وہاں کے کتے بھی اس لائق ہو گئے ہیں کہ ان کے بھی قدم چومے جائیں۔ چنانچہ اسی مقام عشق کی طرف اپنے اس شعر میں آپ نے یوں اشارہ فرمایا:

رضا کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے

(س) اس عاشق رسول کا عشق تو اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ اس کے محبوب کے شہر کے کسی پرندے کو بھی پریشان کیا جائے کیونکہ اس کو بلا وجہ ستا کر پریشان کرنا عاشق کے نزدیک یہ بھی اس دیار کی بے ادبی کے زمرے میں آتا ہے۔

چنانچہ زیارت حرمین شریفین کے لیے جب آپ تشریف لے گئے تو سید عمر رشیدی آپ کو اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گئے۔ وہاں آپ نے ان کے گھر کے درمیانی دروازہ کی سمت میں اپنی نشست رکھی۔ ان دروازوں پر جو طاق تھی ان میں کبوتروں کا ایک جوڑا رہتا تھا جو تنکے لاتے تھے اور نیچے گرایا کرتے تھے جو اس طرف بیٹھنے والوں پر آ کر گرا کرتے تھے لیکن جب اس دروازہ کے پاس اس عاشق رسول کا بستر لگایا گیا تو اس وقت سے ان کبوتروں نے اس طاق میں بیٹھنا ہی چھوڑ دیا کہ کہیں تنکوں وغیرہ کے گرنے سے اس عاشق رسول کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔

چنانچہ ان کبوتروں نے اس طاق کو چھوڑ کر دوسری طاق کو آباد کرلیا۔ اب جو لوگ اس دوسرے دروازے کے پاس بیٹھتے ان پر خوب تنکے وغیرہ آکر گرا کرتے تھے۔ مولانا سید اسمٰعیل نے یہ صورت حال دیکھ کر اس عاشق رسول سے کہا کہ آپ کا تو یہاں کے وحشی کبوتر بھی بڑا لحاظ کرتے ہیں، اس عاشق نے جواب دیا "صَالِحْنَا لَهُمْ فَصَالِحُوْنَا" ہم نے ان سے صلح کرلی ہے، تو انہوں نے ہم سے صلح کرلی ہے۔ اس پر حاضرین میں سے بعض علماء نے کہا کہ یہ کبوتر ہم پر کیوں تنکے وغیرہ پھینکتے ہیں۔ ہم نے ان سے کون سی جنگ کر رکھی ہے۔ اس عاشق نے عشق و محبت سے بھرپور جواب عطا فرمایا کہ میں نے یہاں کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ یہ کبوتر جہاں آکر بیٹھتے ہیں لوگ انہیں اڑا دیتے ہیں، انہیں ستاتے ہیں، کنکریاں مارتے ہیں، سلامی کی جب توپیں چھوٹتی ہیں تو یہ خوف سے تھرتھرا جاتے ہیں۔ یہ سب میرا مشاہدہ ہے حالانکہ یہ حرم محترم کے جانور ہیں، انہیں اڑانا، ڈرانا، دھمکانا یہ سب منع ہے۔ کسی پیڑ کے سایہ میں حرم محترم کا ہرن بیٹھا ہو تو کسی آدمی کو یہ اجازت نہیں کہ اسے اٹھا کر خود بیٹھ جائے۔ اس عالم نے جواب میں فرمایا کہ یہ کبوتر ہمیں ایذا دیتے ہیں، اوپر سے کنکریاں تنکے وغیرہ پھینکتے ہیں جس سے چمنی وغیرہ ٹوٹ جاتی ہے۔ آپ نے فقیہانہ استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ابتداً بالایذا کرتے ہیں۔ یعنی تکلیف پہنچانے میں پہل کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں! آپ نے فرمایا کہ پھر تو انہیں "فاسق" کہیئے اور اس صورت میں مارنا جائز ہونا چاہیئے۔ لیکن علماء کے نزدیک بالاتفاق کبوتر غیر فاسق جانور ہے۔ ہاں البتہ چیل، کوے فاسق جانوروں میں شمار ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے ان سے تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جو جانور بغیر اپنے نفع کے بالقصد ایذا پہنچائے ایسے جانور کا قتل حرم شریف میں بھی جائز ہے جیسے چیل، کوا، بندر، چوہا۔ چیل کوے زیور اٹھا کر لے جاتے ہیں، بندر کپڑے پھاڑ ڈالتا ہے، چوہے کتابیں کترتے ہیں جس میں ان کا کوئی نفع نہیں محض برائے شرارت کے وہ ایسا کرتے ہیں اور ایذا دیتے ہیں، لہٰذا فاسق ہیں۔ برخلاف بلّی کے کہ وہ مرغی کو پکڑتی ہے، کبوتر کی گردن توڑ دیتی ہے۔ مگر اپنی غذا کے لیے نہ کہ تمہاری ایذا کے لیے۔ اسی طرح کبوتر کے کنکریاں طاق پر موجود ہوں تو اس کے چلتے پھرنے سے ضرور

گریں گی لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ چمپئی پر کنکریاں مارنا اور اس کو توڑنا ان کو مقصود ہے۔ لہٰذا کبوتر جیسے جانور کو مارنا اور تکلیف دینا جائز نہیں۔ یہ سن کر وہ عالم خاموش ہو گئے۔

(ص) دیارِ محبوب کی خاک کی کس قدر عظمت اس عاشقِ رسول کے قلب و نظر میں بسی ہوئی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے کہ حضرت قائدِ اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی مدظلہ العالی کے والدِ گرامی اور اس عاشقِ صادق کے خلیفہ صادق مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ جب حرمین شریفین سے واپس ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ مولانا! میں آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں۔ اپنے عمامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جو بہت قیمتی تھا کہ اگر اس عمامہ کو پیش کروں تو آپ اس دیارِ پاک سے آرہے ہیں کہ یہ عمامہ بھی آپ کے قدموں کے لائق نہیں۔ البتہ میرے کپڑوں میں سب سے بیش قیمت ایک جبہ ہے وہ حاضر کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ اسی وقت اٹھ کر اپنے کاشانہ سے سرخ رنگ کا شاہی مخمل کا جبہ مبارک لاکر عطا فرمایا جو اس زمانہ میں کم از کم ڈیڑھ سو روپے سے کم کا نہ تھا۔ حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی نے اس کو قبول کرتے ہوئے اپنے سر آنکھوں پر رکھا اور اس کو خوب چوما اور بہت دیر تک سینے سے لگائے رکھا۔

سبحان اللہ! یہ ہے سچا عاشق کہ محبوب کے شہر کی زمین اور خاک سے جو قدم لگ جائیں محب کے لیے وہ قدم بھی اتنے معزز و مکرم ہو جاتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں اس کو اپنا قیمتی سے قیمتی عمامہ اور جبہ بھی ہیچ نظر آتا ہے۔

(ط) یہ عاشقِ مصطفیٰ نبی کی آل یعنی سید زادوں کا بھی بڑا ادب و احترام کرتا تھا خواہ وہ سید کیسے ہی اعمال رکھتے ہوں لیکن نسبتِ مصطفیٰ کے باعث اولادِ رسول ہونے کے ناطے وہ بھی اس عاشق کے لیے نہایت محبوب اور انتہائی لائقِ احترام تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ کے عقیدت مند آپ کو پالکی میں بٹھا کر کہیں لے جا رہے تھے۔ کہاروں نے پالکی اٹھائی ہوئی تھی ابھی چند ہی قدم چلے تھے کہ پالکی کے اندر سے آپ نے فرمایا کہ پالکی روکو پالکی نیچے رکھ دی گئی — آپ اضطراب کے عالم میں پالکی سے نیچے تشریف لے آئے اور کہاروں کو قریب بلا کر بھرائی ہوئی آواز

میں اُن سے پوچھا کہ آپ لوگوں میں سے کوئی آلِ رسول تو نہیں ہے جب کسی نے نہ بتایا تو آپ نے فرمایا میں تم سے تمہارے جد اعلیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ مجھے صحیح جواب دو کیونکہ میرے ایمان کا ذوق لطیف تنِ جاناں کی خوشبو محسوس کر رہا ہے۔ ان کہاروں میں سے ایک نے نہایت شرمندگی سے کہا کہ حضور میں ہی اس چمن کا پھول ہوں، جس کی خوشبو سے آپ کی مشامِ جاں معطر ہوئے ہیں لیکن کیا کروں شرم کی وجہ سے بول نہیں پا رہا تھا تنگ دستی سے تنگ آکر یہ پیشہ اختیار کر لیا تھا اس شہر میں نیا آیا ہوں۔ میرے خاندان کے متعلق کسی کو علم نہیں تھا۔ اس پالکی کے ذریعہ روزی کما رہا ہوں۔ یہ سنتے ہی آپ نے اپنی دستار مبارک اتار کر اس کہار سید زادے کے قدموں میں رکھ دی اور پُرنم آنکھوں کے ساتھ اس سے التجا کرنے لگے کہ اے معزز شہزادے میری غلطی معاف کر دیجئے، لاعلمی میں خطا سرزد ہو گئی غضب ہو گیا جن کی کفش پا کا تاج میرے سر کا سب سے بڑا اعزاز ہے ان کے کندھوں پر سواری کروں۔ قیامت کے دن اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھ لیا کہ اے رضا! کیا میرے فرزند کا دوش نازنین اس لیئے تھا کہ تیری سواری کا بوجھ اٹھائے تو میں کیا جواب دوں گا؟ حاضرین عشق کی نازبرداریوں کا یہ رقت انگیز منظر دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے آپ نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس سید زادے کہار سے فرمایا اے شہزادے میری ایک التجا قبول کر لیجئے کہ اب آپ پالکی میں بیٹھئے اور میں اپنے کاندھوں پر آپ کو اٹھاؤں گا۔ ہزار انکار کے باوجود آخر اس سید زادے کو جنونِ عشق کی یہ ضد پوری کرنی پڑی اور دنیا نے دیکھا کہ اہلسنت کا جلیل القدر امام کہاروں میں شامل ہو کر اپنی عالمگیر شہرت وعزت کا سارا اعزاز اپنے محبوب کے لیئے ایک گمنام مزدور کے قدموں پر نثار کر رہا تھا۔ کیونکہ اس کا عقیدہ تھا ؎

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

اس عاشق مصطفیٰ کا عقیدہ تھا کہ یوں تو ہر وہ شے جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہو جائے وہ لائق تعظیم ہو جاتی ہے لیکن سادات کرام تو "جزو رسول"

ہونے کے باعث تعظیم و تکریم کے زیادہ لائق ہیں۔

چنانچہ ایک کم عمر سید زادے آپ کے گھر میں کام کاج کے لیے ملازم ہو گئے بعد میں جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ سید زادے ہیں تو آپ نے فوراً گھر والوں کو حکم دیا کہ خبردار اس سید زادے سے گھر کا کوئی کام نہ لیا جائے یہ مہمان ہے۔ کیونکہ یہ ہمارے خادم نہیں۔ بلکہ ہمارے مخدوم ہیں۔ کھانا وغیرہ جس چیز کی ضرورت ہو فوراً ان کے لیے حاضر کر دیا جایا کرے اور جس تنخواہ کا ان سے وعدہ ہے وہ بطور نذرانہ ہر ماہ ان کو پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ حسب ارشاد ایسا ہی کیا گیا لیکن وہ بھی سید زادے تھے ان کی خودداری کو بھلا یہ کب گوارا تھا کہ بغیر کسی کام کے تنخواہ لی جائے آخر وہ خود ہی شرم کے باعث وہاں سے تشریف لے گئے

تعظیم سادات سے متعلق آپ کے عشق رسول کا ایک اور واقعہ تاریخ کے صفحات میں سنہری حروف سے جگمگا رہا ہے کہ ایک سید زادہ صاحب بہت ہی غریب الحال تھے۔ اور بڑی مشکل سے زندگی بسر فرما رہے تھے اس لئے بعض دفعہ سوال بھی کر لیا کرتے تھے مگر ان کے سوال کی عجب شان تھی جہاں جاتے وہاں یہ فرماتے تھے کہ "دلواؤ سید کو"۔ اتفاقاً یہ سید زادے ایک روز اس عاشق رسول کے دروازہ پر آ گئے۔ آپ زنان خانہ میں اندر تشریف فرما تھے۔ انہوں نے وہی صدا لگائی کہ دلواؤ سید کو۔ آپ کے پاس اس دن کچھ ذاتی اخراجات کے لیے دو سو روپے آئے تھے جس میں کچھ تو نوٹ تھے اور کچھ اٹھنیاں اور چونیاں تھیں، آپ نے یہ تمام پیسے اور رقم اکٹھی کی اور سید زادہ کی صدا سن کر فوراً باہر تشریف لے آئے اور ساری رقم اس سید زادے کے سامنے پیش کر دی سید صاحب نے اس رقم میں سے صرف ایک چونی لی۔ لیکن یہ عاشق رسول اس سید زادے کے سامنے ادب سے کھڑا رہا اور اصرار کرتا رہا کہ حضور یہ سب کچھ آپ کے نانا کا صدقہ ہے جو ہم کھا رہے ہیں یہ سب آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ لیکن سید صاحب نے فرمایا کہ بس مجھے تو اتنا ہی کافی ہے۔ وہ یہ کہہ کر جب چل دیئے تو آپ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ جب بھی ان صاحب کو دیکھا کرو تو فوراً ایک چونی ان کی خدمت میں پیش کر دیا کرو اور یہ خیال رکھنا کہ ان کو مانگنے اور صدا دینے کی ضرورت نہ پڑے۔ اس سے پہلے ان کی خدمت کر دیا کرو۔

نامِ محبوب

الغرض یہ وہ سچا عاشقِ رسول تھا جو عشق و محبت کی ہر منزل، ہر معیار اور ہر کسوٹی پر پورا اترتا تھا۔ اس کو اپنے محبوب کے نام سے بھی اتنا ہی پیار تھا کہ جب سوتے تھے تو اپنے جسم کو اس ہیئت میں کر لیا کرتے تھے کہ اس سے محبوب کا نام "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) بن جایا کرتا تھا۔ اس کی استراحت بھی نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تھی۔

آپ عشق کی اس منزل پر پہنچ گئے تھے جس کو عارف رومی نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ ؎

عشق آں شعلہ است کہ چون بر فروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

کہ عشق وہ آگ ہے جو ماسوائے محبوب کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ اس کے قلب و دل پر سوائے محبوب کے اور کچھ نہیں رہتا۔ آپ نے اپنے اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دن فرمایا کہ اگر میرے دل کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو اس میں سے ایک ٹکڑے پر "لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہ" اور دوسرے ٹکڑے پر "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا ملے گا۔ اس کی نظر میں دل وہی دل کہلانے کے لائق ہے جو محبوب کی یاد سے معمور ہو ؎

دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پہ قربان گیا

"محبت رسول اور فروغ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہی وہ مرکزی نکتہ ہے جس کے گرد امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانانِ برصغیر پاک و ہند کو جمع کیا جو آگے چل کر تحریک پاکستان کا پیش خیمہ ثابت ہوا...... امام احمد رضا پاکستان کے اولین محسنین میں سے تھے۔"

—(سید یوسف رضا گیلانی، سابق اسپیکر قومی اسمبلی، پاکستان)—

ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم
ریڈر شعبہ اسلامیات
ہمدرد یونی ورسٹی۔ نئی دہلی 62

حضرت مولانا الشاہ امام احمد رضا قادری

حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب
ایڈیٹر پیغام رضا

سلام و رحمت !

فاضل بریلوی امام احمد رضا کے تعلق سے اپنی کتاب "شمالی ہند میں سلسلہ قادریہ آغاز و ارتقاء" کے لئے جو کچھ لکھا تھا اسے آپ کی خدمت میں حکم کے مطابق ارسال کر رہا ہوں۔ اس تعلق سے اگر اس مقالہ کا عنوان یہ رکھا جائے تو مناسب ہوگا

حضرت مولانا الشاہ امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ

امید کہ آپ خیریت سے رہ کر نمبر کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے۔ والسلام

—— غلام یحیٰی انجم

امام اہلسنت حضرت مولانا الشاہ احمد رضا قادری کے آباؤ اجداد قندھار کے موقر قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے۔ محمد سعید اللہ خاں جو عالی جاہ شجاعت جنگ بہادر کے لقب سے مشہور تھے۔ مغل بادشاہوں کے عہد میں سلطان محمد نادر شاہ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ گوناگوں خوبیوں کے باعث "شش ہزاری" منصب تفویض ہوا اور لاہور کا شیش محل انہیں جاگیر میں دیا گیا۔ اور جب دہلی آئے تو حکومت وقت کی جانب سے شجاعت جنگ کا خطاب ملا۔ انھیں کے اخلاف میں حضرت مولانا الشاہ نقی علی خاں (م ۱۲۹۷ھ) کے گھر ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ

مطابق ۱۴ رجون ۱۸۵۶ء روز شنبہ بوقت ظہر جس فرزند ارجمند کی ولادت ہوئی اس کا نام احمد رضا تھا۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

احمد رضا خاں بن مولانا نقی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں بن مولانا حافظ کاظم علی خاں بن مولانا شاہ محمد اعظم خاں بن محمد سعادت یار خاں بن محمد سعید اللہ خاں (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) (۱)

ابتدائے عمر میں بسم اللہ خوانی ہوئی عام طور سے چار سال چار مہینہ چار دن کی مدت میں بچہ کی بسم اللہ خوانی کی رسم ادا کی جاتی ہے مگر آپ نے چار سال کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید ختم کر لیا تھا۔ ذہانت و فطانت کا وافر حصہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ اس کا اندازہ ذیل کے اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جو الف 'با' پڑھتے وقت پیش آیا تھا۔ پروفیسر مختار الدین احمد سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اپنے ایک مضمون "امام احمد رضا کا شخصی جائزہ" میں رقمطراز ہیں۔

> استاد نے بسم اللہ کے بعد الف 'با' تا 'ثا جس طرح پڑھایا جاتا ہے پڑھایا آپ پڑھتے رہے جب لام الف کی نوبت آئی تو آپ خاموش رہے۔ استاد نے دوبارہ کہا میاں لام الف، آپ نے فرمایا یہ دونوں حروف تو پڑھ چکے ہیں ل بھی اور الف بھی اب یہ دوبارہ کیوں؟ جدامجد مولانا رضا علی خاں موجود تھے بولے بیٹا استاد کا کہنا مانو جو کہتے ہیں پڑھو حضرت نے تعمیل کی اور جدامجد کی طرف دیکھا وہ فراست سے سمجھ گئے کہ اس بچہ کو شبہہ ہو رہا ہے کہ حروف مفردہ میں ایک مرکب لفظ کیسے آگیا فرمایا بیٹا تمہارا شبہہ درست ہے مگر شروع میں جو تم نے الف پڑھا ہے وہ دراصل ہمزا ہے اور یہ درحقیقت الف ہے اور الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ساکن کے ساتھ ابتدا ممکن نہیں اس لیے ایک حرف لام اول میں ملا کر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔ آپ نے فرمایا تو کوئی ایک حرف

(۱) حیات اعلیٰ حضرت مولانا ظفر الدین قادری (۱ : ۲) مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۲ء

ملا دینا کافی تھا لام کی کیا خصوصیت ہے با، دال، سین بھی اول میں
لا سکتے ہیں۔ جد امجد نے غایت محبت و جوش میں گلے سے لگایا دل سے دعائیں
دیں پھر اس کی توجیہہ ارشاد فرمائی"۔ (۱)

بچپن میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران عجب عجب انداز سے آپ نے اعتراض کرکے اپنے اساتذہ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اہل علم میں جن حضرات تک آپ کے متعلق سے اس طرح کی علمی باتیں پہنچیں وہ متعجب ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آپ کی ابتدائی زندگی میں پیش آنے والے اس طرح کے کئی ایک چشم دید علمی واقعات کا ذکر حیات اعلیٰ حضرت کے مصنف ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری نے اپنی شاہکار تصنیف میں پیش کیا ہے۔

علوم وفنون کی بیشتر تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی تھیں البتہ ابتدائی تعلیم کے لیئے آپ نے مرزا غلام قادر بیگ اور مکتب کے دوسرے اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ چودہ سال کی عمر میں ۱۴ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو علوم مروجہ کی تحصیل سے فراغت ہوئی تھی اور رجب ۱۲۹۵ھ میں زیارت حرمین شریفین لئے مکۃ المکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں حضرت سید احمد زینی دحلان مفتی شافعیہ، حضرت عبدالرحمن سراج مفتی حنفیہ سے حدیث، فقہ، اصول اور تفسیر وغیرہ کی سند اور اجازت حاصل کی۔ مولانا رحمن علی نے تو تذکرہ علمائے ہند میں یہاں تک لکھا ہے ۔

۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء میں پہلی بار حج بیت اللہ کے لیے والد ماجد کے ہمراہ
تشریف لے گئے۔ قیام مکہ معظمہ کے دوران شافعی عالم شیخ حسین بن صالح جمال
اللیل ان سے بے حد متاثر ہوئے اور تحسین و تکریم کی موصوف نے اپنی تالیف
"الجوھرۃ المضیئۃ" کی عربی شرح لکھنے کی فرمائش کی چنانچہ مولوی احمد
رضا خان نے صرف دو روز میں اس کی شرح تحریر فرمادی اور اس کا تاریخی نام

---

(۱) انوار رضا ص ۳۵۵ لاہور ۱۳۹۷ھ

النیرۃ الوضیئۃ فی شرح الجوھرۃ المضیئۃ (۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء)۔
رکھا بعد میں تعلیقات وحواشی کا اضافہ کرکے اس کا تاریخی نام "الطرۃ الوضیئۃ علی النیرۃ الوضیئۃ (۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء) تجویز کیا"(۱)

اس عظیم کارنامہ کے باعث آپ کی علمی عبقریت کا شہرہ پورے بلاد اسلامیہ میں ہوگیا۔ جو بھی آپ کی تحریریں پڑھتا وہ آپ کی علمی جلالت قدر کا ضرور اعتراف کرتا اور معاً اس کے دل میں آپ کی زیارت کا شوق انگڑائیاں لینے لگتا۔ پہلی بار سفر حج کے دوران علمائے عرب نے آپ کو اجازت اور اسناد سے نوازا لیکن ۱۳۲۳ھ میں جب دوسری بار بارادہ حج مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ کی علمی عبقریت کی شہرت کے باعث وہاں کے علماء نے خود آپ سے علمی اسناد اور اجازت حاصل کیں۔ مولانا محمود احمد نے تذکرہ علمائے اہلسنت میں لکھا ہے ۔

"۱۳۲۳ھ میں دوسری بار حاضری دی۔ یہ حاضری بہت شان سے ہوئی ۔ دیار عرب کے علماء ومشائخ کبار نے آپ سے استفادہ کیا۔ اجازت وخلافت حاصل کیں اور آپ کی علمی تبحر کا اعلان کیا۔" (۲)

سفر حرمین کے دوران علمائے حرم نے بعض فقہی اور کلامی مسائل میں آپ سے مذاکرہ بھی کیا اور کچھ علمی استفسار بھی کیے جس کا جواب آپ نے جس محققانہ انداز میں دیا اس سے علمائے حرم ششدر رہ گئے۔ مولوی عبدالحئی رائے بریلوی نے علمائے حرم کی حیرانی کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔

"اعجبوا بغزارۃ علمہ وسعۃ اطلاعہ علی المتون الفقھیۃ والمسائل الخلافیۃ وسرعۃ تحریرہ وذکائہ " (۳)

علمائے حرمین نے آپ کی توجہ جس علمی مسئلہ کی طرف مبذول کرائی تھی یا جو استفتاء آپ کے سامنے پیش کیا تھا اس کا تعلق "کرنسی نوٹ" سے تھا۔ کرنسی نوٹ کا مسئلہ علمائے حرم

---

(۱) تذکرہ علمائے اہلسنت رحمٰن علی ص لکھنؤ ۱۹۱۴ء
(۲) تذکرہ علمائے اہلسنت محمود احمد ص ۴۳ کانپور ۱۳۹۱ھ
(۳) الاعلام : عبدالحئی رائے بریلوی (۸ : ۵۲) لکھنؤ ۱۹۹۱ء

کے درمیان عقدہ لاینحل بنا ہوا تھا۔ مگر جب آپ کے سامنے یہ استفتار آیا تو اس کا قلم برداشتہ جواب آپ نے جس بصیرت و بصارت کے ساتھ دیا اس کا اندازہ اہل علم ہی لگا سکتے ہیں۔ عربی زبان میں لکھی گئی اس کتاب کا نام آپ نے "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" (۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء) ہے مگر صاحب الاعلام نے اس کتاب کی تصنیف کا سنہ ۱۳۲۳ھ بتاتے ہوئے لکھا ہے۔

"کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" الذی الفہ فی مکۃ سنۃ ثلاث وعشرین وثلاث مائۃ والف" (۱)

اسی سفر میں علمائے حرم کے سوال پر علم غیب کے موضوع پر بھی بڑا محققانہ رسالہ لکھا تھا اور یہ رسالہ ۲۶ اور ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو دو نشستوں میں صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے میں تحریر کیا تھا جیسا کہ اس کتاب میں مرقوم ہے۔

جو علماء علم غیب کے منکر ہیں جن میں اکثر ہندوستانی ہیں انہوں نے دورانِ سفر حج یہ سوال کیوں اٹھایا، اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا الشاہ احمد رضا فرماتے ہیں۔

" انہوں نے جانا کہ میں مکہ معظمہ میں اپنی کتابوں سے جدا ہوں اور بیت اللہ کی زیارت میں مشغول اور اپنے مولیٰ و محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کی جانب جانے کی جلدی ہے تو انہوں نے یہ سوال اٹھایا اس طمع پر کہ یہ جلدی اور اس دھیان میں دل کا لگا ہونا اور کتابیں پاس نہ ہونا مجھے اظہار جواب سے روک دے گا۔ تو اس میں ان کی عید و نوشی ہو جائے گی" (۲)

---

(۱) الاعلام : عبد الحئی رائے بریلوی (۸ : ۵۲) لکھنؤ

(۲) الدولۃ المکیۃ امام احمد رضا ص: ۷۱ مطبوعہ بریلی

ظاہری طور پر اس بے سرو سامانی کے عالم میں بھی امام اہل سنت مولانا الشاہ امام احمد رضا قادری نے ان کے اٹھائے ہوئے سوالوں کا منہ توڑ عالمانہ جواب دیا اور علم غیب مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے ثبوت میں قرآنی آیات، احادیث نبوی اور قوانین شریعت کے انبار لگا دیئے۔ جب یہ کتاب علمائے حرمین کے سامنے پہنچی تو اس قدر عجلت میں لکھی گئی عالمانہ کتاب کا متحیر ہو کر صرف خیر مقدم ہی نہیں کیا بلکہ اس کے مصنف کی علمی عبقریت کا کھلے دل سے اعتراف بھی کیا۔ اس کا اندازہ ان علماء کی تقاریظ سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے الدولۃ المکیۃ با المادۃ الغیبیہ کے تعلق سے تحریر فرمائی ہیں۔ جس کا تفصیلی مطالعہ "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" نامی کتاب میں کیا جا سکتا ہے۔(۱)

بعض ہندوستانی علماء کی طرف سے مولانا الشاہ احمد رضا پر یہ الزام تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم الٰہی کے مماثل قرار دیتے ہیں درج بالا کتاب میں مولانا احمد رضا خان نے اپنے اوپر لگائے گئے انہیں الزامات اور تہمت کی تردید فرمائی ہے۔ اس کتاب پر جن علما نے اپنے خیالات قلمبند فرمائے ہیں ان میں درج ذیل شخصیتیں قابل ذکر ہیں ـــ

۱۔ شیخ یوسف بن اسماعیل النبہانی صاحب جواہر البحار بیروت
۲۔ شیخ العلماء محمد سعید بن محمد مفتی شافعیہ مکہ معظمہ
۳۔ شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن سراج مفتی حنفیہ مکہ معظمہ
۴۔ شیخ عبداللہ بن حمید مفتی حنبلہ مکہ معظمہ
۵۔ سابق مفتی حنفیہ شیخ محمد صالح بن علامہ شیخ صدیق کمال خطیب و امام مسجد حرام مکہ معظمہ۔
۶۔ رئیس الخطباء والائمہ والمدرس مسجد الحرام شیخ احمد ابو الخیر بن عبداللہ میرداد مکہ معظمہ
۷۔ شیخ عبداللہ بن صدقہ بن زینی دحلان جیلانی مدرس مسجد حرم مکہ معظمہ

---

(۱) فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں   پروفیسر مسعود احمد لاہور ۱۹۸۸ء

انہیں اجلّہ علمائے کرام کی طرح مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور دیگر بلاد اسلامیہ کے تقریباً ۶۱ علماء نے تقاریظ لکھیں اور اپنے اپنے خیالات و نظریات کا اظہار کیا جن کی تفصیل فاضل بریلوی اور علمائے حجاز نامی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

مولانا شاہ احمد رضا کو متعدد اور بعض تذکرہ نویسوں کے مطابق اٹھاون علوم و فنون میں ملکہ حاصل تھا۔ ان علوم و فنون میں آپ نے اپنی تصانیف بھی چھوڑی ہیں اور ہر تصنیف تحقیق و تدقیق کے اعتبار سے بلند تر ہے۔ جس موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا ہے اس پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اس طرح آپ کی چھوٹی بڑی ایک ہزار تصنیف کا پتہ چلتا ہے جن میں بیشتر ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی ہیں۔ ان تمام کتابوں میں ترجمہ قرآن پاک "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" اور فتاویٰ رضویہ نے کافی شہرت حاصل کی ہے۔ آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد مولوی عبدالحیٔ رائے بریلوی بھی آپ کی علمی جلالت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ فرماتے ہیں۔

"کان عالما متبحرا کثیر المطالعۃ واسع الاطلاع له قلم سیال وفکر حامل فی التالیف" (۱)

امام احمد رضا فاضل بریلوی کو اگرچہ حدیث، تفسیر فقہ و اصول فقہ تمام شرعی علوم میں بڑی مہارت تھی ان مضامین کے جزئیات پر آپ کی گہری نظر تھی لیکن بحیثیت فقیہہ آپ کو بہت شہرت ملی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہزارہا ہزار فتاویٰ کے آپ نے قرآن و احادیث کی روشنی میں مدلل جواب دیئے۔ اس زمانہ میں فقہی بصیرت کے معاملہ میں آپ کا کوئی ہمسر نہ تھا بلاد اسلامیہ کے تمام مفتیان کرام آپ کے فتاویٰ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ الاعلام میں مصنف کتاب نے فقہی بصیرت کے تعلق سے درج ذیل رائے قائم کی ہے۔

"یندر نظیرہ فی عصرہ فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی وجزئیاتہ یشھد بذالک مجموع فتاواہ" (۲)

---

(۱) الاعلام (۸ : ۵۲) (۲) الاعلام (۸ : ۵۲)

آپ کی فقہی بصیرت پر مولانا حسن رضا نے پٹنہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کر کے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے انہوں نے آپ کی فقاہت کے تعلق سے بڑی تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ اپنی پیش گفتار میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ کے دوران مجھے اعلیٰ حضرت کی شخصیت میں متعدد اصحاب کمال کے چہرے نظر آتے ہیں۔ میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ اعلیحضرت جب کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں تو ایک ایسے فقیہہ کی تصویر اُبھرتی ہے جو قوت اجتہاد، بصیرت فکر، ذہانت وتعقل اور علمی استحضار میں دور دور تک اپنا جواب نہیں رکھتا" (۱)

مولانا احمد رضا قادری نے جس گہرائی کے ساتھ فقہ کا مطالعہ کیا اور جس توجہ اور انہماک کے ساتھ بلاد اسلامیہ سے آئے ہوئے فتاوی کا جواب دیا اس کی نظیر اور دوسرے مفتیان کرام کے یہاں نہیں ملتی ہے۔ آپ کے مجموعۂ فتاوی بلاشبہہ فقہی انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتے ہیں جہازی سائز کے ہزاروں صفحات پر مشتمل ۱۲ جلدوں کو اگر تعلیق وحواشی کے ساتھ اور ترتیب جدید کے ساتھ شائع کیا جائے تو اس کی بارہ جلدیں کئی ایک بارہ جلدوں میں شائع ہوں گی۔ خوشی ہے کہ مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی استاذ جامعہ نظامیہ لاہور نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور ترتیب جدید کے ساتھ ان فتاووں کی اشاعت شروع فرمادی اب تک صرف چار جلدوں پر کام ہو سکا ہے۔ سطور بالا میں فتاویٰ رضویہ کو فقہ اسلامی کا انسائیکلوپیڈیا لکھا گیا ہے۔ یہ راقم السطور کی ذاتی رائے نہیں بلکہ اس دور کے محققین کا بھی یہی خیال ہے۔ ڈاکٹر محمد طفیل ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد اپنے مقالہ "فتاویٰ رضویہ کے فقہی مصادر" میں لکھتے ہیں۔

"یہ کتاب درحقیقت فقہ اسلامی کا ایک دائرہ معارف ہے اگر فتاویٰ رضویہ میں بیان کردہ مسائل کو انضباطی ترتیب سے مرتب کیا جائے تو یقین ہے کہ یہ فقہ اسلامی کا ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا ہوگا۔ (۲)

(۱) فقیہہ اسلام حسن رضا خان ص ۱۲ پٹنہ ۱۹۸۱ء (۲) معارف کراچی۔ ص: ۲۶ ۱۴۱۶ھ شمارہ نمبر ۱۵

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا الشاہ احمد رضا قادری کو فتاویٰ رضویہ کے علاوہ اور جن تصانیف نے شہرت دوام بخشی ان میں کنز الایمان کا خصوصی مقام ہے۔ قرآن حکیم کے اس ترجمہ نے حق و صداقت کی دنیا میں اپنا وقار اور معیار صرف برقرار ہی نہیں رکھا، بلکہ اس نے ایوان باطل میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ اس ترجمہ میں عظمت توحید ربانی اور ناموس رسالت کا پاس ہر انداز میں موجود ہے۔ کنز الایمان میں تو عظمتِ توحید اس قدر ہے کہ بقول مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی:

"اس جامع بلیغ ترجمہ کے اندر عظمت توحید کا ایسا پاس و لحاظ رکھا گیا ہے کہ دوسرے اردو تراجم قرآن میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہ ترجمہ قرآن کتاب و سنت کا وہی شارح و ترجمان ہے جس نے سبحٰن السبوح جیسی معرکۃ الآرا کتاب لکھ کر امکان کذب باری تعالیٰ کے سارے دلائل و براہین کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں اور اس کے جواز کے قائل بڑے بڑے اساطین و صنادید کی زبانیں گنگ ہو کر رہ گئیں (۲)

امام احمد رضا نے قرآن حکیم کا ترجمہ کر کے ملت اسلامیہ پر احسان عظیم کیا ہے اور وہ اس لیے کہ جتنے قرآنی تراجم موجود تھے اس میں کسی نہ کسی طرح شان رسالت میں تنقیص کے پہلو نمایاں تھے اور کما حقہٗ عظمت توحید ربانی کا اظہار نہیں ہوتا تھا مگر آپ کا ترجمہ ان تمام خامیوں سے قطعًا مبرّا ہے۔ اس ترجمہ کے سلسلہ میں خاص بات یہ ہے کہ قرآن حکیم کے جتنے تراجم اردو زبان میں کیئے گئے ہیں ان میں سے چند ہی تراجم ایسے موجود ہیں براہ راست قرآن کی عربی عبارت سے منتقل ہوئے ہیں ان میں سے آپ کا ترجمہ کنز الایمان بھی ہے بیشتر تراجم قرآن ایک دوسرے تراجم کی نقل یا اس کا چربہ ہیں جو حضرات قرآن کریم کے ترجموں کا مطالعہ کرتے ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں کہ ترجمہ قرآن کنز الایمان کس طرح وجود میں آیا۔ اس کی تفصیل سوانح اعلیٰحضرت امام احمد رضا مصنف مولانا بدر الدین احمد رضوی نے اس طرح لکھی ہے:-

---

(۱) ماہنامہ حجاز جدید ص ۷ ستمبر ۱۹۹۲ء

" واقعہ یوں ہے کہ صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ نے قرآن مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت پیش کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت سے ترجمہ کر دینے کی گذارش کی آپ نے وعدہ تو فرما لیا لیکن دوسرے مشاغل دینیہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا چونکہ ترجمہ کے لیے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لیے آپ رات میں سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں چنانچہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ قلم اور دوات لے کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور یہ دینی کام بھی شروع ہو گیا۔ ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے۔" (۱)

بعض ترجمہ نگاروں کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ انہیں قرآن حکیم کے ترجمہ کے وقت کس قدر دشوار گذار مراحل سے گذرنا پڑا ہے۔ انہوں نے کئی ایک کتب تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے لیکن پھر بھی وہ آیات قرآن کی روح کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ کرنے والوں کی نگارشات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف مولانا احمد رضا نے کتب احادیث و تفاسیر کا سہارا لیے بغیر اپنی ذاتی یادداشت کی بنیاد پر جس برجستگی کے ساتھ صدر الشریعہ مولانا امجد علی علیہ الرحمۃ کو ترجمہ قرآن کریم رقم کرایا وہ آپ کی عبقریت اور قرآنی علوم میں مہارت کاملہ کی بین دلیل ہے اور دوسرے وہ مترجمین جن کی عقل اور دماغ کی رسائی روح قرآن تک نہ پہنچ سکی انہوں نے ضلال کا ترجمہ "گمراہی" ہی کیا ہے۔ ان تشریحات کی روشنی میں مولانا احمد رضا نے امت مسلمہ کو عظمت توحید و رسالت کا درس دے کر جس طرح ایمان کو جلا بخشی ہے وہ قابل قدر ہے۔ ان کی اس برجستگی اور بے ساختگی میں روح قرآن پوری طرح اپنی آب و تاب کے ساتھ ترجمہ میں موجود ہے۔

(۱) سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بدر الدین احمد ص ۳۷۳ بار پنجم دھنباد بہار ۱۹۸۴ء

اس موقع سے صرف ایک مثال کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھوں گا جس کی وضاحت ڈاکٹر رشید احمد جالندھری ڈائرکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور پاکستان نے ان لفظوں میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ـــــ

"سورہ والضحیٰ میں آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے ووجدک ضالا فھدی مولانا (احمد رضا) اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں 'اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی' آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ زمانہ نبوت سے پہلے بھی ان کے دامن وقار و تمکنت پر قبائلی رسم و رواج یا اہل مکہ کی بت پرستی و گمراہی کا کوئی داغ نہیں ہے اس لیے اس آیت کریمہ میں لفظ ضلال کا وہی ترجمہ زیادہ مناسب ہے جو مولانا نے کیا ہے۔"(۱)

حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری کے نام کا سکہ بساط علم و فن پر تو چل ہی رہا تھا ادبی دنیا میں بھی آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہ رہی جنہیں اردو ادب کا اعلیٰ ذوق حاصل ہے، انہوں نے آپ کی صلاحیت کا لوہا مانا ہے۔ اردو شاعری میں نعت سے جنہیں شغف ہے ان کے دلوں میں آپ کی عظمت بھرپور ہے۔ آپ کی شاعرانہ عظمت اور مہارت فن کا اعتراف اردو ادب کے محققین نے کیا ہے۔ شاعری کے جن اسرار و رموز کو اپنا کر آپ نے اپنی شاعری کو جلا بخشی ہے۔ بیشتر شعراء کے یہاں اس کا فقدان نظر آتا ہے۔ اردو شاعری کے حوالے سے آپ کی شخصیت پر کئی ایک ارباب علم و دانش نے اپنی تحقیقات جمع کر کے جامعات سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے مگر یہ مقام تعجب ہے کہ یونی ورسٹی اور کالج کے طلبا اردو کے اس باکمال شاعر کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اس کی اصل وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ اس سلسلے میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے ـــــ

---

(۱) پیغام رضا (امام احمد رضا نمبر) ص ۱۹۱ دہلی ۱۹۹۶ء

"اس سلسلے میں یہ امر قابل غور ہے کہ اردو ادب کی تاریخ میں نہ تو نعت گوئی کا کوئی حصہ ہے اور نہ ہی اس صنف کے لیے مخصوص صفحات ہیں مولانا احمد رضا خاں اصلاً نعت گو شاعر تھے جس صنف کے یہ شاعر تھے جب کہ اردو کے صفحات میں اس صنف کا کوئی حصہ نہیں تو اس صنف کے شاعر کا حصہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ حاصل کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں سے متعلق تو مرثیہ کے لیے اردو ادب کے صفحات میں جگہ ہے مگر اس ذات کی نعت مقدس کے لیے اردو ادب میں کوئی جگہ نہیں جن کی بے پناہ شفقتوں کے سبب امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہرت دوام ملی۔" (۱)

اردو ادب کی تاریخ میں مولانا احمد رضا بریلوی کو کیوں نہیں محفوظ کیا گیا اس کی کئی وجوہات ہیں اس کے تفصیلی بیان کا یہاں موقع نہیں۔ اس سلسلے میں محققانہ گفتگو آپ کی شاعری پر ریسرچ و تحقیق کرنے والے محققین نے ضرور کی ہوگی۔ بہر حال اس وقت جو اردو ادب کے اساطین ہیں انہیں اپنے تعصب کی عینک کو اتار کر کھلے دل سے آپ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرنا چاہیئے اس لیے کہ مولانا احمد رضا وہ واحد شاعر ہیں جن کا سلام۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ھدایت پہ لاکھوں سلام

اور چہار لسانی نعت

لم یات نظیرک فی نظر مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

عالمِ اسلام میں کثرت سے پڑھی جاتی ہے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے اس مقبول عام

---

(۱) یادگار رضا سالنامہ ص ۹۳ بمبئی ۱۹۹۶ء

نعت وسلام کے شاعر مولانا احمد رضا ہیں۔

حضرت مولانا الشاہ احمد رضا نے اپنی شاعری میں بانی سلسلہ قادریہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان سے جس والہانہ عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ کے مشہور زمانہ دیوان "حدائق بخشش" میں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق کئی ایک منقبتیں شامل ہیں۔

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا
مزرع چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا (۱)

یارب بجمال نام عبدالقادر
یارب بنوال عام عبدالقادر
منگر بقصور ونقص ما قادریاں
بنگر بجمال تام عبدالقادر (۲)

اسی طرح تقریباً انہتر (۶۹) رباعیاں الف سے یا تک ردیف میں ہیں جن کا تعلق سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی ذات گرامی سے ہے۔

آپ کا سلسلہ بیعت چونکہ قادری سلسلے سے تھا اور اس سلسلہ کی انھیں خلافت بھی حاصل تھی اس لئے بانی سلسلہ قادریہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اور اس سلسلہ سے وابستہ بزرگان دین جن کا تعلق بدایوں اور مارہرہ مطہرہ سے تھا ان کی شان میں بھی اہم منقبتیں لکھ کر

(۱) حدائق بخشش امام احمد رضا ص، ۵-۶ ۱۹۸۵ء (۲) حدائق بخشش حصہ دوم ص ۱۳۳

اپنی عقیدت اور وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ چوں کہ آپ کی شاعرانہ عظمت پر یہاں کوئی بحث مقصود نہیں اس لیے یہاں اس موضوع پر گفتگو سے صرف نظر کیا جا رہا ہے۔ تاہم اتنا مسلم ہے کہ جن شعرائے کرام کو اردو ادب نے اپنا کر شہرت دوام بخشا، مولانا احمد رضا کی شخصیت بحیثیت شاعر ان میں بہتوں سے بہتر تھی۔ شریعت کے دائرہ میں رہ کر قرآن و سنت کی روشنی میں شاعری کرنا پھر اسے شعر و سخن کے اعلیٰ معیار تک پہنچا دینا بلا شبہ اسے آپ کی فن شاعری کا ہی اعجاز کہا جا سکتا ہے اور یہ اعجاز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ــــ

"انہوں نے نعتیہ مضامین کے بیان میں قرآن و حدیث سے لیکر منطق و ریاضی ہیئت و نجوم ہندسہ و مابعد الطبیعات وغیرہ علوم و فنون کی مختلف اصطلاحوں کو نہایت سلیقے سے برتا یہ ان کا کمال فن ہے کہ ان کی نعتوں میں مختلف علمی و فنی اصطلاحات و حوالہ جات سطح پر تیرتے پھرتے نظر آتے ہیں۔" (۱)

حضرت مولانا الشاہ احمد رضا میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ اعلان حق کے سلسلے میں اپنے لیے کسی مصلحت کو جرم سمجھتے تھے۔ عوام ہوں یا خواص، جہلا ہوں یا علماء، شریعت مطہرہ کے خلاف کسی سے ایک لفظ سننا یا لکھنا گوارہ نہیں تھا اس سلسلے میں آپ نے حالات سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ ابطال باطل اور احقاق حق میں پوری زندگی گذار دی۔ آپ کی یہی وہ ادا تھی جو اکثر لوگوں کو پسند نہ آئی اور وہ آپ کے تمام محاسن و کمالات کو پس پشت ڈال کر عیب جوئی میں لگ گئے۔ مگر آپ اپنے طور و طریق پر اٹل رہے اپنے اور پرائے کی پروا کئے بغیر آپ کا قلم تیغ براں کی طرح ہر اس شخص کے خلاف چلتا رہا جس نے شریعت کے خلاف کھلواڑ کیا۔ شانِ رسالت میں توہین اور عظمت توحید کی غلط تعبیرات سے عوام الناس کو گمراہ کیا۔ جن دانشوروں سے آپ نے اختلافات کئے ہیں یا جن ارباب علم و دانش کا علمی تعاقب کیا ہے انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مذہبی اختلافات

(۱) معارف رضا کراچی شمارہ ۱۶ ص ۱۱۴ ۱۹۹۶ء

(۲) علمی اختلافات

(۳) سیاسی اختلافات

مولانا احمد رضا قادری کے عالمانہ و دانشورانہ اختلافات کے تعلق سے راقم ایک ضخیم رسالہ ترتیب دے رہا ہے جسے بعد میں کسی اور موقع سے کتابی شکل میں پیش کیا جائیگا۔ اس وقت تفصیل سے گریز کرتے ہوئے اتنی وضاحت ضرور کرنا چاہوں گا کہ آپ کا طریقۂ کار ہر اختلافی امور میں افہام وتفہیم کا ہوتا تھا۔ جدل وجدال اور مناظرہ بازی سے آپ نے گریز کیا عدل ومیانہ روی پر گامزن رہتے ہوئے آپ نے افہام وتفہیم کی راہ اختیار کی ہے خواہ وہ مذہبی اختلافات ہوں یا علمی اور سیاسی یہی طریقۂ کار آپ نے سب میں اختیار کیا ہے۔ ان تمام اختلافات میں شریعت کا پہلو آپ کے مدنظر رہتا۔ اگر کسی نے شرعی جرم کا ارتکاب کیا تو آپ نے پہلے اسے متنبہ کیا، وضاحت کا موقع دیا۔ خط وکتابت، گفت وشنید کے بعد بھی اگر وہ اپنے موقف پر ڈٹا رہا تو پھر آپ نے اس کے خلاف شرعی حکم صادر کیا۔ یہ اختلاف علمی ہوتا اس میں ذاتی رنجش اور عناد کا کوئی دخل نہ ہوتا۔ آپ کسی سے محبت بھی کرتے تو اللہ کے واسطے اور مخالفت بھی کرتے تو اللہ کے واسطے۔ اس تعلق سے ایک مراسلہ جسے آپ نے ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ کو مولانا عبدالباری فرنگی محل کے نام ارسال کیا ہے لکھتے ہیں ـــ

> "نامی نامہ تشریف لایا۔ ان شاء اللہ العزیز آپ اس فقیر کو ان بندگان خدا میں پائیں گے لا یحبون الا اللہ ولا یبغضون الا اللہ اب میرے قلب میں وقعت سامی بحمدہٖ تعالیٰ پہلے سے بھی زائد ہے۔ میرا قلب صاف ہے امید کہ قلب گرامی بھی ایسا ہی صاف ہوگا وما ذٰلک علی اللہ بعزیز" (۱)

حضرت العلام مولانا شاہ احمد رضا بلاشبہ عبقری تھے۔ خالق کائنات نے علوم وفنون

(۱) مکتوبات امام احمد رضا معہ تنقیدات وتعاقبات پروفیسر مسعود احمد ص ۵۶ لاہور ۱۹۸۸ء

کا وافر حصہ آپ کو عطا کیا تھا۔ کلی طور پر جس کا استعمال آپ نے ہر اعتبار سے اشاعت دین حق کے لیے کیا۔ آپ نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ ہی نہیں اطاعت رسول میں گذارا بلکہ تمام مسلمانان عالم کو اپنے کردار و عمل سے سنت مصطفٰی کی صحیح پیروی کا شعور بھی بخشا۔ یقیناً آپ کی ذات ستودہ صفات عشق رسول میں پگھلتی ہوئی ایسی شمع فروزاں تھی جس سے نگر نگر میں عشق رسول کا اجالا پھیلا جس کی روشنی میں عاشقان مصطفٰی علیہ التحیۃ والثناء اپنے دین و ایمان کی صیانت میں کامیاب ہو سکے۔

فاضل بریلوی کو سلسلہ عالیہ قادریہ سے والہانہ لگاؤ تھا اس سلسلہ میں آپ کو اجازت و خلافت بھی حاصل تھی۔ سنہ ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں آپ اپنے والد مولانا الشاہ مفتی محمد نقی علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان اور تاج الفحول حضرت مولانا الشاہ عبدالقادر محب الرسول بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کے ہمراہ حضرت سیدنا شاہ آل رسول علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمت بابرکت میں مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں انہیں سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور خلافت و اجازت کی دولت سے بھی سرفراز ہوئے۔

خانقاہ مارہرہ مطہرہ کا یہ دستور تھا کہ بیعت کے بعد مریدین کو ریاضت و مجاہدہ کے دشوار گذار راستوں سے گذارا جاتا ہے اور ان کے میلے کچیلے دل کو ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ مصفّٰی و مجلی بنایا جاتا ہے پھر اگر وہ شیخ کے معیار پر کامل اترتا ہے تو اسے خلافت کی عظیم دولت سے سرفراز کیا جاتا ہے لیکن جب مولانا احمد رضا قادری بیعت سے مشرف ہوئے تو ساتھ ہی ساتھ آپ کو خلافت بھی دے دی گئی اس پر حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین نوری میاں نے حضرت شاہ آل رسول مارہروی سے دریافت کیا۔

حضور! آپ کے یہاں تو طویل عرصہ با مشقت مجاہدات و ریاضیات کے بعد خلافت و اجازت دی جاتی ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان دونوں (امام احمد رضا اور ان کے والد ماجد مولانا نقی علی قدس سرہما) کو بیعت کرتے ہی خلافت دے دی گئی۔

تو حضرت نے ارشاد فرمایا میاں صاحب اور لوگ زنگ آلود میلا کچیلا

دل لے کر آتے ہیں اس کی صفائی اور پاکیزگی کے لیے مجاہدات طویلہ، ریاضیات شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ دونوں حضرات صاف ستھرا دل لے کر ہمارے پاس آئے۔ ان کو صرف اتصال نسبت کی ضرورت تھی اور وہ مرید ہوتے ہی حاصل ہو گئی۔" (۱)

آپ کو شیخ مرشد کی بارگاہ سے سلسلہ قادریہ کی بیعت وخلافت کی دولت ملنے کے بعد جن دیگر سلاسل کی اجازت وخلافت حاصل تھی ان کی تعداد تیرہ بتائی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ درج ذیل مصافحات کی سندات بھی آپ کو تفویض ہوئی تھیں۔

۱۔ مصافحۃ الجنیۃ ۲۔ مصافحۃ الخضریۃ

۳۔ مصافحۃ المعمریۃ

سلسلۂ قادریہ سے وابستہ ہوتے ہی آپ نے اس کی اشاعت میں چار چاند لگا دیئے۔ برصغیر میں یہ سلسلہ اپنی آب وتاب اور تمام تر رعنائیوں کے ساتھ پھیل گیا۔ لاکھوں بندگان خدا اس سلسلہ میں آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہو گئے اور آپ کی ذات کے سبب یہ سلسلہ "سلسلہ قادریہ رضویہ" کے نام سے پورے برصغیر میں پھیل گیا۔ عوام کم علماء وفضلاء زیادہ سے زیادہ اس سلسلے سے وابستہ ہوئے۔ جن حضرات کو آپ نے سند خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا وہ سب اپنے زمانہ کے چیدہ وچنیدہ علمائے کرام میں سے تھے۔ آپ کے چند خلفاء کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

۱۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا الشاہ محمد حامد رضا خاں قادری رحمۃ اللہ علیہ
(شہزادۂ اکبر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا) (م ۱۹۴۳ء)

۲۔ مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا الشاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری رحمۃ اللہ علیہ
(شہزادۂ اصغر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا) (م ۱۹۸۱ء)

۳۔ صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی محمد امجد علی قادری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۴۸ء)

(۱) حاشیۂ تذکرۂ نوری ص ۴۰ بحوالہ تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۳۹۹

۴۔ ملک العلماء حضرت مولانا الشاہ ظفر الدین قادری بہاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۶۲ء)
۵۔ صدر الافاضل حضرت مولانا الشاہ محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۴۷ء)
۶۔ حضرت مولانا الشاہ برھان الحق جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۸۴ء)
۷۔ حضرت مولانا الشاہ ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۸۱ء)

تصوف اور اس کے اغراض و مقاصد کا صحیح تصور امام احمد رضا نے پیش کیا وہ نام نہاد صوفیا جن کی غلط روی اور بدکرداری کے سبب تصوف کا چہرہ ناقابل شناخت حد تک مسخ ہو چکا تھا آپ نے ان کی مذمت کی اور تصوف کے دامن سے ایسے بدنما دھبوں کو مٹانے کے لیئے ہر ممکن کوشش فرمائی۔ بزرگان دین کے نام جو مزارات پر لوٹ کھسوٹ مچی ہوئی ہے اسے آپ نے صرف منع ہی نہیں فرمایا بلکہ سختی سے اس کی مخالفت کی۔ قبر پر سجدہ کرنے کو حرام لکھا اور اس کے تعلق سے ایک ضخیم کتاب لکھی۔ آج کل جاہل صوفیا نے حصول زر کے لیے جو تباہی خانقاہوں میں مچا رکھی ہے اس کا مسلک حق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ نے تصوف کے اسرار و رموز کو ہر طرح بیان فرمایا۔ مزارات پر ہونے والے بدعات و منکرات سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ ایک مقام پر بیعت اور طلب کے درمیان ہونے والے فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"طالب ہونے میں صرف طلب فیض ہے اور بیعت کے معنی پورے طور سے بکنا۔ بیعت اس شخص سے کرنا چاہیئے جسمیں یہ چار شرطیں ہوں ورنہ بیعت جائز نہ ہوگی۔

۱۔ شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو۔ بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعہ اتصال ممکن نہیں۔

۲۔ سنی صحیح العقیدہ ہو بدمذہب نہ ہو۔

۳۔ عالم ہو، علم فقہ اس کی اپنی ضرورت کے قابل کافی اور لازم کہ عقائد اہلسنت سے پورا واقف کفر و اسلام اور ضلالت و ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو۔

۴۔ فاسق معلن نہ ہو" (۱)

مولانا احمد رضا چونکہ عالم شریعت اور واقف اسرار طریقت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے فقیہہ اور

محقق تھے اس لیے طریقت کو شریعت اور شریعت کو طریقت کے آئینہ میں دیکھنے اور پرکھنے کا اعلیٰ شعور رکھتے تھے۔ اسی لیے شیخ کے لیے وہی باتیں لازم اور ضروری قرار دیں جس کی طرف اشارہ سیدنا غوث اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے خطبات غوثیہ کی بارہویں مجلس ص ۱۰۸ میں کیا تھا۔ سیدنا غوث اعظم اپنے فرزند کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ــ

"صاحبزادہ کیا تو نے سنا نہیں کہ فقہ حاصل کر اس کے بعد عزلت نشین بن یعنی اول ظاہری فقہ حاصل کر اس کے بعد باطنی فقہ کی تحصیل میں عزلت اختیار کر ظاہری شرع پر عمل کرتا رہ یہاں تک کہ یہ عمل تجھ کو اس علم تک پہنچا دے جو تو نے سیکھا ہے" (۱)

اب تک سوانح نگاروں نے جتنا کچھ بھی لکھا ہے اس میں انہوں نے آپ کے عالمانہ اور فاضلانہ وقار کو ملحوظ رکھا ہے اور تصوف کے تعلق سے ایک مختصر کتاب اور اکا دُکا مقالات کے علاوہ کچھ دستیاب نہیں اس گوشہ کی طرف سوانح نگاروں کو اپنی توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ آپ کی زندگی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ روز و شب کا ہر لمحہ سنت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے مطابق تھا اور اصل تصوف یہی ہے کہ صوفی کی زندگی سنت نبوی کی مکمل آئینہ دار ہو۔ آپ بلاشبہ زہد و اتقاء راست گوئی و حق بازی، دیانت داری اور تواضع و انکساری کے عملی پیکر تھے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کی عقیدت و محبت جسم کے رگ و ریشے میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ــ

"آپ تادم زیست بغداد کی سمت یا مدینہ کی طرف یا کعبہ کی جانب پیر پھیلا کر نہیں بیٹھے۔ (۲)

آپ پر یہ اچھی طرح واضح تھا کہ تصوف کے راستے پر شریعت کے اصول کی خلاف ورزی

---

(۱) فتاویٰ افریقہ امام احمد رضا ص

(۲) افکار رضا قمر الحسن ص ۸۶ دہلی ۱۹۹۲ء (۳) انوار رضا ص ۲۳۷

کر کے چلنا ممکن نہیں ہے اس لیے بہ قول سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔

"اقرب الطرق الی اللہ تعالیٰ لزوم قانون العبودیۃ و الاستمساک بعروۃ الشریعۃ۔" (۱)

اللہ عزوجل کی طرف سب سے زیادہ قریب راستہ قانون بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے۔

امام احمد رضا نظری تصوف سے کہیں زیادہ عملی تصوف کے پیکر تھے۔ اس لیئے تحریروں میں متصوفانہ افکار و خیالات جابجا جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ عشق رسول، مجاہدہ ایمان ولیقین، تقویٰ و تدین، محاسبۂ نفس، اخلاص و حسن نیت اور تجدید و اصلاح میں آپنے بلاشبہہ اپنی زندگی وقف کر دی اور عملی تصوف کا ایسا کامل نمونہ پیش کیا جس کی نظیر اس صدی میں مشکل سے ہی پیش کی جا سکتی ہے۔

آپ نے اپنی پوری زندگی اشاعت دین حق میں بسر کی رشد و ہدایت کا محبوب ترین فریضہ انجام دیا۔ ابطال باطل اور احقاق حق میں کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ کی تحریریں ایسی محقق مدلل اور عالمانہ ہوتی ہیں کہ ہر پڑھنے والا آپ کی عظمت اور علمی جلالت قدر کا اعتراف کیئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ بلا تفریق مسلک و عقائد جس نے آپ کی تحریروں کا براہ راست مطالعہ کیا، کھلے دل سے آپ کی علمی صلاحیتوں کا معترف ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اب آپ کی شخصیت پر مختلف پہلوؤں سے برصغیر کی کئی یونیورسٹیوں میں ارباب ریسرچ و تحقیق سرگرم عمل ہیں۔ آپ نے علمی دنیا میں جتنا اکیلے کر دیا ہے اتنا کر دینے کے لیے اس زمانہ میں ایک جماعت کی ضرورت ہے۔ انھیں علمی کارناموں کی روشنی میں اگر کہا جائے کہ امام احمد رضا کسی ایک فرد کا نام نہیں بلکہ ایک ادارہ کا نام تھا تو بے جا نہ ہو گا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جس طرح مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے باطل طاقتوں کا سر توڑ مقابلہ کر کے حق و صداقت کا پرچم بلند کیا ٹھیک اسی طرح پوری

---

(۱) مقال عرفاء باعزاز شرع و علماء امام احمد رضا ص ۲ ۱۶ ۱۳۲۷ھ

چودھویں صدی ہجری میں جب کہ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملیامیٹ اور اسے پامال کرنے کی سازشیں چل رہی تھیں، عظمت توحید کو داغدار کیا جارہا تھا، اس موقع سے آپ سینہ سپر ہوکر میدان میں آئے اور ببانگ دُہل یہ اعلان کردیا ؎

کلکِ رضا ہے خنجر خوں خوار برق بار
اعدا سے کہدو خیر منائیں نہ شر کریں

اس اعلان سے دشمنانِ رسول اور گستاخ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنار کی بھاری جمعیت آپ کے پیچھے پڑگئی مگر آپ تن تنہا اس نام نہاد مسلمانوں کے بالمقابل میدان حق و صداقت میں ڈٹے رہے آج مذہب حق و صداقت کی جو صحیح تصویر ہمارے سامنے ہے یہ مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا علیہما الرحمۃ والرضوان جیسی نفوس قدسیہ کی انتھک کوششوں اور کاوشوں کا ثمرہ ہے ایک نہیں بہت سارے شرعی امور میں ان دونوں عبقری شخصیتوں کے خیالات و نظریات ایک دوسرے کے ہم آہنگ تھے۔ تفصیلی معلومات کے لیے مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا نامی کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا (۱)

حضرت مولانا الشاہ امام احمد رضا نے اگر ایک طرف شریعت کے مشکل ترین مسائل کی عقدہ کشائی میں دلچسپی لی تو دوسری طرف دانشوران قوم کی بے راہ روی اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی غیر شرعی رسم و رواج کو مٹانے کے لیے جدوجہد فرمائی اور مصلح قوم اور مجدد دین وملت کی حیثیت سے تقریری اور تحریری طور پر بدعات و منکرات کی تردید فرمائی اور عوام الناس کو اس سے باز رہنے کا حکم دیا۔ سجدہ تعظیمی، فخر بالنسب، مراسم محرم، تعزیہ داری، عورتوں کے لیے زیارت قبور، بدمذہبوں سے رشتے، ہنود کے مذہبی میلوں میں شرکت، قبر پر نماز، فرضی قبریں ایسی نہ جانیں کتنی خرافات کی چیزیں مسلم معاشرہ میں رائج تھیں اور ہیں ان سب کی تردید میں آپ نے کتابیں لکھیں اور اس کے خلاف فتوائے شرع صادر کیا چونکہ آپ کی آنکھوں میں شریعت کا نور اور فقہ اسلامی کا کیف و سرور ہوتا تھا اس لیے بدعات و منکرات

---

(۱) مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا　　غلام مصطفیٰ مجددی　　مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۶ء

کے خلاف جو بھی فیصلے آپ صادر فرماتے وہ حق اور اٹل ہوتے۔ احکام شرع کے صدور میں مولانا محمد احمد مصباحی کے بقول آپ کا درج ذیل طریقہ کار ہوتا۔

"نہ تو اس میں افراط ہے کہ بدعت کو شرک، گناہ کو کفر، مکروہ تنزیہی کو حرام یا کم از کم صغیرہ بلا اصرار کو کبیرہ، خفی کو جلی کہدے۔ نہ اس میں تفریط ہے کہ مکروہ یا خلاف اولیٰ کو غیر مکروہ و مستحب۔ بدعت کو سنت، منکر کو معروف یا ناجائز کو جائز کہہ دے۔ اعتدال ہے اور صرف اعتدال۔ یہی وہ اصلاح ہے جو فساد انساد سے پاک ہوتا ہے۔ (۱)

۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ / ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ "شیخ الاسلام والمسلمین"، مادۂ تاریخ وفات ہے۔ خود امام احمد رضا نے اپنی تاریخ وصال کی خبر دیتے ہوئے اپنے قلم حق رقم سے یہ آیت کریمہ تحریر فرمائی۔

ویطاف علیهم بآنیة من فضة واکواب (۲)

۱۳ ۴۰ ھ

بڑے فرزند حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں قادری نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ اور محلہ سوداگران بریلی شریف میں مدفون ہوئے۔ ہر سال ۲۵ صفر المظفر کو آپ کا عرس شریعت مطہرہ کی روشنی میں بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے جس میں ہند و پاک میں پھیلے لاکھوں عقیدت مند شریک ہوتے ہیں اور آپ کے روحانی فیوض و برکات اور علمائے کرام کے مواعظ حسنہ سے اپنے قلوب کو منور و مجلّٰی کرتے ہیں۔

•••

(۱) مجدد الف ثانی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا — غلام مصطفیٰ مجددی — لاہور — ۱۹۹۶ء
(۲) امام احمد رضا اور بدعات و منکرات — مولانا یٰسین اختر مصباحی — ص: ۲۳ — دہلی ۱۹۸۵ء

پروفیسر عنوان چشتی

مولانا سید سلیمان ندوی اور امام احمد رضا کا تصورِ نبوّت

مولانا سید سلیمان ندوی کا شمار اردو کے ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام کے ممتاز ادیبوں اور دانشوروں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے ایک ادیب، مورّخ، محقق، سوانح نگار، شاعر، سیرت نگار، مترجم اور عالم دین کی حیثیت سے جو خدمات انجام دی ہیں وہ انھی کا حصہ ہے۔ انہوں نے جو علمی اور دینی سرمایا چھوڑا ہے، وہ کیفیت اور کمیّت کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ ایک مختصر مقالے میں ان کے تمام مذہبی افکار کا جائزہ لینا ممکن نہیں ہے۔ جن کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ یہاں صرف اُن کے "نظریۂ نبوت" کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت ان کی ذات والا سے باہر نہیں ہے۔ اس لیے اس ضمن میں مولانا سید سلیمان ندوی کے تصوّرِ بشریت وحقیقتِ محمدی پر بھی نگاہ ڈالی گئی ہے خود سید صاحب نے نبوت پر بحث کرتے ہوئے "بشریتِ محمدی" کے مسئلے پر اجمالاً گفتگو کی ہے اور قرآنِ کریم کی بعض آیات کو بنیاد بنایا ہے، جن میں یہ آیت خاص ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

یہ آیت قرآنِ کریم میں بعینہٖ دو جگہ موجود ہے۔ ایک سورۂ کہف (پارہ ۱۶) میں اور دوسرے سورۂ حم السجدہ (پارہ ۲۴) میں۔

ترجمہ: کہدے کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ (ترجمۂ سلیمانی)

ان آیات میں مولانا سید سلیمان ندوی نے مثل کا ترجمہ " طرح " کیا ہے جبکہ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبد الماجد دریا آبادی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی نے مثل کا ترجمہ " جیسا " کیا ہے یعنی :-

" آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس تمہارے ہی جیسا بشر ہوں۔ میرے پاس تو بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔" (ترجمۂ ماجد)

" آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں۔ میرے پاس تو یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔" (ترجمۂ اشرف)

" تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تم ہی جیسا ہوں۔ مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔" (ترجمۂ رضویہ)

ان آیات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم نے بشرِ محض نہیں بلکہ مثل بشر قرار دیا ہے۔ مثل کا ترجمہ، طرح اور، جیسا۔ کیا گیا ہے۔ نبی کو " بشر محض " ماننا ایک بات ہے اور " مثلِ بشر " یا " بشر جیسا " تسلیم کرنا دوسری بات۔ دونوں کے اپنے الگ الگ مضمرات اور نتائج ہیں۔ سید سلیمان ندوی نے نبی کی "مثلیت اور بشریت" پر اپنے خیالات کو محتاط متوازن اور معتدل انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ بعثت رسول سے قبل بعض اُمتیں اپنے پیغمبروں کو " بشر محض " خیال کرتی تھیں اور اسی نسبت سے عام انسانوں کی طرح انہیں گناہوں کا مرتکب گردانتی تھیں، جو رسولوں کے منصب نبوت اور ان کی عصمت کے خلاف تھا۔ بعض امتیں اپنے پیغمبروں کو خدا کا جزو یا شریک یا بجنسہٖ خدا تصور کرتی تھیں۔ جس کی وجہ سے وہ قومیں وحدانیت کی منکر اور شرک کی مرتکب ہو جاتی تھیں۔ بعض امتوں میں یہ خیال عام تھا کہ خدا اُن کے اوتاروں یا پیغمبروں میں حلول کر گیا ہے۔ یا خدا ان کے اوتاروں سے متحد ہو گیا ہے۔ خود عربوں میں یہ عقیدہ تھا کہ انسان کی رہبری انسان نہیں بلکہ

مافوق البشر کرسکتا ہے جس کو بشر جیسا نہیں ہونا چاہیئے۔ سید سلیمان ندوی نے دونوں انتہاؤں کے درمیان یہ راستہ نکالا کہ:

"حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کے دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو بشریت کے جامے میں ہوتے ہیں اور انسانوں ہی کی طرح کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، شادی بیاہ کرتے پیدا ہوتے اور مرتے ہیں۔ دوسری طرف وہ اپنی روحانیت بے گناہی، پاک دامنی اور اختصاص نبوت میں انسانوں سے بلند ہوتے ہیں..... وہ اپنے بشری اوصاف کے لحاظ سے بلاشبہ انسان ہوتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنے مافوقِ بشری خصوصیات کی بنا پر فوق البشر ہوتے ہیں" [۱]

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی کو ایک طرف بشر اور دوسری طرف مافوق البشر تسلیم کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے یہاں ثنویت نظر آتی ہے۔ غالباً وہ مثلیت و بشریت کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا "بشرِ محض" اور "مثلِ بشر" میں کوئی امتیاز نہیں ہے؟ کیا مشبہ اور مشبہ بہ نوعی، ذاتی اور صفاتی حیثیتوں سے ایک ہی چیز ہے؟ یا ایک دوسرے کا عین ہے؟ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے نقطۂ نظر کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ان آیتوں میں جس قسم کی مثلیت اور بشریت کا ذکر ہے، اس کا تعلق ظاہری جسمانیت، جسمانی قویٰ اور مخلوقیت سے ہے۔ ورنہ اخلاقی، روحانی، دماغی، قلبی، علمی و عملی حیثیت سے ایک پیغمبر انسان رہ کر بھی غیر نبی انسانوں سے بلند تر اور علانیہ ممتاز ہوتا ہے۔ نبی الفائے ربانی سے متصف ہونے کے علاوہ بقیہ تمام اوصاف

[۱] سیرت النبی جلد چہارم ص ۱۱۳، ۱۱۴

وہ کمالات یا عیوب ونقائص میں عام انسانوں کے برابر ہوتا ہے"[1]

مولانا سید سلیمان ندوی کے بیان سے "مثلیت اور بشریت" کا اعتباری امتیاز تو واضح ہوتا ہے لیکن حقیقی اور اصلی فرق کا پتہ نہیں چلتا۔ انھوں نے نبی کو غیر نبی سے محض اخلاقی، روحانی، دماغی، قلبی، علمی اور عملی حیثیت سے ممتاز تسلیم کیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ایک نبی ہی نہیں بلکہ ایک مصلح، مفکّر، حکیم اور دانش ور حتیٰ کہ ادیب و شاعر بھی ایک عام انسان سے ان خصوصیات میں افضل ہوتا ہے اور یہ تخصیص یا ارتقار کائنات و موجودات کی ہر نوع میں موجود ہے۔ جمادات میں ایک عام سنگریزے سے ہیرا، موتی اور لعل بہتر ہوتا ہے۔ نباتات میں مضر نباتات سے مفید، تلخ سے شیریں یا گھاس سے پھول افضل ہوتا ہے۔ حیوانات میں بھی یہی قانونِ ارتقار و فضیلت کارفرما ہے۔ ایک گدھے سے یقیناً گھوڑا بہتر ہوتا ہے۔ درندوں سے چرندے، چرندوں سے پرندے افضل ہوتے ہیں۔ ایک ہی نوع کی چیزوں میں بھی یہ فطری اصولِ ارتقاء کارفرما ہے۔ پھر نبیٔ اکرم کی فضیلت کیا ہے؟ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس نکتے کو تشنہ چھوڑ دیا۔

حق یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت، مثلیت اور حقیقت کا خود ہی تعین کردیا ہے اب تک جن دو آیات کے حوالے سے گفتگو کی ہے، ان سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس "مثلِ بشر کو" وحی کی صفت سے متصف فرمایا ہے اور توحید کامل کے اعلان کے ساتھ "مثل بشر" کہا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، وہ مثل بشر ہیں جن پر خدا یہ وحی نازل کرتا ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ ظاہر ہے کہ مثل بشر، بشر محض نہیں ہوتا۔ بشر اور مثلِ بشر میں رشتۂ مشابہت ہے رشتۂ عینیت نہیں۔ قرآنِ کریم نے "مثلِ بشر" کے معمے کو بھی خود ہی حل کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ

---

[1] سیرت النبی جلد چہارم ص ۱۲۱

اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ
فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ
مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (سورہ بنی اسرائیل۔ ۱۱ پارہ ۱۵)

ترجمہ:۔ کہہ دے اے پیغمبر سبحان اللہ میں تو ایک بشر ہوں اور رسول، اور لوگوں کو جب اُن کے پاس ہدایت آئی، ایمان لانے سے باز نہیں رکھا۔ مگر اس خیال نے کہ خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے کہہ دے کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے تو ہم آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر اُن پر اُتار لتے"

(ترجمۂ سلیمان)

ترجمہ: تم فرماؤ پاکی ہے میرے رب کو، میں کون ہوں مگر آدمی، اللہ کا بھیجا ہوا اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا۔ جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہ بولے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ؟ تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے، چین سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی فرشتہ اتارتے۔"

(ترجمۂ رضویہ)

قطع نظر اس سے کہ مولانا سید سلیمان ندوی نے مطمئین کا ترجمہ نہیں کیا، اس آیت شریفہ سے یہ نکتہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ یہ مثلِ بشر اپنی اصل کے اعتبار سے "مثلِ بشر رسول" ہے۔ اور مثل بشر رسول اس لیے بھیجا کہ "کہہ دے کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے تو بہ اطمینان ہم آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر اتارتے۔" واقعہ یہ ہے کہ ایک نوع کی رہنمائی اسی نوع کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔ اگر زمین میں فرشتے ہوتے تو وہ نبی کو مثل ملک یا فرشتہ جیسا بنا کر اتارتا۔ معاملہ انسانوں کی رہنمائی کا تھا، اس لیے بشر کی رہنمائی کے لیے مثلِ بشر رسول اتارا۔ قرآنِ کریم کی اس وضاحت کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثلیت اور بشریت واضح ہوجاتی ہے،

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشرِ محض نہیں مثل بشر ہیں مثل کبھی عین نہیں ہو سکتا۔ اس لیے مثل بشر، بشرِ محض نہیں ہو سکتا۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے لفظ مثل کی تشریح سے گریز کیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ خود قرآن نے لفظِ مثل کو کس معنی میں برتا ہے۔ قرآن کریم میں لفظ "مثل" پانچ مزید مقامات پر آیا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہابیل اور قابیل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے قابیل کو کوے کی مثل قرار دیا ہے۔ سورۂ جمعہ میں توریت پر عمل نہ کرنے والوں کو اس گدھے کی مثل کہا ہے جو اپنی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لیے پھرتا ہے۔ سورۂ اعراف میں غدّار اور منکر قوموں اور ملتوں کو کتوں کی مثل کہا ہے۔ سورۂ حشر میں منافقوں کو شیطان کی مثل کہا ہے، سورۂ انعام میں پرندوں کو انسانی امتوں کی مثل قرار دیا ہے یہ آیات بتاتی ہیں کہ قابیل عین کوّا نہیں، کوّا عین قابیل نہیں۔ منکر عین گدھا نہیں، گدھا عین منکر نہیں۔ غدّار عین کتا نہیں، کتا عین غدّار نہیں۔ منافق عین شیطان نہیں، شیطان عین منافق نہیں پرندے عین انسان نہیں، انسان عین پرندے نہیں۔ ان میں بعض مشابہتیں ہیں۔ یعنی قابیل اور کوّے میں، منکرِ توریت اور گدھے میں، غدّارِ قوم اور کتوں میں، منافق اور شیطان میں، پرندوں اور انسانوں میں محض تعلقِ مشابہت ہے ورنہ اپنی اصل کے اعتبار سے انسان اور گدھا، انسان اور کتا، انسان اور شیطان، پرندہ اور انسان الگ الگ ہیں۔ اسی طرح بشر ایک چیز ہے اور مثلِ بشر دوسری۔ دونوں میں رشتۂ مشابہت ہے۔ رشتۂ عینیت نہیں۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ بشر کی رہ نمائی کے لیے خدا نے ایک مثلِ بشر کو رسول بنا کر اس وحی کے ساتھ دنیا میں اتارا کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے بشریت کی انتہا نبوّت کو قرار دیا ہے جبکہ قرآن کریم نے بشریت کی انتہا فوق البشریت یعنی حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا۔ نبوّت واسطۂ درمیانی ہے۔ یہ مرحلہ طے ہو جانے کے بعد کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشرِ محض نہیں بلکہ مثلِ بشر ہیں۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مثل بشر کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟ اور قرآن

نے اس کی طرف کیا رہنمائی فرمائی ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (سورہ مائدہ۔۳، پارہ۶)

ترجمہ: "تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور آیا اور کتاب مبین"۔ (ترجمۂ سلیمانی)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب" (ترجمۂ رضویہ)

یہاں کتاب مبین سے مراد قرآنِ کریم ہے اور نور سے مراد ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نور حقیقتِ محمدی ہے۔ نور مرئی نہیں ہوتا۔ اس لئے خدا نے نور کو مجسم فرمایا اور دنیا میں مثلِ بشر بنا کر بشر کی رہنمائی کے لیے اُتارا اور اس کو وحی کی صفت سے متصف کر کے اس کو لفظاً اور معناً کتاب مبین بنا دیا۔ سید سلیمان ندوی نے نور کے پرکھی بین بین رویہ اختیار کیا ہے۔ انہوں نے "سورۃ الاحزاب" کا حوالہ دے کر نبی کو "سراپا نور" قرار دیا ہے۔ "سورۃ الاحزاب" میں خدا نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روشن کرنے والا "چراغ" فرمایا ہے۔ اس آیت کے حوالے سے سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ:

"نبوّت کا سینہ صدق و صفا کا آئینہ ہوتا ہے، نبی کا مجسم پیکر ظلمت کدۂ عالم کا چراغ اور علم و ہدایت کا مطلع نور ہوتا ہے۔ جس طرح اس کا صحیفہ الہامی اور وحی ربانی نور ہوتی ہے۔ وہ خود بھی سراپا نور ہوتا ہے"۔ [۱]

انھوں نے نبی کو "ظلمت کدۂ عالم کا چراغ" اور علم و ہدایت کا "مطلع نور" کہا ہے اور آخر کار اس کا بھی اقرار کر لیا ہے کہ صحیفۂ ربانی اور وحیِ ربانی کی طرح نبی سراپا نور ہوتا ہے۔ مگر ان کا تصوّر "نور سراپا" محدود ہے، ان کا خیال ہے کہ جب تک نبی وصف نبوّت سے متصف ہوتا ہے وہ دوسروں کو روشنی دکھاتا ہے، ہدایت دیتا ہے، اس لیے نور ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں نور صرف نبوّت ہے اور کچھ نہیں۔

اس مسئلے میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے رہ نمائی کی ہے۔ یہ مذہبیات اور

---

[۱] سیرت النبی۔ جلد چہارم ص ۱۸۸

الٰہیات کا بے حد نازک مسئلہ ہے اور اہل اللہ سے مخصوص ہے۔ تائید غیبی اور سچی دینی بصیرت سے سمجھ میں آتا ہے۔ ابن عربی کے نظریۂ تجدُّدِ امثال کے مطابق ذاتِ باری تعالیٰ کے ذہن میں ایک خاکہ تھا جس میں تمام احوال اور آثار اور اشیاء تجریدی انداز میں اپنی تمام تر خصوصیات استعداد و صلاحیت کے ساتھ موجود تھیں۔ حدیث قدسی کے مطابق جب حقیقتِ اعلیٰ نے جو ایک مخفی خزانہ (کنزِ مخفی) تھا، خود اظہارِ ہیئت کا ارادہ کیا تو اس خاکے پر تجلّی فرمائی جس کو اعیانِ علمیہ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک عین پر دو بار تجلّی نہیں فرماتا اور تجلّی کو تکرار نہیں۔ قرآن کریم نے اس مرحلے کو لفظ کُن سے تعبیر کیا ہے۔ کُن امر کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں ہو جا، وجود میں آجا۔ ابن عربی کے نظریۂ تجددِ امثال کے مطابق باری تعالیٰ کے اعیان پر تجلّی فرمانے سے ہر عین خارج میں وجود پذیر ہوتا ہے۔ اس آئینے میں ذاتِ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم بھی جلوہ گر تھی، جس کو قرآن کریم نے نور اور چراغ قرار دیا ہے۔ اور جو نور اعظم کا حصہ ہے اس نور کا عین عین نور ہے جو مجسّم ہو کر مثلِ بشر اترا۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق یہ ظہور اور نزول درجہ بدرجہ ہے۔ پہلی منزل مرتبۂ ذات ہے یعنی منزل احدیت ہے جو مطلق کی قید سے بھی آزاد ہے۔ دوسری منزل مرتبۂ وحدت جو علم اجمالی کی منزل ہے، اس کو مرتبۂ علم بھی کہا جا سکتا ہے۔ تیسری منزل مرتبۂ احدیث ہے۔ یہ علم تفصیلی یا اسم اللہ کے ظہور کی منزل ہے۔ اس کو اعیان ثابتہ کی منزل بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد عالمِ امثال، عالم ارواح اور عالم اجسام کی منزلیں بالترتیب آتی ہیں۔ انسان ان سب مراتب کا جامع ہے۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ اعیانِ علمیہ میں حضورِ اکرم کا عین وہ نور تھا جو نور النور ہے، اور جو منزل بہ منزل گذر کر مثلِ بشر بن کر انسانوں کی ہدایت کے لیے اترا۔ یہ حدیث شریف ہے جو قرآن کے تصوّرِ نور کی تصدیق کرتی ہے۔

اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ وَکُلُّ الْخَلَائِقِ مِنْ نُوْرِیْ
وَ اَنَامِنْ نُوْرِاللّٰہِ۔

ترجمہ: "سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا اور ساری مخلوق میرے نور سے ہے، اور میں خدا کا نور ہوں"

اس حدیث شریف کے بعد نبی کو نورِ مجسّم کہنا ہی صحیح ہے۔ اس مختصر جائزے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلے پر تین طرح کے تصورات ملتے ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشرِ محض خیال کرتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو مثلیت اور بشریت میں پیوند کاری کرتے ہیں اور اپنی دانست میں متوازن راستہ اختیار کرتے ہیں اور دبی زبان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چراغ اور نور قرار دیتے ہیں، مگر ان کا تصور نور محدود ہے اور محض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صفاتِ نبوت کی بنیاد پر قائم ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی کا ذہنی رشتہ اسی سے ہے۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن ناطق تصوّر کرتے ہیں مثل بشر مگر نورِ مجسّم خیال کرتے ہیں اور نورِ مجسّم کو نور النّور کا عین تصور کرتے ہیں۔ ان تینوں تصورات کے اپنے مخصوص مضمرات اور منطقی نتائج ہیں۔ نبیٔ اکرم کو بشرِ محض تصور کرنے والے انہیں تمام بشری خوبیوں اور خرابیوں سے متصف تصوّر کرتے ہیں جو نبوت کے اصولی تصور کی نفی کرتا ہے اور قرآن کے بنیادی آہنگ کے خلاف ہے۔ جو لوگ مثلیت اور بشریت کے درمیان کی راہ اختیار کرتے ہیں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر ایمان رکھتے ہیں مگر الفاظ کے الٹ پھیر کے ساتھ نبی کے بعض افعال پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور بعض فیصلوں کو اجتہادِ نبوی کی بھول چوک قرار دیتے ہیں اور منصب نبوت کی عظمت اور عصمت کی خود ہی تکذیب کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور اور مثل بشر مانتے ہیں وہ نبی کی شخصیت اور نبوت کے ہر پہلو، ہر عمل اور جہت میں ایک الوہی شان رکھتے ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی کا تصوّرِ بشریت و رسالت اگرچہ قرآن سے ماخوذ ہے مگر انہوں نے بشریت، مثلیت اور حقیقت میں توازن پیدا کرنے کی غرض سے ایک ایسا تصور پیش کیا ہے جو نقائص اور تضاد سے خالی نہیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

> "اس میں شک نہیں کہ وحی اور ملکۂ نبوت کے علاوہ نبی میں، نبوت و رسالت کے فرائض سے باہر کی چیزوں میں وہی عقل ہوتی ہے،

جو عام انسانوں کی ہوتی ہے اور جس میں اجتہادی غلطی کا ہر وقت امکان ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک اجتہاد کی یہی وہ دوسری قسم ہے جس میں نبی سے بھی غلطی ہوسکتی ہے۔" [۱]

اس بیان کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

۱۔ نبی پر وحی آتی ہے اور اس کو ملکۂ نبوّت ہوتا ہے۔

۲۔ لیکن ملکۂ نبوت کے علاوہ ایک نبی میں وہی عقل ہوتی ہے جو عام انسانوں میں ہوتی ہے۔

۳۔ جب نبی اپنی (انسانی) عقل سے کام لیتا ہے تو وہ غلطی کرسکتا ہے۔

اگر ہم مولانا سید سلیمان ندوی کی اس رائے کو تسلیم کرلیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ نبیٔ اکرم کی شخصیت میں وحدت نہیں بلکہ ثنوت ہوتی ہے۔ کبھی وہ صرف بشر ہوتے ہیں اور کبھی نبی۔ جب بشریت پر نبوت غالب آجاتی تو وہ فہم نبوی یا وحیِ الٰہی سے کام لیتے اور جو کچھ کہتے صحیح کہتے۔ لیکن جب بشرِ محض ہوتے تو بشری عقل سے کام لیتے اور غلطی کے مرتکب ہوتے یا ہوسکتے۔ یہ تصوّر بہت خام اور قرآن کے دیئے ہوئے تصوّر نبوت کے خلاف ہے۔ اس میں نبی کی نبوّت پر بشریّت غالب رہی ہے اور نبی جو جز وقتی نبی ثابت ہوتا ہے، یعنی ملکۂ نبوت یا نزول وحی کے وقت نبی ہوتا ہے اور اس کے بعد نیز اُس سے پہلے صرف بشر، یا یہ کہ نبی دو حیثیتوں میں کام کرتا ہے، کچھ اپنی طرف سے جس پر غلطی کر سکتا ہے اور کچھ خدا کی طرف سے جس میں صحیح فیصلہ کرتا ہے۔

قرآن کریم کی آیات گواہ ہیں کہ نبی اللہ کی طرف سے مامور اور منصوص ہوتا ہے اس کو مخصوص عقلِ نبوّت اور حکمت حاصل ہوتی ہے۔ وہ علم و عدل کی وہبی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ جس کو قرآن نے "حکم" سے تعبیر کیا ہے۔ اس کو غیب کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ علم بشریّت و مثلیت کے مابین ہم آہنگی تلاش کرنے والوں کے نزدیک جزوی یا محدود یہ وحی ہوتا ہے۔ بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی:

[۱] سیرت النبی جلد چہارم ص ۱۴۲

"وہ اللہ کی عطا کی ہوئی نبوت (اور اللہ کی مرضی کے مطابق) عالمِ غیب سے تعلق کی وجہ سے عالمِ نبوت اور غیبی حقائق کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔" [1]

جبکہ مثل بشر کو نورِ مجسم تصور کرنے والوں کے نزدیک نبی کو یہ علم وسیع انداز میں حاصل ہے، اور علمِ غیب نور کی صفت کے طور پر نبی کی شخصیت کا حصہ ہوتا ہے۔ اُس کے علم و جز کا سرچشمہ تعلیم ربّانی اور وحی تو ہے ہی، نورِ مجسم ہونے کی وجہ سے عصمت اور علمِ غیب اس کی سرشت میں داخل ہے۔ اس کا بظاہر تعلق پُراسرار عالمِ غیب سے ہے لیکن وہ خود غیب سے عالمِ شہادت میں جلوہ گر ہے۔ وہ بحکم ربّی حیرت انگیز تصرفات پر تو قادر ہے ہی۔ یہ تصرفات نور سے لازمی اور ازلی طور پر وابستہ بھی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب کائنات عالمِ وجود میں نہیں آئی تھی۔ اپنی حیاتِ ظاہری میں بھی منصبِ نبوت پر جلوہ افروز تھے۔ حالانکہ تاریخی طور پر اس کا اظہار عمر کی ایک خاص منزل پر ہوا تھا اور آج بھی نبی ہیں کہ پردہ خفا میں ہیں۔ اُن کا ہر قول و فعل منجانب اللہ ہے۔ اللہ جل شانہٗ خود فرماتا ہے:۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى

(سورۂ نجم۔ پارہ ۲۷)

ترجمہ:۔ "نبی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو اس کو کی جاتی ہے۔" (ترجمۂ سلیمان)

ترجمہ:۔ "اور وہ کوئی بات خواہشِ نفس سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔" (ترجمۂ رضویہ)

---

[1] منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین۔ ۱۹۷۵ء لکھنؤ۔ ص ۲۷

قرآن نے یہ طے فرما دیا ہے کہ نبی خواہش نفس سے نہیں " وحیِ الٰہی " سے کلام کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا ہر قول فعل حتیٰ کہ اُس کی سوچ تک مشیت الٰہی، وحی ربانی اور منشائے خداوندی ہوتی ہے۔ ایک اور جگہ اللہ جل شانہٗ نے رسول کی ذاتِ بابرکات کو قرآن کی طرح مستقل ہدایت قرار دیا ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ وَكَیْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَفِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ۔" (سورۂ آل عمران۔ پارہ ۴)

ترجمہ:۔" اے مومنو، اگر تم اہل کتاب کے کسی گروہ کا کہا مانو گے تو وہ ایمان لا چکنے کے بعد تمہیں مُرتد کر کے کافر بنا دیں گے اور تم کو کیونکر کفر کرنا چاہیئے درآں حالیکہ تم کو اللہ کی آیتیں سنائی جاتی ہیں۔ اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے۔"
(ترجمۂ سلیمان)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو، اگر تم کچھ کتابیوں کے کہے پر چلے تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر کر چھوڑیں گے اور تم کیونکر کفر کروگے؟ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول تشریف لایا۔"
(ترجمۂ رضویہ)

اس آیت شریف کے آخری ٹکڑے سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے نزدیک کفر سے بچانے والی دو چیزیں ہیں۔ ایک آیات الٰہی اور دوسری ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ آیاتِ ربانی اور ذاتِ نبی ایک دوسرے کا نعم البدل، تکملہ اور عین ہیں۔ ایک قرآنِ مطلق ہے اور دوسرا قرآنِ ناطق ہے۔ مگر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سا رسول کفر سے بچا سکتا ہے، منصب نبوت سے اجتہادی غلطی کرنے والا جزوقتی نبی

یا مثل بشر نورِ مجسّم، الوہی صفات سے متصف ہو کر عالموں پر رحمت کرنے والا؟

مولانا سید سلیمان ندوی نے اجتہادی غلطی کرنے والے جس جز وقتی نبی کا تصوّر پیش کیا ہے وہ قرآن کے اس تصوّرِ نبوّت کے خلاف ہے جس میں نبی خطا اور نسیان سے محفوظ ہوتا ہے۔ اس سے بھول چوک اور غلطی نہیں ہوتی۔ وہ گناہ سے پاک اور معصوم ہوتا ہے۔ اس کی شخصیت کا ہر داخلی اور خارجی رُخ نبوت کی روشنی سے منوّر ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ سوچتا، کہتا اور کرتا ہے، وحیِ الٰہی کے مطابق کرتا ہے اور صحیح کرتا ہے وہ مثلِ بشر اور نورِ مجسّم نبی ہے۔ ہزار بار صلاۃ و ہزار بار درود و سلام۔

حضرت رضا کی میلاد نگاری

پروفیسر ڈاکٹر محمد مظفر عالم جاوید صدیقی

مولانا احمد رضا خاں ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں سے حاصل کیا۔ حضرت شاہ آل رسول مارہروی کے دست مبارک پر سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ پیر و مرشد نے انہیں تمام سلاسل کی اجازت و خلافت عطا کی۔ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں پہلی بار حج بیت اللہ اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ دوسری مرتبہ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء میں اس سعادت سے فیضیاب ہوئے ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو بریلی میں وفات پائی۔ مولانا موصوف معقولات و منقولات کے فاضل اور اپنے دور کے عظیم عبقری تھے۔ ان کا ترجمہ قرآن "کنزالایمان" اردو تراجم میں اپنی مثال آپ ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی اردو، فارسی، عربی زبانوں کے انشا پرداز، ادیب، واعظ، مناظر، فقیہہ، محدث، مفکر، مفسر، مصنف اور مؤلف تھے۔ شاعری میں بھی کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ انہوں نے تقریباً تمام علوم میں علمی یادگاریں چھوڑی ہیں۔

"تجلی الیقین مع تمہید ایمان" ان کا میلاد نامہ ہے اس کا سال تصنیف ۱۸۸۵ء ہے۔ اور ۱۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میلاد نامے میں آیات قرآنی و احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں۔

اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مقدسہ سے لے کر فتح مکہ تک کے تمام حالات وفضائل شرح وبسط سے بیان کئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں میلاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بھی تمام احادیث وآیات جمع کی گئی ہیں۔ اس میلاد نامے میں چار باب ہیں اور ہر باب کا نام ہیکل تجویز کیا گیا ہے۔ ہیکل اول میں آیات جلیلہ، ہیکل دوم میں احادیث جمیلہ کا بیان ہے۔ ہیکل دوم کی تابش اول میں چند وحی ربانی، تابش دوم میں ارشادات عالیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تابش سوم میں طرق روایات حدیث تابش چہارم میں صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار اور اقوال علمائے کتب سابقہ مرقوم ہیں۔ ان سب روایات کو معتبر ومستند کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے اور حاشیہ میں ان تمام کتابوں کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ مولانا احمد رضا رضا خاں نے میلاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں نثر کے علاوہ اپنی میلادیہ ونعتیہ شاعری میں بھی جا بجا اس موضوع کے حوالے سے کبھی نہ بجھ سکنے والے چراغ روشن کئے ہیں۔ محافل میلاد میں مولانا احمد رضا خاں کا قصیدۂ نور ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے۔ یہ ۵۹ اشعار پر مشتمل ہے اور اس کے ۴۷ مطلع ہیں۔ صنائع بدائع، روزمرہ محاورات، زور بیاں و برجستگی اور سلاست وروانی اس قصیدے کے نمایاں اوصاف ہیں۔ قصیدے کے نمایاں اوصاف ہیں۔ قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
تری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

● پروفیسر ڈاکٹر مظفر عالم جاوید صدیقی نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور سے ڈاکٹریٹ کیا ہے۔ ان کے مقالے کا عنوان تھا "اردو میلاد نامے" موصوف نے اس مقالے میں امام احمد رضا کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہم جناب اعجاز اشرف نظامی کے شکریہ کے ساتھ مقالے کا یہ حصہ پیش کر رہے ہیں اور ڈاکٹر صاحب کے بھی ممنون ہیں ـــــ ادارہ

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں، الٰہی بول بالا نور کا
چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا
ذرے مہرِ قدس تک ترے توسط سے گئے
حدِ اوسط نے کیا صُغریٰ کو کبریٰ نور کا

(۱)

مولانا احمد رضا خاں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلادِ اقدس کا جشن مناتے ہوئے اپنے اس متذکرہ بالا قصیدہ میں ایک لحاظ سے قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین کی تفسیر بیان کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا مطہرہ کے حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

پشت پر ڈھلکا سرِ انور سے شملہ نور کا
دیکھیں موسیٰ طور سے اترا صحیفہ نور کا
مصحفِ عارض پہ ہے خطِ شفیعہ نور کا
لو سیاہ کارو مبارک ہو قبالہ نور کا
آبِ زر بنتا ہے عارض پر پسینہ نور کا
مصحفِ اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا
شمع دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا
تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
وضعِ واضع میں تری صورت ہے معنیٰ نور کا

سب تمہارے آگے شافع
تم حضورِ کبریا ہو

(۳)

شاعر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا کرنا اور اس کی اس قدر دھوم مچانا چاہتے ہیں کہ فرش سے لے کر عرش تک غلغلے بلند ہو جائیں اور اس سلسلہ میں کسی مصلحت کوشی کے روادار نہیں ہیں۔ میلاد کے تذکار کو عام کرنے کے لیے مدحت سرائی کا انداز دیکھئے ؎

آفتاب ان کا ہی چمکے گا جب اوروں کے چراغ
صرصرِ جوشِ بلا سے جھلملاتے جائیں گے
حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائشِ مولیٰ کی دھوم
مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے
خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

(۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ایک یہودی دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ احمد کے ستارے نے طلوع کیا۔ یہ ستارہ نبی کی پیدائش پر طلوع ہوا کرتا ہے اور اب انبیاء میں سوائے احمد کے کوئی باقی نہیں۔ ان سعادتوں کے حوالے سے مولانا احمد رضا خاں یوں مدحت سرا ہیں ؎

بزمِ آخر کا شمع فروزاں ہوا
نورِ اول کا جلوہ ہمارا نبی
جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس
ہے وہ سلطانِ والا ہمارا نبی

بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
شمع وہ لے کے آیا ہمارا نبی
لامکاں تک اجالا ہے جس کا وہ ہے
ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی

(۵)

رضا بریلوی نے میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں شریعت کے تقاضوں کی پاس داری کی تو انہیں شہرت دوام اور قبولیت عام نصیب ہوئی۔ انہوں نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاں بھی ذکر کیا ہے۔ اس میں ان کی شعری انفرادیت اور ندرت خیال، دلکش انداز سے جھلکتی ہے۔ میلاد کے دن کی عظمت و جلالت کے اظہار میں بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں ؎

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھر تھرا کر گر گیا
تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا
تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا

(۶)

رضا بریلوی کا قصیدہ معراجیہ ۶۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں قرب الٰہی، زمان و مکان اور اطراف و حدود کے تعینات اور معراج کے مشاہدات اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا مترنم بحر اور نشاطیہ آہنگ میں بیان ہے۔ اس میں روانی و تسلسل اور زبان کی لطافت و پاکیزگی ان کی جودت طبع کی آئینہ دار ہے۔ چند شعر درج ہیں ملاحظہ کیجیے ؎

وہ سرورِ کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے
یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی

وہ رات کیا جگمگا رہی تھی، جگہ جگہ نصب آئینے تھے
تجلی حق کا سہرا سر پر، صلوٰۃ وتسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جماکر، کھڑے سلامی کے واسطے تھے
یہ ان کی آمد کا دبدبہ تھا، نکھار ہر شئے کا ہو رہا تھا
نجوم و افلاک، جام و مینا، اُجالتے تھے، کنگھالتے تھے
براق کے نقش سم کے صدقے، وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن، لہکتے گلشن، ہرے بھرے لہلہا رہے تھے
ضیائیں کچھ عرش پہ یہ آئیں کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضور خورشید کیا چمکتے، چراغ منہ اپنا دیکھتے تھے
ادھر سے پیہم تقاضے آنا، ادھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال وہیبت کا سامنا تھا، جمال ورحمت ابھارتے تھے

(۷)

میلاد میں ادب واحترام سے کھڑے ہوکر سلام پڑھنا اس مقدس محفل کا ایک جزو لا ینفک بن گیا ہے۔ میلاد نگاروں اور باکمال شعرا نے سلام لکھتے وقت اظہار عقیدت ومحبت کی صحیح ترجمانی کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور ان سلاموں میں بعض تو اس قدر زبان زد خاص وعام ہوگئے ہیں کہ قریباً ہر ذی شعور ان سے بخوبی واقف ہے۔ مولانا احمد رضا خان کا سلام اردو زبان کا سب سے زیادہ مقبول سلام ہے۔ یہ سلام ۱۶۷ اشعار پر مشتمل ہے اور اس کو اتنی شہرت ملی کہ میلاد کی محفلوں، نعت خوانی کے علاوہ بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والی مساجد میں تمام اہم تقریبات پر بالخصوص ہر جمعہ کی نماز کے بعد بالعموم اجتماعی شکل میں پڑھا جاتا ہے۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں کا سلام سراپائے اطہر پر مشتمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت اور شیفتگی ووابستگی کی شدت کا اظہار، زورِ بیان میں علمی وجاہت، مثنوی کی سی روانی اور قصیدوں کا سا شکوہ، ان کی شعری استعداد اور فنی مہارت کا بین ثبوت ہیں۔ سلام کا ہر شعر موتیوں

میں تولنے کے قابل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا اور عہد طفولیت سے لے کر عہد نبوت تک کا نقشہ ایسے دلپذیر انداز میں کھینچا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت مقدسہ سامنے آجاتی ہے۔ سلام کے چند مشہور شعر ملاحظہ ہوں ؎

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبین سعادت پہ لاکھوں سلام
جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پہ درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام
فتح باب نبوت پہ بے حد درود
ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام
صاحب رجعت شمس و شق القمر
نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام

(۸)

پہلے شعر میں جان رحمت اور شمع بزم ھدایت کی ترکیبیں اسرار و معانی کے خزانے ہیں۔ چھٹے شعر میں فتح باب نبوت اور ختم دور رسالت کے الفاظ سے نبوت و رسالت کی پوری تاریخ واضح طور پر بیان کردی ہے۔ ساتویں شعر میں نائب دست قدرت ہونے کے ثبوت میں رجعت شمس اور شق القمر کے مشہور معجزات کی نشان دہی کرکے حجت تمام کردی ہے۔

درج ذیل چند اشعار میں سراپائے مبارک کی چند جھلکیاں زور بیان کے ساتھ دیکھیئے

قد بے سایہ کے سایۂ مرحمت
ظل ممدود رافت پہ لاکھوں سلام
(سایہ مرحمت)

طائرانِ قدس جس کی ہیں قمریاں
اس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام
(قد مبارک)

جس کے آگے سرِ سروراں خم رہیں
اس سر تاج رفعت پہ لاکھوں سلام
(فرق اقدس)

وہ کرم کی گھٹا گیسوے مشک سا
لکۂ ابر رافت پہ لاکھوں سلام
(گیسوئے مبارک)

لخت لخت دل ہر جگر چاک سے
شانہ کرنے کی عادت پہ لاکھوں سلام
(شانۂ مبارک)

لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
(مانگ مبارک) (۹)

مولانا کفایت علی کافی اور کئی دیگر میلاد نگاروں نے اس کی تقلید میں سلام لکھے ہیں۔ کافی کے سلام میں بھی مولانا احمد رضا خاں کے سلام کا رنگ شاعری جھلکتا ہے۔ انہوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا بیان کیا ہے۔ درج ذیل شعر ملاحظہ ہوں ؎

خاص محبوب خدا ختم رسالت پر سلام
عین رحمت شافع روز قیامت پر سلام
مبتدا صلی علیٰ چین جبین با صفا
نور کی دریائے امواج لطافت پر سلام
چشم پر ابرو بعینہ مد ہے سورۃ صاد کا
دونوں ابروئے مبارک کی شہادت پر سلام
مصحف رخسار حضرت مظہر انوار غیب
روئے قدسِ مطلع صبح صداقت پر سلام

(۱۰)

مولانا کافی کے سلام میں قافیہ و موضوع کی یکسانیت کے باوجود تقابلی جائزہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کا سلام فکری وفنی لحاظ سے کہیں زیادہ موثر ہے۔ جس میں اسرار و معرفت کے لاتعداد گہرہائے گرانمایہ بہے چلے آرہے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کے قصیدہ میلادیہ، معراجیہ اور سلام کو پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کے نظم و نثر کے شاہکاروں میں سوز عشق و محبت اوج کمال پر ہے جو ناموسِ رسالت کی حفاظت کیلئے انہوں نے پیش کئے ہیں۔ ان کے محرکات و عوامل خارجی شواہد نہیں بلکہ داخلی کیفیات و باطنی رجحانات پر مشتمل ہیں۔ مولانا کے اس جذبۂ صادق کے بارے میں نیاز فتح پوری لکھتے ہیں۔

"احمد رضا خاں بریلوی کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے والے پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی رسول عربی کا ہے۔ ان کے کلام سے ان کے بے کراں علم کا اظہار ہوتا ہے۔ مولانا کا اپنے کلام میں انفرادیت کا دعویٰ ان کے کلام کی خصوصیات سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلی معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل برحق ہیں۔" (۱۱)

حافظ احسان الحق نے اپنے حج و زیارت کے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "مدینہ منورہ میں مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کا سلام وہاں کی محافل میلاد میں بڑی عقیدت سے پڑھا اور سنا جاتا ہے۔" (۱۲)

مولانا احمد رضا خاں کی میلادیہ و نعتیہ شاعری توصیف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ زندہ رہنے والا مجموعہ ہے۔ (۱۳) ان کے اشعار میں شوکت الفاظ، معنیٰ آفرینی، ندرت بیان، عجز و فروتنی اور وفور عقیدت کی جگمگاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ انہوں نے واردات قلبی کو شعر کی زبان بخشی ہے اور ان جذبات کے اظہار کی بے ساختگی بھی جا بجا نظر آتی ہے۔

مولانا احمد رضا خان کی ایک تقریر جو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ہے۔ "المیلاد النبویہ فی الالفاظ الرضویہ" کے نام سے دوبارہ چھپی ہے۔ اس میں مولانا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کے حالات و واقعات مدلل اور مفصل انداز سے بیان کیے ہیں۔ آخر میں سلام دیا گیا ہے۔ اس تقریر کی اشاعت سید ایوب علی رضوی کی فرمائش پر ہوئی۔ (۱۴)

(۱) حدائق بخشش کامل حصہ دوم (مولانا احمد رضا خاں بریلوی) شبیر برادرز اردو بازار لاہور ۱۹۸۸ء ص ۲، ۳
(۲) ایضاً ص ۲، ۳ (۳) حدائق بخشش کامل حصہ دوم ص ۳۹، ۴۰ (۴) حدائق بخشش کامل (حصہ اول) ص ۵۶
(۵) ایضاً ص ۴۹، ۵۰ (۶) ایضاً ص ۱۷
(۷) حدائق بخشش کامل (مولانا احمد رضا خاں بریلوی) ص ۸۶ تا ۹۱
(۸) حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) ص ۴۳۲، ۴۵۳، ۴۵۴
(۹) حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلی) متفرق صفحات ۴۳۲ تا ۴۴۶
(۱۰) دیوان کافی (مولانا کفایت علی کافی) ص ۳۲
(۱۱) ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی نومبر دسمبر ۱۹۷۵ء ص ۲۸
(۱۲) ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ اپریل ۱۹۷۱ء ص ۳
(۱۳) ماہنامہ کنز الایمان لاہور دسمبر ۱۹۹۱ء ص ۴
(۱۴) المیلاد النبویہ فی الالفاظ الرضویہ (احمد رضا خاں بریلوی) مرکزی رضوی کتب خانہ تاجپورہ لاہور

شاعر لکھنوی

تاریخ نعت گوئی میں امام احمد رضا کا منصب

برصغیر ہند و پاک میں نعت رسول کہنے والوں کی فہرست خاصی طویل ہے ان میں زیادہ تعداد ایسی ہے جو دوسری اصناف کے دوش بدوش نعت پر بھی خاصی توجہ دے رہے ہیں لیکن اگر ہم اس فہرست سے ایسے چہروں کا انتخاب کریں جنہوں نے نعت گوئی کے سوا کسی دوسری صنف کو وسیلۂ اظہار بنانا تو کجا چھونا بھی گوارہ نہ کیا ہو تو ان کی تعداد چار چھ سے آگے نہیں بڑھتی ان میں بلاشبہ محسن کاکوروی، احمد رضا خاں بریلوی اور ضیاء القادری بدایونی کے نام گلشن نعت کے گل سرسبد قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ فی الوقت ہمارے اس مضمون کا موضوع چونکہ حضرت احمد رضا خاں بریلوی سے متعلق ہے اس لیے ہم اپنے قلم کو اسی دائرے تک محدود رکھیں گے۔

احمد رضا خاں بریلوی (علیہ الرحمۃ) نے نعت اور صرف نعت کو اپنا مقصد حیات بنایا۔ اس صنف کو بہترین ادبی جواہر پاروں سے مزین کیا اور ایسی نعتیں لکھیں جو زبان و بیان، فکر و فن، اظہار و ابلاغ، اور تاثیر و تاثر کے اعتبار سے اردو ادب میں سرمائے کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کی فارسی نعتیں بھی اسی درجۂ کمال پر فائز ہیں۔ انہوں نے نعت کے میدان میں اپنی جودت طبع کے جو اعلیٰ نمونے پیش کیے ہیں، ان میں سے ان کی ایک مشہور و مقبول نعت کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جس میں اردو، ہندی، عربی، فارسی کے تانے بانے سے وہ عمارت تعمیر کی گئی ہے جو نعت گوئی کا ذوق رکھنے والوں کے ذہنوں میں ہمیشہ اپنی جگہ قائم رکھے گی۔ یہ تخلیق ذہنی تنوع اور علمی ظرف کا ایک ایسا نمونہ ہے جس کی مثال ہمیں فیضی، قاآنی، خسرو اور انشاء اللہ خاں انشا کے علاوہ شاید

ہی کہیں اور نظر آسکے۔

لم یات نظیرك فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

البحر علیٰ والموج طغیٰ من بیکس وطوفاں ہوش رُبا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا، موری نیّا پار لگا جانا

یا شمس نظرت الیٰ لیلی چو بہ طیبہ رسی عرضِ بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا

مندرجہ بالا نعت اردو، ہندی، فارسی اور عربی آمیز ہونے کے باوجود اپنے تاثر کی اکائی کو برقرار رکھتی ہے۔

نعت گوئی کا فن عشق رسول کی منزل میں ایک ایسا پلصراط ہے جس پر قدم رکھنے اور توازن قائم رکھتے ہوئے اس پر سے گذر جانے کی سعادت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جب تک دینی علوم کی بصیرت، شریعت وطریقت سے آگہی اور عشق کے باریک سے باریک رمز کا عرفان نہ ہو ادھر رخ کرنا ٹھوکر کھانے کے مترادف ہے۔ اصناف شعر میں اس صِنف سے زیادہ مقدس نازک اور دشوار گذار کوئی دوسری صنف نہیں۔ شدّت احساس کو عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دیوار میں چن دینے کے بعد ہی نعت گوئی کا صحیح شعور پیدا ہوتا ہے۔ جذبے کو لفظ عطا کرنے، لفظوں کی تہذیب و ترتیب کرنے اور اظہار کے گوشوں کی تراش خراش کے ہنرِ کی تکمیل بچوّں کا کھیل نہیں۔ یہ وہ منزل ہے جہاں طویل علمی سفر طے کرنے اور مشاہدات و تجربات کی کڑی دھوپ سے گزرنے کے بعد ہی الفاظ جذبے کی آفاقیت کو چھونے کے متحمل ہوتے ہیں اور فکر و خیال کی کتنی ہی صدیاں پار کرنے کے بعد مفہوم و معانی کے لمحے کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

رضا بریلوی کی تاریخ حیات کے مقابلے سے ان کی علمی گہرائی وگیرائی، دینی و مذہبی ظرف، فکری و ذہنی صلاحیت، فقیہانہ بصیرت اور مجتہدانہ جدوجہد کے بہت سے گوشوں پر روشنی پڑتی ہے لغت کا بنیادی ڈھانچہ آگہی اور باخبری پر قائم ہوتا ہے۔ باخبری حصولِ علم سے پیدا ہوتی ہے اور حصولِ علم کیلئے جدوجہد سمندروں میں ڈوب ڈوب کر اُبھرنا لازمی ہوتا ہے۔ احمد رضا خاں رضا بریلوی کی ذات کے کوزے میں کتنے سمندروں کی سمائی ہے اس کا جائزہ ان کی تاریخ حیات کے مطالعہ کے بغیر ادھورا اور نامکمل رہے گا۔ ذیل میں ان کی زندگی کے چند علمی و عملی گوشے پیش کئے جاتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ لغت گوئی کی منزل کے لئے انہوں نے آگہی اور باخبری کا کتنا سرمایا اپنے ساتھ رکھا اس جائزے کی مدد سے ناظرین کرام کو ان کے منصب ومقام کا صحیح ادراک ہو سکے گا۔

حیاتِ امام احمد رضا کے چند علمی و عملی گوشے

- تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، جدل، ہندسہ، معانی اور بیان کے علوم انہوں نے اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ سے حاصل کیے۔
- ارثماطیقی، جبر و مقابلہ، ریاضی، مناظر و مرایا، زیجات اور جفر وغیرہ علوم اپنی ذہانت وطباعی اور مطالعے کی لگن سے حاصل کئے۔
- مختلف علوم دینی میں شیخ احمد بن زینی دحلان مکّی، شیخ عبدالرحمٰن مکی، شیخ حسین بن صالح مکی اور شیخ ابوالحسین احمد النوری سے استفادہ کیا۔
- علوم روحانی میں قادریہ سلسلے سے بیعت کے علاوہ مختلف سلاسل میں خلافت واجازت حاصل کی۔ مثلاً سہروردیہ، بدیعیہ، علویہ وغیرہ۔
- دو بار حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔ پہلی بار قیام مکّہ کے دوران شیخ حسین بن صالح کی خواہش پر "الجواہر المضیئہ" کی شرح صرف دو یوم میں مکمل کی تاریخی نام "النیرۃ الوضیئہ فی شرح الجواہرۃ المضیئہ" رکھا گیا۔

• فقہ میں جد الممتار اور فتاویٰ رضویہ کے علاوہ ایک اور دینی و علمی کارنامہ ترجمہ قرآن بھی ہے جو ۱۹۱۱ء میں کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، کے نام سے منظرِ عام پر آیا۔

• اردو، ہندی، فارسی، عربی زبانوں پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ ۲۱ سال کی عمر تک ۵، کتابوں کی تصنیف و تالیف کا کام مکمل کر چکے تھے۔

• تقریباً ۱۴ سال کی عمر میں تمام علوم عقلی و نقلی کی تکمیل کے بعد فتوی نویسی کا منصب سنبھالا۔

نعتیہ شاعری

ان معلومات کے حصول کے بعد ان کی نعتیہ شاعری کے مجموعے "حدائق بخشش" حصہ اول و دوم کا مطالعہ کیا جائے تو اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ ان کی نعتیں جذبے کو الفاظ کا پیرہن عطا کرنے اور محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اظہار میں احترام کی حدود قائم رکھنے کے لحاظ سے ہمارے ادب میں ایک مستقل سرمائے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

نعت گوئی کی دو حیثیتیں ہمارے سامنے ہیں۔

• وہ نعت جو روائیت سے چل کر عقیدے پر ختم ہو جاتی ہے۔

• وہ نعت جو عشق رسول سے چل کر "ایمان" پر ختم ہوتی ہے۔

رضا بریلوی کی نعت دوسری حیثیت سے تعلق رکھتی ہے اس لیے ان کی نعت گوئی اپنے معیار کے اعتبار سے ایک انفرادی و اجتماعی شان کی مالک نظر آتی ہے۔ وہ نعت کہتے وقت قرآن کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ قرآن سیرت مصطفےٰ کا آئینہ ہے اور اس آئینے کو رو برو رکھنے کے بعد فکر کی رفتار میں کسی لغزش کا امکان ہی نہیں رہتا۔ ان کا یہ مصرعہ ان کی نعتوں کا معیار رکھنے کے لیے بہت کافی ہے ع

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

نعت کی پہلی حیثیت بھی اپنی جگہ ایک اہمیت رکھتی ہے اور وہ شعراء بھی جو دوسری اصناف سخن کے شانہ بشانہ نعت کہتے ہیں ہمارے لیے باعث افتخار ہیں انہوں نے بھی قافلۂ نعت کو زادِ راہ عطا کرنے میں بڑا کردار عطا کیا ہے۔ یہاں میرا اشارہ ان نعت گو حضرات کی طرف ہے جو نعت گوئی کو ایک تقلیدی رسم تک محدود سمجھتے ہیں اور جن کے ہاں نعت کہنے میں حصول علم سے کہیں زیادہ مشق اور ریاضت کو دخل ہوتا ہے اسی بنیادی کمزوری کی بنا پر وہ خداشناسی، محبوب شناسی اور خود شناسی کے باہمی رشتوں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ ان کا تقلیدی جذبہ کم علمی کے باعث ایسے الفاظ کا سہارا لینے پر مجبور ہو جاتا ہے جو جذبے کو سہارا دینے کی قوت نہیں رکھتے اور اس طرح ان کے اشعار تاثیر کے معاملے میں گنگ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ دیکھنا علوم و فنون کے باکمالوں ہی کا کام ہے کہ لفظ کا ظرف کتنا ہے اور وہ فکر کو کس حد تک قبول کرنے کا متحمل ہے۔ رضا بریلوی چونکہ علوم و فنون کے سمندروں سے گذر کر نعت گوئی کے پلصراط پر قدم رکھتے ہیں اسی لیے ان کا فکری شعور نازک سے نازک اور شدید سے شدید جذبے کو الفاظ کے ظرف میں اتارنے کے ہنر سے پوری طرح واقف ہے۔ ان کے جذبے کی بے ساختگی لفظوں کے تعاقب میں نہیں پھرتی۔ الفاظ خود بڑھ کر اس جذبے کو اپنی آغوش میں لے کر ان کے فکری عمل کو فنی عمل سے ہمکنار کر دیتے۔ رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری جذبے کی پختگی کے علاوہ ایسی بے شمار فنی خوبیوں کی حامل ہے جن کی مثال اُس دور کے شعراء میں بہت کم ملتی ہے۔ ذیل کے شعر کی جذباتی فکری اور فنی حیثیت پر غور کیجئے ایسی سنگلاخ اور سخت زمین میں اُن کی فکر رسا نے جدت وندرت کے کتنے گوشے نکالے ہیں ؎

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی، نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعتِ نبی لکھنے کو روح قدس سے ایسی شاخ

روح القدس سے طوبیٰ کی سب سے اونچی، نازک اور سیدھی شاخ مانگنے اور اس کا قلم بنا کر نعتِ نبی لکھنے کی تمنا ان کی نازک خیالی، تنوع اور ندرتِ فکر کا پتہ

دیتی ہے۔ اسی سلسلے کا ایک اور شعر طالب توجہ ہے ؎

ظاہر و باطن، اوّل و آخر، زیب فروع و زین اصول
باغ رسالت میں ہے تو ہی گُل، غنچہ، جڑ، پتّی، شاخ

یہاں فروع، اصول، اوّل و آخر اور ظاہر و باطن کہہ کر اس سے پھول، غنچہ، جڑ، پتّی اور شاخ کا ثبوت فراہم کرنا ابداع و اختراع سخن کا بڑا جامع نمونہ ہے۔

ایک دوسری زمین میں اُن کی جودت طبع کی رنگینی و تازہ کاری ملاحظہ ہو ؎

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

قامت محبوب خدا کی اس سے بہتر اور کیا تصویر کھینچی جا سکتی ہے۔ تشبیہ کی ندرت و پاکیزگی، فکر کی معانی آفرینی، الفاظ کا انتخاب، اظہار کی معصومیت، سب کے سب وصف ایک مطلع میں جمع ہو گئے ہیں۔ یہ منزل سخن باکمالوں ہی سے سر ہوتی ہے۔ دوسرا مطلع بھی قابل غور ہے ؎

صدقے میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دل کو بھی تو ایماء ہو کہ بن پھول

دونوں مصرعوں میں بن پھول کی تکرار الفاظ کی یکسانیت کے باوجود مفہوم و معانی کا کتنا فاصلہ رکھتی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں "جذبے کو فن بنانے کا ہنر" اسی زمین میں ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخنِ پا کا
اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول

یہاں ناخنِ پا اور مہِ نو کی نسبت کے علاوہ پھول کا لفظ اپنا کچھ اور ہی رنگ و روپ رکھتا ہے۔ نازک خیالی اپنے عروج و کمال کو چھو رہی ہے۔ مقطع کا بانکپن بھی دیکھئے ؎

کیا بات رضا اس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

غالب اپنی مشکل پسندی کی آسانی کے لیے کیسی سنگلاخ، دشوار طلب اور عجیب عجیب زمینیں تراشتا ہے۔ ان زمینوں میں شعر کہنے کو کلیجہ چاہیئے پھر اس میں انفرادی اور امتیازی حیثیت کو قائم رکھنا آسان بات نہیں لیکن رضا بریلوی ایسی ایسی بہت سی زمینوں سے عقیدت و محبت رسول کے پھول برساتے اتنی سبک رفتاری کے ساتھ گذر جاتے ہیں کہ اہلِ فن دیکھتے رہ جاتے ہیں ؎

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفےٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

شبِ معراج کے واقعے کو دو مصرعوں کے قالب میں اس طرح سمونا کہ الفاظ مفہوم کا آئینہ بن جائیں غیر معمولی اندازِ بیان ہے "کیف کے پر جلنا" میں جو اچھوتا پن ہے اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

علماء مجتہدین اور بحر العلوم قسم کے لوگوں کی شاعری میں موٹے موٹے اور ثقیل الفاظ کی بھرمار، شعر کے الفاظ تلے دب جانے اور محاسن شعری کے فقدان کی روایت عام ہے اور بعض مواقع پر اس کی صداقت ثابت بھی ہو جاتی ہے لیکن رضا بریلوی کی کاوش اس روایت کی نفی کرتی ہے۔ ذیل کے شعر میں ان کا روئے سخن اسی طرف ہے۔

جو کہے "شعر و پاسِ شرع" دونوں کا حُسن کیونکر آئے
لا اسے پیشِ جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

غالب کی مشہور غزل کا مصرع ہے۔

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

ذرا اس میں بھی حضرت رضا کی مشاقی ملاحظہ ہو ؎

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

غالب نے تو پاسبانِ عقل کو دل کے پاس رکھنے کا مشورہ دے کر ایک چونکا دینے

والی بات کہی تھی مگر حضرت بریلوی نے "دل کو جو عقل دے خدا" کہہ کر اس خیال کو اور آگے بڑھا دیا ہے۔ اسی زمین میں یہ شعر پڑھئے اور وجد کیجئے ؎

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا نازِ دوا اٹھائے کیوں

" نازِ دوا اٹھائے کیوں" کا ٹکڑا کیفیت عشق کے عمق کو ظاہر کر رہا ہے۔ ایک اور سخت زمین کو کس طرح پانی کیا ہے ملاحظہ ہو ؎

رخ دن ہے یا مہر سما' یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شبِ زلف یا مشکِ ختا' یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
خورشید تھا کس زور پر کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

آخری شعر کے الفاظ پر نظر جمائیے "یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں" کا انداز قیامت ہے۔ اس زمین کی مشکل کو کس آسانی کے ساتھ حل کیا ہے قابلِ دید ہے۔

ہے دمِ عیسٰی سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

اگر کسی شاعر سے کہا جائے کہ "مقالی ہاتھ میں" نظم کرو تو وہ ہکا بکا رہ جائے گا۔ مگر ایک نعت گو شاعر (جناب رضا بریلوی) اسے اس سادگی اور پُرکاری کے ساتھ الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں کہ وجدان عش عش کرنے لگتا ہے۔ تسلسل کی دوسری کڑی ملاحظہ کیجئے ؎

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

مالکِ کونین' پاس کچھ رکھتے نہیں' کی گہرائی' دو جہاں کی نعمتیں' اور" ان کے خالی ہاتھ میں" کس کس ٹکڑے کی داد دی جائے اور کس کس لفظ کو خراج تحسین

پیش کیا جائے اور اس کیفیتِ عشق کا تو جواب ہی نہیں ہے

آہ وہ عالم کہ آنکھیں بند اور لب پر درود
وقفِ سنگِ در جبیں روضے کی جالی ہاتھ میں

اللہ اللہ کیا منظر کشی ہے، کیا جذب و مستی ہے، کیا گم شدگی ہے اس سادہ سے شعر میں۔ فکر و نظر کی ہزار وارداتیں تڑپتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

اس زمین نعت کے گل بوٹے بھی آپ کی توجہ کا دامن کھینچتے ہیں ؎

پھر اٹھا ولولۂ یادِ مغیلانِ عرب
پھر کھنچا دامنِ دل سوئے بیابانِ عرب
تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عرب
تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزارانِ عرب

"بے دام کے بندے" اور "بے دام کے بندی" (قیدی) نے شعر میں کیسی فنی لطافت پیدا کر دی ہے۔

ہشت خلد آئیں وہاں کسبِ لطافت کو رضاؔ
چار دن برسے جہاں ابرِ بہارانِ عرب

"ابرِ بہارانِ عرب" کے چار دن برسنے میں وہ کیف و رنگینی، تازگی اور زندگی ہے کہ ہشت خلد بھی ان سے کسبِ لطافت کے لیے آتے ہیں۔ کیا پاکیزہ خیال ہے، سبحان اللہ سبحان اللہ۔

ندرت بیان کا ایک اور شاہکار دیکھئے۔ یہ شعر بحر کی روانی، الفاظ کے در و بست، فکر کی گہرائی اور تنوع کے اعتبار سے بڑے سے بڑے ادب کے مقابل رکھے جا سکتے ہیں۔

ہے کلامِ الٰہی میں شمس و ضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم

ترا مسند ناز ہے عرش بریں، ترا محرم راز ہے روح امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

کیسی کیسی پاکیزہ اور سراپا نور و نکہت قسمیں کھائی جارہی ہیں۔ ذرا ان کے زاویوں پر غور کیجئے ہر لفظ سے خوشبو کے فوارے چھوٹ رہے ہیں ؎

کیا ٹھیک ہو رخِ نبوی پر مثالِ گُل
پامالِ جلوۂ کفِ پا ہے جمالِ گُل

رنگ مژہ سے کرکے خجل یادشاہ میں
کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطرِ جمالِ گل

پہلے مطلع میں شاعر خیال کرتا ہے کہ رخِ نبوی کو پھول سے تشبیہہ دی جائے پھر اسے فوراً ہی خیال آتا ہے کہ پھول کا جمال تو ان کے جلوۂ کفِ پا سے پامال ہے۔ ایسی صورت میں اس مثال کا جچاؤ بھرپور نہیں معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے شعر میں مژہ پر ابھرتے ہوئے اشکوں کو عطرِ جمال گل کہا اور مژہ کو کانٹے سے نسبت دینا بڑی نازک بات ہے۔

یہ شعر بھی دیکھئے ؎

حرزِ جاں ذکرِ شفاعت کیجئے
نار سے بچنے کی صورت کیجئے
ان کے نقشِ پا پہ غیرت کیجئے
آنکھ سے چھپ کر زیارت کیجئے

آنکھ سے چھپ کر زیارت کرنے میں جو جہانِ معنی پوشیدہ ہے اس کی کیا داد دی جائے ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

بات کس منطقی انداز سے کہی گئی ہے۔ دو عالم خدا کی رضا کے طالب ہیں اور خدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضا کا طالب۔ مفہوم یہ نکلا کہ سرکار کے بغیر کونین کی سرخروئی حاصل نہیں ہوسکتی۔ کتنی سادہ بات کیسے خوب صورت انداز میں کہہ دی گئی ہے ؎

قافلے نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی
مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی

قافلے کا دیارِ حبیب کی طرف چلنے کے لیے کمر کسنا اور ایک عاشقِ رسول کا ایسے موقع پر تنہارہ جانا کیا قیامت کا منظر ہے۔ ساتھ جانا اسی وقت ممکن ہے جب تنہائی کی مشکل آسان ہو۔ دیکھئے وہ مشکل کی آسانی کے لیے وہ کیسی تڑپ کے ساتھ التجا کرتے ہیں ع

مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی

اس التجا میں کتنی دردمندی آرزو اور حسرت کارفرما ہے۔ اس خوب صورت لہجے میں شاعرانہ حسن کے ساتھ انہوں نے اپنی دلی تمنا کا اظہار کیا ہے کہ جس کا ایک خاص اثر مرتب ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو حضرت امیر مینائی نے اپنے لہجے میں اس طرح ادا کیا ہے ؎

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے، یہ پہنچا، میں رہا جاتا ہوں

ان کے لہجے میں بھی کتنا درد اور کتنی معصومیت ہے۔ ان دونوں کو سامنے رکھئے "حسرت آتی ہے، یہ پہنچا، میں رہا جاتا ہوں" اور "مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی" اس میں اگرچہ دونوں لہجوں کی انفرادیت اپنی اپنی جگہ مسلم ہے مگر حضرت رضا بریلوی کے مصرعۂ ثانی کا تاثر امید و آرزو کے ساتھ شاید شاعرانہ اظہار کا بڑا نادر نمونہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

اس زمین میں دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

رونقِ بزمِ جہاں ہیں عاشقانِ سوختہ
کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبانِ سوختہ
برقِ انگشتِ نبی چمکی تھی اس پر ایک بار
آج تک ہے سینۂ مہ میں نشانِ سوختہ

پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں، شمع گویا اور زبان کی باہمی نسبت کتنا مزہ دے رہی ہے دوسرے شعر میں چاند کے اندر دھبّوں کو نشانِ سوختہ کہنا اور اس کا سبب برقِ انگشتِ نبی کے چمکنے کو قرار دینا کتنی نادر بات ہے اور علوئے فکر کی ایسی روشن مثال جس کا ادب و شعر میں جواب نہیں۔

حدائق بخشش کے اوراق عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمیق جذبے سے بھرے پڑے ہیں۔ وجدان مشکل میں ہے کہ کس شعر کا انتخاب کرے اور کسے چھوڑے۔ صفحات کی قلت اختصار کی متقاضی ہے اور ذوقِ سخن کا اصرار ہے کہ زیادہ سے زیادہ لکھا جائے۔ بہر حال چند اور شعر پیش کیے بغیر تشنگی رہے گی۔

یا الٰہی گرمیٔ محشر سے جب بھڑکے بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب بہیں آنکھیں "حسابِ جرم" میں
ان تبسّم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو

جس کے تلووں کا دھوَن ہے آبِ حیات
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی

سارے اچھوں سے اچھا سمجھئے جسے
ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبی

خامۂ قدرت کا حسن دستکاری واہ واہ
کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ واہ

اس نعت کی کیفیت میں بے خودی و سرشاری کے سینکڑوں سمندر موجیں مار رہے ہیں ؎

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہر یارِ ارم تاجدارِ حرم
نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

غالبؔ نے اپنی غزل کے ایک مصرعے میں "بھنوں" کا لفظ نظم کیا ہے جس پر اہلِ نظر نے بڑی ناک بھنو چڑھائی تھی۔ رضا بریلوی نے "بھنوں" کا لفظ ایک شعر میں استعمال کیا ہے۔ ذرا نعت میں اس لفظ کی پاکیزگی اور لطافت دیکھئے ؎

جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھنوں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

یہاں بھی دیکھئے کتنے پیارے اور محبت بھرے لہجے میں آقائے کونین سے مخاطبت ہے ؎

مصطفیٰ خیر الوریٰ ہو
سرورِ ہر دوسرا ہو
اپنے اچھوں کا تصدّق
ہم بدوں کو بھی نبا ہو

یہاں التجا کی دردمندی اور "نبا ہو" کی طرزِ ادا پر قربان جایئے۔ اسی طرح اس شعر کے تاثر کی بے پناہی کا انداز ملاحظہ طلب ہے ؎

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا
ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے

لفظ و معنیٰ کی ہم آہنگی "سستا سودا بیچنا" اور "ہاتھ بھی خالی ہے" کے ٹکڑے گویا

نگینے جڑ دیئے گئے ہیں۔ اپنی بے بضاعتی کی اس سے بہتر اور کیا منظر کشی ہو سکتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مصور کا قلم شاعر کے قلم کو سجدہ کرتا ہے۔ اپنی بے بضاعتی کے باوجود امید کا دامن ان کے ہاتھوں سے نہیں چھوٹتا۔ فرماتے ہیں ؎

رضا قسمت ہی کھل جائے جو گیلاں سے خطاب آئے
کہ تو ادنیٰ سگِ درگاہ خدام معالی ہے

پھر اس طرح اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں ؎

ایمان ہے قال مصطفائی
قرآن ہے حال مصطفائی
میری شب تار دن بنا دے
اے شمع جمال مصطفائی
کُل سے بالا، رُسل سے اعلیٰ
اجلال و جلال مصطفائی

اس شعر میں فکر کی صناعی نے معنی کا عجیب پیکر تراشا ہے ؎

ذرّے جھڑ کر تری پیزاروں کے
تاجِ سر بنتے ہیں سیّاروں کے

ان ذروں کا سیاروں کے سر کا تاج بننا جو حضور کی نعلین مبارک سے جھڑ کر گرے ہوں ندرتِ فکر کی ایسی مثال ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

روضۂ اطہر کی زیارت کے موقع پر بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں ؎

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
آبِ زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں
آؤ جودِ شہہ کوثر کا بھی دریا دیکھو

زیرِ میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے
ابرِ رحمت کا یہاں روز برسنا دیکھو

ایک دوسری جگہ دل کی آرزو کو کس خوب صورتی کے ساتھ الفاظ کے قالب میں ڈھالتے ہیں ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
'نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

انہیں یقین ہے کہ وہ جس در سے مانگ رہے ہیں وہ جود و عطا اور رحمت و کرم کا در ہے۔ یہاں "نہیں" کا لفظ سننے ہی میں نہیں آتا۔ دینے والا اتنا دیتا ہے کہ بقول بیدم شاہؔ وارثی سائل کو اپنے دامن کی کوتاہی کا شکوہ ہو جاتا ہے۔
ملاحظہ ہو یہ شعر ؎

دینے والے تجھے دینا ہو تو اتنا دیدے
کہ مجھے شکوۂ کوتاہیٔ داماں ہو جائے

حضرت رضا بریلوی " دینا ہو تو اتنا دیدے" کے قائل نہیں انھیں اعتماد ہے کہ خواہ وہ کچھ مانگ لیں اس در سے "نہیں" نہیں ہو سکتی۔
ذرا اس نعتیہ قصیدے کے مطلع سے بھی سماعت کو محظوظ کیجئے ؎

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

دریا کا پیاسوں کے تعاقب میں پھرنا رحمتِ سرکار دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے کتنا وسیع استعارہ ہے۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

کتنی بڑی بات کتنے اختصار کے ساتھ کہہ دی گئی ہے "محبوب محب" اور "میرا تیرا"

کی نسبتیں مفہوم و معانی کی کیا کیا منزلیں سر کر رہی ہیں۔ ایک اور گوشۂ فکر ملاحظہ ہو۔

کیا ہی ذوقِ افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ واہ

پہلے مصرعے میں "ذوق افزا" کا ٹکڑا معانی کے کتنے گوشوں پر محیط ہے۔ دوسرے مصرعے میں اسی بات کو گھما کر تازہ کاری اور تنوع پیدا کرنے کا فن کارفرما ہے۔ جو حضرت رضا بریلوی کے مزاجِ عشق کا حصّہ ہے۔ پرہیزگاری کا قرض کے طور پر گناہ حاصل کرنا محض اس لیے کہ شفاعت کا موقع ہاتھ سے نہ جانے پائے کتنا وجد آور اور اچھوتا خیال ہے۔

اعلیٰحضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کو اپنی اس حیثیت پر ناز ہے کہ وہ شہِ گردوں جناب کی بارگاہ کا ایک ذرّہ ہیں اور اس نسبت سے وہ خود کو رشکِ قمر اور رنگِ رخِ آفتاب کہنے میں حق بجانب ہیں ؎

رشکِ قمر ہوں رنگِ رُخِ آفتاب ہوں
ذرّہ جو تیرا اے شہِ گردوں جناب ہوں

ذرّہ ذرّہ ہے، آفتاب نہیں، اس کی صفت یہی ہے کہ وہ آفتاب کی نسبت سے اس کے رنگ کا پرتو اور مظہر ہے لیکن اس ذرے کا کیا پوچھنا جس پر چاند رشک کرے اور جسے آفتاب اپنے رنگِ رخ سے نوازے۔

نعت گوئی میں احترام کی حدود کا عرفان اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جب آدمی صاحبِ دل، صاحبِ نظر، پاک باطن، اہلِ خبر اور اہلِ کمال ہو ورنہ وہ آفتاب اور رنگِ رخِ آفتاب کے بنیادی فرق اور اس کی نوعیت و نزاکت میں تمیز نہیں کر سکتا۔

عام طور پر شعراء کے نزدیک تمام اصنافِ سخن میں غزل کو اظہار کا بہترین وسیلہ گردانا جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ غزل باریک جذباتِ عشق کو اپنے اندر سمونے اور اظہار کے رنگا رنگ زاویے تراشنے میں بڑا مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔ بات اس حسن سے کہی جائے کہ سننے والا پھڑک کر اسے اپنے دل کی بات سمجھ لے۔ یہ ہے غزل کا بنیادی وصف۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ

بے شمار صوفیۂ عظام، شعرا اور فقرا اور اہل تصوف نے اپنی بات کو دل میں اتارنے کے لیے غزل ہی کا انتخاب کیا ہے۔ میرے ذہن میں مدتوں سے ایک شعر چھپایا ہوا تھا ؂

تیرے آنے کا انتظار رہا
عمر بھر موسمِ بہار رہا

اسی بحر اور قوافی میں جب حضرت رضاؔ بریلوی کا یہ شعر میری نظر سے گذرا تو میں چونک گیا۔ آپ بھی سنیئے اور محسوسات و لطافتِ شعر کی داد دیجئے ؂

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

ان کے سوئے لالہ زار خرام فرمانے سے بہار کا دن پھر جانا ذہنی بوقلمونی کی کیا نادر مثال ہے۔ محاورے کا برمحل استعمال۔ اظہار کی لذّت اور فکر کی پاکیزگی نے رنگ ونکہت کا ایک ایسا آمیزہ تیار کیا ہے جس کے ذائقے کو آنکھوں ہی سے چکھا جا سکتا ہے۔

شہنشاہِ عرب و عجم کے حضور حضرت رضا بریلوی کی فریاد کی لَے مختلف لباس بدلتی اور اظہار کے پیکر تراشتی اس منزل تک آجاتی ہے ؂

غم ہو گئے بے شمار آقا
بندہ ترے نثار آقا
مجھ سا کوئی غمزدہ نہ ہوگا
تم سا نہیں غمگسار آقا

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیّدِ عالم
اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا
ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضاؔ جس پہ مدینہ ہے ہمارا

یہاں خاک کے مختلف پیمانے ملاحظہ کیئے جا سکتے ہیں ؎

جلتی تھی زمین کیسی ، تھی دھوپ کڑی کیسی
لو! وہ قدِ بے سایہ اب سایہ کناں آیا

یہاں کڑی دھوپ میں اس قدِ بے سایہ کا سایہ کناں آنا اتنی خوبصورت منظر نگاری ہے جس پر وجد کرنے کو جی چاہتا ہے۔

جناب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ حضورِ آقائے مدینہ کی بارگاہ میں حاضری دینے کو کس ذوق وشوق سے جاتے ہیں مگر وہاں سے واپسی پران کا جو حال ہوتا ہے وہ انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے ؎

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن وجاں ہمکو
پھر دکھادے وہ رخ اے مہرِ فروزاں ہمکو
میرے ہر زخم جگر سے یہ نکلتی ہے صدا
اے ملیحِ عربی! کردے نمکداں ہمکو

ملیحِ عربی کی ترکیب پر جتنی بار صلِّ علیٰ پڑھا جائے کم ہے۔ ملاحت کا ذکر آیا ہے تو بیدم وارثی کا یہ شعر بھی سن لیجئے ؎

او نمک پاش تجھے اپنی ملاحت کی قسم
بات تو جب ہے کہ ہر زخم نمکداں ہوجائے

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل میں اپنا مقام خوب جانتے ہیں۔ انہیں اپنے جذبۂ عشق پر اعتماد ہے۔ اس اعتماد کو وہ مختلف انداز میں شعر کا لباس پہناتے رہتے ہیں ؎

اے رضا وصفِ رُخِ پاک سنانے کے لئے
نذر دیتے ہیں چمن مُرغِ غزل خواں ہمکو

اے رضا جانِ عنادل ترے نغموں پہ نثار
بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وہ منقار ہے

خوف نہ رکھ رضا ذرا، تو تو ہے عبدِ مصطفےٰ
تیرے لیے امان ہے، تیرے لیے امان ہے

احکامِ شریعت کی سختی سے پیروی، علماء کے بعض مکاتب فکر میں حضرت رضا بریلوی کو سخت گیر کے روپ میں پیش کرتی ہے لیکن ان کے علمی تبحر اور شاعرانہ کمال سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے

آتے رہے انبیاء کما قیل لھم
والخاتم حقکم کہ خاتم ہوئے تم
یعنی جو ہوا دفترِ تنزیل تمام
آخر میں ہوئی مہر کہ اکملت لکم

بکارِ خویش حیرانم، اغثنی یا رسول اللہ
پریشانم پریشانم، اغثنی یا رسول اللہ
شہا بیکس نوازی کن، طبیبا چارہ سازی کن
مریضِ دردِ عصیانم، اغثنی یا رسول اللہ

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان، وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

اس رباعی کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انسانی شرف و برتری کا نقشہ کتنے معتبر انداز میں کھینچا ہے۔ مفہوم کی بلاغت، بیان کی لطافت کس کس ہنر کو سراہا جائے۔ بے ساختہ مرحبا صلِّ علیٰ کے الفاظ زبان پر آتے ہیں۔ پہلے یہ کہا گیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سرتا بقدم اللہ کی شان ہیں۔ پھر یہ بتایا گیا کہ یہ انسانی لباس میں ہیں لیکن ایسے انسان ہیں جن کی مثال تمام عالم انسانیت میں نہیں ملتی۔ پھر یہ بتایا گیا کہ یہ وہ انسان ہیں جنھیں قرآن ایمان بتاتا ہے۔ پھر چوتھے مصرعے میں ؎

ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

کہہ کر مفہوم کو فصاحت و بلاغت کے نقطۂ عروج پر پہنچا دیا گیا ہے۔

ذرا فارسی میں مانگنے کا لب و لہجہ اور آرزو کی تڑپ کا منظر ملاحظہ کیجئے۔ قربان اس آرزو کے ؎

امتانِ و سیاہ کاری ھا
شافعِ حشر غم گساری ھا
سگِ کوئے نبی و یک نگہے
من و تا حشر جاں نثاری ھا

اردو میں اندازِ طلب کی معصومیت دیکھئے ؎

یا الٰہی جب رضاؔ خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدار عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

رباعی، قطعات، قصائد، غزلیں "حدائقِ بخشش" میں ایک سے ایک انمول موتی موجود ہے۔ افسوس کہ ہمارے ملک کے بعض "یک رخے" ناقدین نے تصویر کا یہ رخ دیکھنے کی زحمت ہی گوارہ نہ فرمائی ورنہ رضاؔ بریلوی کا کارنامہ نعت

گوئی ان کے دوسرے علوم و فنون کی طرح کب کا عوام کے سامنے آچکا ہوتا۔

میں نے اپنے مضمون میں اگرچہ ان کی نعت گوئی کا مقدور بھر جائزہ پیش کیا ہے پھر بھی وقت کی کمی نے بہت سے گوشوں سے نقاب نہیں اٹھانے دیا۔ ہاں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ میرا یہ مضمون رضا دوستوں، نقادوں اور اہلِ انصاف کے لیے ایک تحریک کی حیثیت ضرور رکھتا ہے۔ اگر عشق سچا اور طلب صادق ہو تو تلوار کی دھار سے بھی انتہائی توازن اور سبک گامی کے ساتھ گذرا جا سکتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے اس منزل سے گذر کر ثابت کر دیا ہے کہ وہ بڑے بڑے نعت گو حضرات کے درمیان اپنی ایک منفرد و ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

(بشکریہ سہ ماہی الکوثر، سہسرام)

امام احمد رضا کی اردو نعت گوئی

ڈاکٹر ریاض مجید، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد

مولانا احمد رضا خان بریلوی (۱۳۴۰ھ) برصغیر کے معروف عالم دین ہیں، محسن کاکوروی کے بعد اردو کے دوسرے بڑے نعت گو ہیں جنہوں نے اپنے شغف نعت اور اجتہادی صلاحیت سے اردو نعت کی ترویج و ارتقاء میں تاریخ ساز کام کیا۔ اردو نعت کی تاریخ میں اگر کسی فردِ واحد نے شعرائے نعت پر سب سے گہرے اثرات مرتسم کئے ہوں تو وہ بلاشبہ مولانا احمد رضا خان کی ذات ہے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ خود نعت میں وقیع شاعری کی بلکہ اپنے ہم مسلک شاعروں، خلفاء اور تلامذہ میں نعت گوئی کو ایک تحریک کی شکل دی۔ اردو نعت میں بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں شاعروں کے ذوقِ نعت کو جلا مولانا ہی کی نعت گوئی سے ملی۔

"حدائقِ بخشش" مولانا احمد رضا خاں کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے اس کے مطالعہ سے سب سے پہلا تاثر جو قاری کے ذہن پر مرتسم ہوتا ہے وہ مولانا کے تبحرِ علمی کا ہے۔ مولانا اردو نعت کی تاریخ میں واحد شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے وسیع مطالعے کو پوری طرح اپنے فن نعت میں برتا۔ انہوں نے نعتیہ مضامین کے بیان میں قرآن و حدیث سے لے کر منطق و ریاضی، ہیئت و نجوم، ہندسہ و مابعد الطبیعیات وغیرہ علوم و فنون کی مختلف اصطلاحوں کو نہایت سلیقے سے برتا۔

یہ ان کا کمال فن ہے کہ ان کی نعتوں میں مختلف علمی و فنی اصطلاحات و حوالہ جات سطح پر تیرتے پھرتے نظر نہیں آتے۔ انہوں نے اپنے وسیع مطالعہ کو تخلیقی انداز میں اپنی نعت گوئی کا جزو بنا لیا ہے اور ان کی نعت میں ان کا تبحر علمی خارج ہونے کی بجائے ترسیلِ فکر میں

عکاثابت ہوتی ہے۔ نعتیہ مضامین کے اظہار میں انہوں نے مختلف علوم وفنون کو سموکر جہاں اپنی نعت گوئی کو وقیع بنایا ہے وہاں اردو نعت کے علمی وفکری دائرے کو بھی وسیع کیا ہے۔

تبحر علمی کے شانہ بشانہ مولانا کے نعتیہ کلام میں ملنے والی دوسری خصوصیات ان کا زور بیان ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ شاعری میں اصطلاحات اور علمی حوالوں کا کثرت استعمال اظہار میں رکاوٹ پیدا کر کے فن پارے کے فطری بہاؤ کو مدھم کر دیتا ہے۔ مگر مولانا کی نعت گوئی میں اظہار کسی ایسی وقت یا مشکل سے دوچار نظر نہیں آتا۔ مولانا کی نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی وعقیدت اور صاحب موضوع سے شیفتگی ومحبت کی شدت کی جولانی ان کے کلام میں شروع سے آخر تک یکساں اور موثر انداز میں جاری وساری نظر آتی ہے، تبحر علمی، زور بیان اور وابستگی وعقیدت کے عناصر ان کی نعت میں یوں گھل مل اور رچ بس گئے ہیں کہ اردو نعت میں یوں گھل ایسا خوشگوار امتزاج کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا۔

ذیل میں ان کی نعتوں سے چند متفرق (۱) شعر پیش کئے جاتے ہیں جن سے مولانا احمد رضا خاں کی غیر معمولی ذہانت اور تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان اشعار میں انہوں نے جن اصطلاحات وحوالہ جات کو برتا ہے ان علوم وفنون اور حوالہ جات کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

ایسا امی کس لئے منت کش استاذ ہو
کیا کفایت اس کو اقرا وربک الاکرم نہیں
______ (قرآن، سورۃ علق)

لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
______ (قرآن، سورۃ القدر)

من زار تربتی وجبت لہ شفاعتی
ان پر درود جن سے نوید اس بشر کی ہے
______ (الحدیث)

مولانا نے بعض جگہ قرآن مجید اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کے حوالوں کو ایک ہی شعر اور کہیں کہیں ایک ہی مصرعہ میں یکجا کر دیا ہے۔ مثلاً یہ شعر دیکھئے:

ان پر کتاب اتری بیانا لکل شئی
تفصیل جس میں ما عبر و ما غبر کی ہے

——— (قرآن ۔ حدیث)

معنی قد رائی مقصد ما طغٰے!
نرگس باغ قدرت پہ لاکھوں سلام

——— (قرآن ۔ حدیث)

مولانا کے کلام میں اس قبیل کی بیسیوں نہیں سینکڑوں مثالیں نظر آتی ہیں۔ بعض نعتوں میں تو ایسے حوالے تسلسل سے نظر آتے ہیں جو ان کی قرآن و حدیث پر گہری نظر کے ساتھ ساتھ ان کی شعری استعداد اور مہارت کا ثبوت ہیں۔ مولانا کے انداز بیاں اور ذوق نعت گوئی کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی نعت کی تزئین کے لئے قرآن و احادیث کے حوالے محض قصیداً ہی نہیں دیئے بلکہ ان کے استعمال میں ایک تحقیقی شعور کار فرما ہے۔ قرآن و احادیث کا مطالعہ کرنے اور شعری باریکیوں کو سمجھنے والے جس طرح ان مقامات سے حظ اٹھا سکتے ہیں ایک قاری نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبت کے سبب ایسے اشعار سے ان کے دلوں میں بھی اہتزاز کی کیفیات پیدا ہو جائیں۔

قرآن و احادیث کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کے حوالے اور اصطلاحیں بھی ملاحظہ فرمائیں:

سعدین کا قران ہے پہلوئے ماہ میں
جھرمٹ کئے ہیں تارے تجلّی قمر کی ہے

(علم نجوم)

سراغ این و متی کہاں تھا نشان کیف و الیٰ کہاں تھا

نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

(مابعد الطبیعیات)

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل

کمانیں حیرت سے سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

(ہندسہ)

ذرے مہر قدس تک تیرے توسط سے گئے

حدِ اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا

(علم منطق)

وہ گراں سنگی قدر مس وہ ارزانی جود

نوعیہ بدلا کئے سنگ ہاتھ میں

(فلسفہ نظری)

ان مثالوں (۲) کے علاوہ مولانا کے کلام میں سینکڑوں ایسے مقامات ہیں جہاں مباحث دینی اور مصطلحات علمی کے حوالے، فلسفہ وہیئت، منطق و نجوم، ہندسہ و مابعد الطبیعیات اور معانی و نحو کی اصطلاحیں نظر آتی ہیں۔ نعت کے ذیل میں مصطلحات کا یہ استعمال مولانا کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نے اپنے عمیق مطالعے اور وسیع مشاہدے سے اخذ کردہ صلاحیت اور صفت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں استعمال کر دیا ہے۔ اگر ان کی نعت کا اس حوالے سے جائزہ لیا جائے تو ان کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شغف نعت کا ایک اور احسن پہلو ہمارے سامنے آتا ہے اور ان کی نعت ان کے تمام علمی، فقہی، مذہبی اور فنی تجربات و مشاہدات کا نچوڑ اور ان کے مطالعۂ ظاہری اور مشاہدۂ باطنی کا ماحصل نظر آتی ہے۔

دوسری خصوصیت نعت جس کا پہلے حوالہ دیا جا چکا۔ مولانا احمد رضا خاں کا زورِ بیان ہے۔ مولانا کی نعتوں (خصوصاً سلام مشتمل بر سراپائے اطہر در تہنیت شادی اسری اور درودیہ) میں

قصیدوں کا سا شکوہ مگر مثنوی کی سی روانی ہے۔ علمی وجاہت کے ساتھ ربط و تسلسل کا التزام ان طویل نعتوں کی خوبی ہے۔

قصیدہ سلامیہ اردو زبان کا سب سے مقبول قصیدہ ہے۔ یہ ۱۶۷۔ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے چند مشہور شعر درج ذیل ہیں:

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی
ان بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پہ درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام
جن کے آگے چراغِ قمر جھلملائے
ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام
ریش خوش معتدل، مرہم ریش دل
ہالۂ ماہ ندرت پہ لاکھوں سلام
پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام (۳)

اس سلام میں سراپائے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تحسین درود کے ساتھ ایک منفرد انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ نہ صرف مولانا کے نعتیہ کلام بلکہ اردو نعت میں اس سلام کو بہت

شہرت نصیب ہوئی۔ نعت و میلاد کی مجلسوں کے علاوہ مساجد میں خصوصاً جمعہ کی نماز کے بعد اس سلام کو اجتماعی شکل میں پڑھا جاتا ہے۔ اس کے پڑھنے کا ایک خاص لحن اور آہنگ ہے جو کیف و تاثیر کا حامل ہے۔ کئی نعت گو شعراء نے اس سلام کی تقلید میں نعتیہ سلام لکھے۔ بعض شاعروں نے قافیہ میں تبدیلی کے ساتھ سلام کہا۔ اس سلام کی تضمین میں خمسے بھی لکھے گئے۔ (۴) اس سلام میں سراپائے سرورِ عالم صلی اللہ وسلم کی نعت کا ایک منفرد انداز ملتا ہے۔ سراپائے اطہر کے ساتھ ساتھ اوصاف و صفات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے۔ شاعر نے بنی نوع انسان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات کو بھی سلام کا حصّہ بنالیا ہے۔ آخر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی منقبت کا عنصر بھی شامل سلام ہے۔ یوسف سلیم چشتی اس قصیدے کی شہرت و مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

" اسے یقیناً اشرف قبولیت حاصل ہوگیا کیونکہ ہند و پاک میں شاید ہی کوئی عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہوگا جس نے اس کے دو چار شعر حفظ نہ کر لئے ہوں " (۵)

قصیدہ معراجیہ مولانا کا دوسرا مشہور قصیدہ ہے جو تہنیت شادی اسریٰ کے عنوان سے موسوم ہے۔ یہ نظم "مستزاد" طویل اور مترنم بحر میں ہے۔ چند شعر درج ذیل ہیں : (۶)

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے
وہاں فلک پر، یہاں زمیں پر رچی تھی شادی، مچی تھی دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے ادھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے
یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رُخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی، جگہ جگہ نصب آئینے تھے
خدا ہی دے صبر، جان پر غم دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم
جب ان کو جھرمٹ میں لیکے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے
وہی تو اب تک جھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے

نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لئے تھے
براق کے نقش سم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن، مہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

یہ قصیدہ ۶۷۔ اشعار پر مشتمل ہے۔ شروع سے آخر تک یہی زور بیان اور تسلسل ہے۔ معراج کی مناسبت سے قصیدے کی پوری فضا رنگ و نور میں ڈوبی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے الفاظ کے انتخاب اور تشبیہہ و استعارہ میں خوشی کے عنصر کو ملحوظ رکھا ہے۔ بحر کا ترنم اور نشاطیہ آہنگ اس پر مستزاد ہے۔ اس معراجیہ نظم میں اشارہ کنایہ سے موضوع کی اس خوبصورتی سے ترجمانی کی گئی ہے کہ مولانا کی شعری استعداد کا اندازہ ہوتا ہے۔ خصوصاً قرب الٰہی کی کیفیت اس کیفیت کا عالم محسوسات سے ورا ہونا اور اعراض یعنی این متی، کیف و کم کا اس عالم قرب میں گم ہونا زمان و مکان اور ابتدا و انتہا نیز اطراف و حدود کے تعینات سے در معراج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت و مشاہدہ کا اظہار مولانا نے جس ایمان و کنایہ سے کیا ہے وہ ان کی معجز بیانی کا شاہکار ہے۔

مولانا کا تیسرا مشہور قصیدہ درودیہ (۷) ہے۔ یہ قصیدہ مولانا کے مشہور سلامیہ قصیدے کی بحر میں ہے۔ قافیہ و ردیف میں تصرف کے باوصف اس کی مجموعی فضا بھی قصیدہ سلامیہ ہی کی سی ہے۔ یہ قصیدہ ۵۹۔ اشعار پر مشتمل ہے۔ چند شعر دیکھئے:

کعبے کے بدر الدجے تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحٰے تم پہ کروڑوں درود
جان و دل اصفیا تم پہ کروڑوں درود
آب و گل انبیاء تم پہ کروڑوں درود
تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات
اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروڑوں درود
کر کے تمہارے گناہ، مانگیں تمہاری پناہ
تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

ذات ہوئی انتخاب، وصف ہوئے لاجواب
نام ہوا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تم پہ کروڑوں درود

تم سے کھلا باب جود تم سے ہے سب کا وجود
تم سے ہے سب کی بقا تم پہ کروڑوں درود

خلق تمہاری جلیل، خلق تمہارا جمیل
خلق تمہاری گدا تم پہ کروڑوں درود

اس قصیدے سے اور خوبیوں کے علاوہ ایک خاص صفت کا التزام کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر مصرع کا آخری حرف، حروف تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے لایا گیا ہے۔ یہ صنعت شاید ہی کسی اور شاعر نے اپنی نظم میں برتی ہو نیز یہ پورا اسلام صنعت لزوم مالا یلزم اور اس کا مصرع اول صنعت ذوقافیتین میں ہے۔ حروف ہجا کی قید کے ساتھ ذوقافیتین مصرع کہنا اردو نعت میں پہلی مثال ہے۔

مولانا کا کمال فن یہ ہے کہ اس صنعت گری میں تخلیق کا رنگ جھلکتا ہے اور کہیں آورد یا تصنع کا گمان نہیں ہوتا۔ درود کے ساتھ ساتھ اس نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع الصفات ہستی کے مختلف پہلوؤں کی تعریف کا بیان ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و برکات کا تذکرہ بھی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا بیان بھی ہے۔

ان نعتوں کے علاوہ مولانا نے متعدد طویل نعتیں لکھیں چونکہ وہ رسما شعر نہیں کہتے، جذبۂ دل کے ہاتھوں بے اختیار ہو کر کہتے ہیں اس لئے ان کی اکثر نعتیں طویل ہیں۔ ایک ایک نعت پندرہ پندرہ، بیس بیس، اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے باوجود کہیں زور بیان میں کمی یا ترسیل و اظہار میں لکنت کا احساس نہیں ہوتا۔

مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی داخلی کیفیات کے بیان اور اظہار شیفتگی کے باوصف

فنی شکوہ ـــــ سے عبارت ہے۔ ناقدین نے نعت میں مولانا کے جذبۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تو اکثر کیا ہے مگر ان کی نعت کے فنی محاسن شعری پختگی اور قادر الکلامی کا تذکرہ بہت کم ہوا ہے۔ حدائق بخشش کا جوہر اگرچہ مولانا کی داخلی کیفیات اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والہانہ پن ہی ہے لیکن اگر فنی محاسن و صفات کے نقطۂ نظر سے مولانا کی نعت گوئی کا تجزیہ کیا جائے تو ان کے تبحر علمی، شعری صلاحیت، تخلیقی استعداد، صنعت گری اور زور بیان کے متعدد نمونے ملتے ہیں جن کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے۔

۱۔ ان کی اکثر نعتیں طویل اور زور بیان کا نمونہ ہیں۔

۲۔ ان کی کئی نعتیں سنگلاخ زمینوں میں ہیں جن سے ان کی مشکل پسندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً یہ مطلع دیکھئے:

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں
رونق بزم جہاں ہیں عاشقان سوختہ
کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبان سوختہ

۳۔ ان کے ہاں صنائع بدائع کا استعمال بکثرت ملتا ہے مثلاً صنعت عزاشفقتین (یعنی کلام میں ایسے حروف لانا جن کے پڑھنے کے وقت ہونٹ آپس میں نہ ملیں) صنعت تجنیس، صنعت اقتباس، صنعت تنسیق الصفات (ممدوح کے متعدد صفات ایک یا دونوں مصرعوں میں پیش کرنا) صنعت تضاد کے علاوہ متعدد صفت و صنعتوں کا استعمال ہوا ہے۔ علم بیان و بدائع اور صنائع کی خوبیاں ان کے کلام میں جا بجا دیکھنے میں آتی ہیں جن میں تشبیہ، استعارہ، کنایہ، ایجاز، تلمیح، مجاز مرسل، لف ونشر، حسن تعلیل، مراعاۃ النظیر کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔

شمس بریلوی نے مولانا کی نعت گوئی کے خارجی محاسن کا ذکر کرتے ہوئے ان صنائع بدائع کا بطور خاص ذکر کیا ہے اور "حدائق بخشش" کے اشعار نعت سے اپنے موقف کی وضاحت کی ہے۔ (۸)

۴ ۔ مولانا کے ہاں عربی فارسی کے الفاظ اور مصرعے تو عام ہیں مگر ان کی قادر الکلامی کا اندازہ اس کثیر اللسان نعت سے ہوتا ہے جس میں عربی، فارسی، ہندی اور اردو زبانوں کے جملے استعمال ہوئے ہیں۔ اس کا مطلع درج ذیل ہے :

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

مختلف زبانوں کے باوجود یہ نعت، عوام میں بہت معروف و پسندیدہ ہے اور مجالس نعت و میلاد میں ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہے۔

۵ ۔ مولانا کے کلام میں محاورے بکثرت ملتے ہیں۔ ان کے قصیدہ نوریہ کا مطلع ہے :

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

اس ایک قصیدے میں بیسیوں محاورے استعمال ہوئے ہیں مثلاً باڑا بٹنا، توڑا ہونا، توڑا لینا، کلمہ پڑھنا، صدقہ لینا، سونا جڑنا، سہرا ماتھے پر رہنا، بخت جاگنا، ستارہ چمکنا، دن دونا ہونا، بول بالا ہونا، لہرا بجنا، کلیجا ٹھنڈا ہونا، مچلکا لکھ دینا، لو لگانا، ذرا سا منہ نکل آنا، چھینٹا پڑنا، آنکھیں مانگنا، ماتھے ٹیکا ہونا، آئینہ اندھا کرنا، گرمی کا جھلکالانا، دل کے کنول کھلنا، انھی قدموں پھرنا، اشاروں پہ چلنا، بے حکم پر مارنا، دو ورقہ لکھنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ (۹)

۶ ۔ مولانا کے ہاں شکوہ الفاظ و ترکیب اور صوتی ہم آہنگی کے نمونے ملتے ہیں۔ یہ شعر دیکھئے :

فرشتے خدم، رسول حشم، تمام امم، غلام کرم
وجود و عدم، حدوث و قدم جہاں میں عیاں تمہارے لئے
اصالت کل، امامت کل، سیادت کل، امارت کل
حکومت کل، ولایت کل، خدا کے یہاں تمہارے لئے

ایک بات جو مولانا کی نعت گوئی کے فنی محاسن کے ضمن میں کہنا ضروری ہے وہ ان کا تخلیقی استعمال ہے۔ مولانا کی نعت جن خارجی خوبیوں سے مزین ہے وہ کہیں بھی مولانا کے اظہار جذبات

یا ترسیل فکر میں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ ان کی صنعت گری اور پیکر آرائی نعت کے مضامین کو اور موثر انداز میں پیش کرتی ہے۔

مولانا احمد رضا رضا خان کی خصوصیات نعت اور فنی محاسن میں جو جوہر روح کی طرح جاری و ساری ہے وہ ان کا جذبۂ عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان کے مسلک سے اختلاف رکھنے والے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت و شیفتگی کے معترف ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام کی جان دراصل ان کا یہی سرمایہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ان کے لئے نعت گوئی شوق قافیہ پیمائی نہیں بلکہ روحانی واردات ہے۔ ان کی نعتوں میں ان کا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

پروفیسر محمد عبدالسمیع ضیاء چشتی مولانا احمد رضا خاں کی نعت کے اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حدائق بخشش کے معروضی طرزِ اظہار اور حضرت رضا بریلوی کے اندازِ شیفتگی کا انحصار شدت جذبۂ دل پر ہے۔ یہ اندازِ سخن نہ صرف فطری ہے بلکہ ابدی صداقتوں اور شعری کیفیتوں کا پیغامبر بھی۔ اس کا تاثر انفرادی اور مقامی نہیں بلکہ شدید اور ہمہ گیر نوعیت کا ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے محرکات و عوامل خارجی شواہد نہیں بلکہ داخلی کیفیات اور باطنی رجحانات پر مشتمل وہ جذبۂ صادق اور خلوص کامل ہے جو ایک شعلہ بداماں دل کے اندر موجود مصروف کار رہتا ہے۔ اس لئے وہ جذبۂ صادق و خلوص کامل قاری کے گوشہ جاں میں اپنی پوری صداقتوں کے ساتھ اتر جاتا ہے۔ (۱۰)

جذب و مستی کے عناصر یوں تو ہر بڑے نعت گو کے کلام میں نظر آتے ہیں لیکن مولانا کی نعت میں عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وارفتگی و شیفتگی بہت نمایاں ہے۔ ان کا سلیقہ نعت ان کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر ہے۔ حضور اکرم اور ان کے متعلقات (روضہ مبارک، مدینہ منورہ وغیرہ) کا ذکر آتے ہی ان کی آنکھیں چھلک پڑتی ہیں۔ سوز و درد اور جذب واثر میں ڈوبی ہوئی متعدد نعتوں میں سے چند کے مطلعے اور درج ذیل ہیں۔ ان نعتوں کی پوری

فضا محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار ہے۔ اخلاق و تاثیر کا یہی جوہر ان کی نعتوں کی شہرت کا سبب ہے۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبیؐ
سب سے بالا و والا ہمارا نبیؐ

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

مدینہ منورہ سے محبت عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی علامت ہے۔ مولانا کو مدینے سے جو محبت و وابستگی ہے وہ ان کی نعتوں سے جھلکتی ہے۔ خاک پائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خار طیبہ، سگان کوچہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم، غرض یہ کہ مدینہ منورہ کا ذرّہ ذرّہ ان کے لئے قبلۂ مراد ہے۔ درج ذیل شعر ملاحظہ ہوں:

اے خار طیبہ دیکھ کے دامن نہ بھیگ جائے

یوں دل میں آکہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو
ہاں ہاں رہ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے
خوف ہے شمع خراشی سگ طیبہ کا
ورنہ کیا یاد نہیں نالۂ و افغاں ہم کو
دل کے ٹکڑے نذر حاضر لائے ہیں
اے سگان کوچۂ دلدار ہم

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں (۱۱)

مدینہ کا والہانہ تذکرہ مولانا کی نعت کا ایک مستقل موضوع ہے اور ایک جداگانہ باب کا محتاج ہے۔ (۱۲) اختصار سے کام لیتے ہوئے یہاں صرف اس امر کی نشاندہی کی جاسکتی ہے کہ خاک مدینہ کی عظمت و توقیر ان کا جزو ایمان ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ مدینہ کی فضا اور اشیاء کا ذکر کرتے ہوئے خوشی اور محبت محسوس کرتے ہیں بلکہ وہ ان پر دل و جان سے فدائیت کا اظہار کرتے ہیں۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی فضا ان کے طویل سلاموں اور نعتوں میں بھی نظر آتی ہے جو بظاہر زور بیان، سراپا نگاری اور منظر نگاری کا نمونہ ہیں۔ جذبۂ دل کی بے ساختگی مولانا کے نعتیہ کلام سے پھوٹی پڑتی ہے۔ حسن و دلآویزی سوز و گداز اور اخلاص و شیفتگی کے عناصر نے ان کے نعتیہ اشعار کو کیف اور تاثیر کے اس مرتبہ پر پہنچا دیا ہے جہاں بہت کم نعت گو پہنچتے ہیں۔

اس وارفتگی و شیفتگی کے باوجود مولانا نے نعت گوئی میں آداب شرعیہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وفور عقیدت اور فرط محبت میں انہوں نے الوہیت

اور نبوت کے فرق کو گڈمڈ نہیں ہونے دیا۔ انہیں نعت گوئی کے فن کی باریکیوں کا پورا پورا احساس ہے۔ ایک جگہ خود کہتے ہیں :

"حقیقت میں نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے۔ جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔"

اپنی نعت گوئی میں آداب واحترام نعت کے اس پہلو کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتے ہیں :

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنتہ للّٰہ محفوظ

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے آداب شریعت ملحوظ (۱۳)

مولانا احمد رضا خاں اپنے بھائی حسن رضا اور مولانا کافی کا کلام اسی سبب پسند کرتے تھے کہ انہوں نے اپنی نعت گوئی میں آداب شریعت کا خاص خیال رکھا ہے۔ اس ضمن میں مولانا کے ملفوظات میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ کسی نے آپ کو نعت سنانا چاہی۔ آپ نے جواب میں فرمایا :

"سوا دو کے کلام کے کسی کا کلام میں قصداً نہیں سنتا۔ مولانا کافی اور حسن میاں مرحوم کا کلام اوّل سے آخر تک شریعت کے دائرہ میں ہے۔ باقی اکثر دیکھا گیا ہے کہ قدم ڈگمگا جاتا ہے (۱۴)"

مولانا کے سوانح میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں جہاں آپ نے آداب شریعت کو ملحوظ نہ رکھنے والے شعراء کی نعت گوئی کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اگر کوئی خیال یا لفظ

احترامِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور شانِ نعت کے منافی دیکھا تو اس کی اصلاح فرمائی۔ (۱۵)

نعت کے باب میں اگر مولانا احمد رضا خاں کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اردو نعت کی ترویج و اشاعت میں ان کا حصّہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی ایک شاعر نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی نے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کیں بلکہ ان کے زیرِ اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی۔ ان کی نعت گوئی کی مقبولیت اور شہرت نے دوسرے شاعروں کو نعت گوئی کی ترغیب دی عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے آج بھی ان کا کلام ایک موثر تحریک نعت کا درجہ رکھتا ہے۔

(بشکریہ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور)

حوالہ جات

۱۔ حدائق بخشش (احمد رضا بریلوی)

۲۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) میں مرتب نے تفصیل سے مولانا کے کلام کے فکری و فنی پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ یہ مثالیں اسی کلام سے لی گئی ہیں۔

۳۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) ص ۴۳۲، ۴۵۳۔

۴۔ مولانا کے نعتیہ سلام میں بھی مشہور نعت گو مولانا کفایت علی کافی کے سلام کا رنگ جھلکتا ہے۔ کافی نے بھی سلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا بیان کیا ہے۔ چند شعر دیکھیں۔

خاص محبوب خدا ختمِ رسالت پر سلام
عین رحمت شافع روزِ قیامت پر سلام
مبتدا اصلی علیٰ چین جبین با صفا
نور کی دریائے امواج لطافت پر سلام
مصحف رخسار حضرت مظہر انوار غیب
روئے قدسی مطلع صبح صداقت پر سلام

(دیوان کافی ۔ ص ۳۲)

قافیہ اور موضوع کی یکسانیت کے باوجود کافی اور مولانا کے سلام میں بہت فرق ہے ۔ مولانا احمد رضا کا سلام زیادہ تفصیلی موثر اور شعری وفنی محاسن وصنائع سے لبریز ہے ۔

۵۔۔۔ نوائے وقت لاہور ۲۲ نومبر ۷۳ء

۶۔۔۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) ص ۴۱۲ ۔ ۴۲۰

۷۔۔۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) ص ۴۲۴ ۔ ۴۳۲

۸ ۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) ص ۱۲۱ ۔ ۱۹۱

۹۔۔۔ اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشفاق) ۳۸۲

۱۰۔۔۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی)

۱۱۔۔۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) مختلف صفحات

۱۲۔۔۔ اس موضوع پر "اعلیٰ حضرت مدینے کی گلیوں میں" کے عنوان سے اقبال فاروقی نے ایک مضمون لکھا ہے جو ماہنامہ ضیائے حرم لاہور شمارہ مارچ (۱۹۷۳ء) میں ص ۶۰ ۔ ۶۵) پر شائع ہوا ہے ۔

۱۳۔۔۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) ص ۴۵۷

۱۴۔۔۔ ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی (حصہ دوم) ص ۴۸ ۔ ۴۹ (حاشیہ نمبر ۱ والا اقتباس میں اس واقعہ کے ضمن میں آیا ہے ۔)

۱۵۔۔۔ امام نعت گویاں، مولانا اختر الحامدی نے "مولانا رضا کی نعت گوئی اور پاس شریعت" کے عنوان سے جو ذیلی باب لکھا ہے ۔ اس میں اس طرح کے کئی واقعات درج ہیں ۔

فقہی عبارات پر امام احمد رضا کا کلام اور ان کی تحقیق و تنقیح

از۔ آلِ مصطفےٰ مصباحی، کٹیہاری
جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

دورِ متاخرین میں جن حضرات نے فقہِ حنفی کی نشر واشاعت ـــ اور ـــ اسلامی فکر کی ترویج و تحفّظ کا عظیم اور قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا ہے، ان میں علامہ برہان الدین مَرغینانی، علامہ حسن ابن منصور ابن محمود معروف بہ قاضی خاں، محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام، علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلانی، علامہ علاؤ الدین حصکفی، علامہ سید احمد طحطاوی، علامہ محمد امین ابن عابدین شامی ـــــ سرفہرست ہیں ـــــ

ان حضرات نے اصحابِ مذہب سے منقولہ مسائل کی نہ صرف تحقیق و تنقیح کی ـــ بلکہ اصحابِ مذہب کے مقرر کردہ اصول کی روشنی میں بہت سے نوپیدا مسائل کی گتھیوں کو سلجھایا۔ ان فقہاء کرام نے دلائل شرعیہ کے علاوہ مذہب احناف کو فکر و عقل سے بھی ہم آہنگ کر کے پیش کیا۔ جس سے فقہِ حنفی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا ـــ پھر ـــ جب عصری تقاضوں کے مطابق مسائلِ فقہ کی نئے طرز پر تنقیح و تہذیب کی شدید ضرورت محسوس کی جانے لگی ـــ تو ـــ ماضی قریب کے ایک عبقری، وسیع الفکر، انقلاب آفریں فقیہ، مجدد دین وملّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اِس خلاء کو نہ صرف یہ کہ پُر کیا ـــ بلکہ ـــ پوری جامعیت کے ساتھ اس میں وسعت پیدا کی۔ اور فقہ کے مضمرات اور اسرار و رموز کو واشگاف کیا ـــــ آپ نے فقہائے متقدمین و متاخرین کی عبارتوں کی توضیح و تشریح اور تعبیر و تفہیم کے علاوہ بہت سے لاینحل مسائل کی عقدہ کشائی بھی کی ـــــــ یوں تو امام احمد رضا کی فقہی تحقیقات و تنقیحات کے مختلف اور گوناگوں پہلو ہیں ـ مگر ـ ان میں بڑے اہم اور قابلِ دید وہ فقہی گوشے ہیں جو بہت سے فقہائے عظام

کی نظروں سے مخفی رہے، آپ نے اپنی ذہانت وتدبر اور خداداد صلاحیت سے ان گوشوں کو آشکارا کیا، ان کے کلام وعبارت میں جو پیچیدگیاں تھیں، انہیں دور کیا، جو حجابات تھے، انہیں اٹھایا۔ ان حضرات کی بہت سی عبارتوں پر تطفلات ومعروضات بھی پیش کئے ــــــ یہی وجہ ہے کہ علمائے عرب وعجم اور اپنے اور غیر سبھی آپ کی فقاہت کے مدّاح ومعترف نظر آتے ہیں۔

سردست مکہ مکرمہ کے ایک جلیل القدر عالم سید اسماعیل ابن سید خلیل کا تاثر ملاحظہ فرمائیے وہ اعلیٰ حضرت کے ایک فتویٰ کو دیکھ کر اپنے قلبی تاثرات کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

"واللہ اقول والحق اقول انہ لو راٰھا ابو حنیفۃ النعمان لا قرت عینہ ولجعل مؤلفھا من جملۃ الاصحاب" [1]

یعنی میں بخدا کہتا ہوں اور حق کہتا ہوں کہ اگر اُسے امام اعظم ابو حنیفہ دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، اور اس کے مؤلف (امام احمد رضا) کو اپنے اصحاب میں شامل کر لیتے"ــــــ

یہ مختصر مگر جامع تاثر اپنے اندر ایک جہانِ معنیٰ لئے ہوئے ہے۔ میرے خیال میں امام احمد رضا کی فقہی بصیرت کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے اس سے بہتر پیرائیہ بیان نہیں مل سکتا۔ اس میں مبالغہ آرائی سے گریز کرتے ہوئے ان حقائق کو بڑے واضح انداز میں پیش کیا گیا ہے، جن کی جھلک امام موصوف کے فتاویٰ اور ان کتب ورسائل میں موجود ہے، جن میں آپ نے فقہی عبارات پر کلام بھی فرمایا ہے اور ان کی تحقیق وتنقیح بھی کی ہے ــــ آج کے اس عظیم الشان علمی وتاریخی سیمینار میں ہمیں مذکورہ بالا عنوان کے تحت امام احمد رضا کی فقہی بصیرت اور ان کے نقد ونظر کا کمال پیش کرنا ہے۔ بطورِ نمونہ چند علمی بحثیں حاضرِ خدمت ہیں :ــــ

٥

[1] الاجازات المتینہ ص ۹

(۱) کتب فقہ میں یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ خون اگر نکل کر ایسی جگہ پہونچ جائے، جس کی طہارت کا حکم ہے۔ تو وضو ٹوٹ جائے گا ـــ اب فقہائے احناف میں یہ اختلاف ہوا کہ حکم طہارت سے مراد، وجوبی حکم ہے۔ یا۔ استحبابی و وجوبی دونوں حکم ہے۔ یعنی جس جگہ کو وضو یا غسل میں دھونا واجب ہے وہاں تک خون پہونچ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ یا۔ جس کا دھونا واجب یا مندوب کوئی بھی ہو وہاں تک خون پہونچ جانے سے وضو ٹوٹ جائے گا ـــ ؟

اسی اختلافی بنیاد کی وجہ سے یہ اختلاف ہوا۔ کہ ـ ناک کا سخت بانسہ جہاں غسل میں پانی پہونچانا واجب نہیں، صرف مستحب ہے، اگر اس (سخت بانسے) تک سر سے خون اُتر کر آگیا تو وضو ٹوٹے گا یا نہیں ؟ ـــ

عام کتب فقہ مثلاً غنیہ، جوہرہ نیرہ، شرح وقایہ، ایضاح الاصلاح، عنایہ، تبیین الحقائق، کفایہ، جواہر اخلاطی، برجندی، نہایہ، معراج الھدایہ، ملتقط، درر، نہر الفائق، فتح اللہ المعین کی توضیحات و تشریحات سے یہی ظاہر و مستفاد ہے ـ کہ ـ حکم تطہیر سے مراد وجوب ہے۔ یعنی خون بہہ کر ایسی جگہ پہونچ جائے، جس کا وضو یا غسل میں دھونا واجب ہے ـــ ایسی جگہ جس کا دھونا واجب نہیں ـ بلکہ ـــ صرف مندوب ہے۔ مثلاً ناک کا بانسہ، تو وہ حکم تطہیر میں داخل نہیں ـــ اس لئے اگر خون ناک کے نرم حصّہ تک نہ پہونچا ـ بلکہ ـ سخت حصّے (بانسے کے بالائی حصّے) ہی میں رُکا رہا ـــ تو ـــ مذکورہ بالا فقہائے احناف کے نزدیک وضو نہ ٹوٹے گا ـــ

بعض کتب فقہ مثلاً بحر الرائق، معراج الدرایہ، فتح القدیر، بدائع الصنائع، حلیہ، طحطاوی، رد المحتار کی عبارتوں سے یہ ظاہر و مستفاد ہوتا ہے ـ کہ ـ حکم تطہیر واجب و مندوب دونوں کو شامل ہے ـــ لہٰذا ـــ ناک کا سخت حصّہ جس کا دھونا واجب نہیں، بلکہ صرف مندوب ہے وہ بھی حکم تطہیر میں داخل ہے ـ تو ـ اگر خون اس سخت حصّہ تک آ پہونچا اور نرم حصّہ تک نہ آیا جب بھی وضو ٹوٹ جائے گا ـــ چونکہ دلائل و شواہد کی روشنی میں قول اول قوی تر ہے۔

اس لئے امام احمد رضا نے فریق ثانی پر دو نقض وارد کئے ہیں ـ جن سے امام اہل سنّت کی فقہی بصیرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ـــ نقض اوّل کی تقریر انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو ـ

"احدھا انطافر نصوص المذھب ان نزول شی فی الفرج الداخل لا ینقض طہراً قط مالم یجاوز الی الفرج الخارج، مع آن الفرج الداخل قد لحقہ حکم التطھیر ندباً"[۱]

(۱) بکثرت نصوص مذہب سے مسئلہ واضح ہے کہ کوئی چیز مثلاً خون فرج داخل میں آجائے تو اس سے طہارت زائل نہ ہوگی (اور عورت پاک ہی رہے گی) جب تک کہ وہاں سے آگے بڑھ کر فرج خارج میں نہ آجائے۔ حالانکہ (غسل میں) استحبابی طور پر فرج داخل کی تطہیر کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

خلاصۂ نقض: - اگر حکم تطہیر سے مراد وجوبی واستحبابی دونوں حکم ہو، تو لازم کہ اگر خون صرف فرج داخل تک آیا تو بھی طہارت زائل ہو اور وضو ٹوٹ جائے۔ حالاں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ ناقضِ وضو نہیں۔

نقض ثانی: - دوسرے نقض کی بھی قوت وصلابت کا اندازہ انہیں کے الفاظ سے کیجئے۔ فرماتے ہیں:-

"(والآخر وھو الاقوی والاظھر) قول اجمعنا ان خروج شیء الی الفرج لا ینقض طھراً مالم یبرز وقد لحقہ حکم التطھیر ندباً۔ فان السنۃ للمستنجی ان یجلس فرجاً مایکون و یرخی کی یظھر فیطھر مایبقی کامنا لولا الانفراج والارخاء"[۱]

اقول اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کسی چیز کا شرم گاہ کی طرف نکلنا، پاکی کو ختم نہیں کرتا ہے جب تک کہ وہ شئی باہر نہ آجائے۔ حالاں کہ اس کا پاک کرنا مندوب ہے کیونکہ استنجا کرنے والے کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ اعضا کو ڈھیلا اور کشادہ کرکے بیٹھے۔ تاکہ۔ کشادہ اور ڈھیلا نہ ہونے کی صورت میں جو حصہ چھپا رہ جاتا ہے، وہ ظاہر ہو اور اسے پاک کرے۔

[۱] فتاوی رضویہ ج ۱ ص ۵۴ [۱] فتاوی رضویہ ج ۱ ص ۵۵

یہ تو امام اہل سنّت علیہ الرحمہ والرضوان کے فقیہانہ "نقد ونظر" کا ایک نمونہ تھا۔ مگر ــــ زیرِ بحث مسئلہ کی توضیح وتحقیق اور تنقیح لطیف جو انہوں نے از خود کی ہے ــــ وہ بھی پڑھنے کے قابل ہے ــــ مذکورہ بالا بحث سے پتہ چلتا ہے کہ فقہائے کرام کی عبارتیں ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہیں ــــ مگر ــــ امام احمد رضا اس مختلف فیہ مسئلہ کی نفیس تنقیح فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

"والحمل علی اختلاف الروایۃ ایسر من نسبۃ احد الفریقین الی الخطاء والغلط والغفلۃ والشطط، فالذی تحرر عندی ان ھھنا عن ائمتنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم روایتین روایۃ النقض بالسیلان فی ماصلب وان لم یصل الی مالان .... وعلیھا یجب تعمیم الحکم الندب .... والاخری عدم النقض الا بالسیلان فیما لان، وھی الروایۃ الشھیرۃ الشائعۃ فی الکتب الکثیرۃ، وعلیھا یقتصر الحکم علی الوجوب، ولا یبقی داعیا اصلا الی تعمیم الندب۔" ؎۲

اس اختلاف کو اختلافِ روایت پر محمول کرنا بہ نسبت اس کے زیادہ آسان وسہل ہے کہ کسی ایک فریق کی طرف خطا، غلطی، غفلت اور درستی انحراف کی نسبت کی جائے۔ اور نکھری ہوئی بات میرے نزدیک یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ہمارے تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت میں یہ ہے کہ سخت حصّے تک خون پہونچنے کی صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا اگرچہ نرم حصّہ تک نہ پہونچا ہو...... اس روایت کی بنیاد پر حکم کو عام کرکے اس میں ندب کو بھی شامل کرنا ضروری ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وضو صرف اس صورت میں ٹوٹے گا جب کہ خون بہہ کر نرم حصّے تک آجائے۔ عامۂ کتب میں یہی روایت مشہور ومعروف ہے۔ اس روایت کی بنیاد پر حکم کو صرف وجوب تک محدود رکھا

؎۲ ایضاً ج ۱ ص ۵۱۳ =

جائے گا۔ ندرت تک اس کو عام کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

پھر اخیر میں بیانِ روایت اور تطبیق و تنقیح کے بعد اپنا محققانہ فیصلہ اس طرح سناتے ہیں۔

"وبالجملة انا العبد الضعيف اجد نی امیل الی القول الثانی من حیث الدرایة وشهرة الروایة معاً، لکن لاجل الاحتیاط وتلک الروایة الهائلة القائلة ان الوجوب ثمه باتفاق ائمتنا الثلثة رضی الله تعالیٰ عنهم احببت میلاً ما الی الأول وعلیٰ توفیق الله المعول" [۳]

مختصر یہ کہ درایت اور شہرت روایت دونوں کی وجہ سے میرا میلان قولِ ثانی کی طرف ہے۔ لیکن احتیاط کے پیشِ نظر اور یہ خیال کر کے کہ وہ عظیم روایت بھی ہے جس سے ہمارے تینوں ائمہ کا حکم وجوب پر اتفاق معلوم ہوتا ہے، میں نے قول اول کی جانب قدرے میلان کرتے ہوئے حکم دیا۔ اور خدا کی توفیق ہی پر اعتماد ہے۔

(۲) — علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں مجتبیٰ کا ایک قول نقل فرمایا ہے — کہ — "اگر کسی نے کھانا کھایا۔ پانی پیا۔ پھر فوراً ہی قے کر دی، تو ایسی صورت میں وضو نہ ٹوٹے گا اس لئے کہ یہ پاک ہے" محقق علی الاطلاق نے ایک قول کے مطابق اسی کو مختار بتایا ہے۔ بلکہ نواقض کے حاشیہ پر مسئلہ کی تقریر کے بعد فرمایا — "وعلیٰ هذا یظهر ما فی المجتبیٰ الخ" یعنی اسی وجہ سے مجتبیٰ کا قول ظاہر ہے —

امام اہل سنت نے اپنی فہم و درایت اور فقہی بصیرت کے آئینہ میں اس قول کے ظاہر و مختار بتانے پر جرح و بلیغ فرمایا ہے، ملاحظہ ہو: ۔

"اقول وبالله التوفیق فی هذا الظهور خفاء شدید فان الماء و

اقول وباللہ التوفیق ۔ اس ظہور میں بہت خفا ہے، اس لئے کہ پانی اور کھانے میں اگرچہ تبدیلی

[۳] الیضاً ج ۱ ص ۵۴ ۔

ان یستحیلا لکنهما یقبلان النجاسة بالمجاورة، فاذا عادمن معدن النجس کانامتنجسین، وان لم یکونانجسین فیجب النقض بهما کالریح الطاهرة عنها، و ناقض خروجها لانبعاثها من محل النجاسة" ۔۔۔۔۔ ۱؎

نہ آئی۔ لیکن۔ معدے میں جاکر نجاست سے ان کا اتصال اور ملاپ ہوا۔ جس کی وجہ سے یہ نجاست ضرور قبول کرلیں گے۔ تو جب یہ نجاست کے معدن سے لوٹ کر آئیں گے تو خواہ بذات خود نجس نہ ہوں، دوسرے سے مل کر متنجس یقیناً ہوں گے۔ لہٰذا ان کی قئے سے وضو لوٹ جائے گا۔ جیسے ریاح کہ بذات خود پاک ہے۔ مگر محل نجاست سے آنے کی وجہ سے اس کا نکلنا ناقض وضوء ہے ۔۔۔۔۔"

امام احمد رضا کی مذکورہ بالا بحث ان کی دقت نظر اور خداداد ملکۂ فقاہت کا نتیجہ ہے۔ جس کی روشن دلیل یہ ہے کہ ابتداءً کلام محقق پر یہ بحث فرمائی۔ پھر۔ دو دن بعد دیکھا کہ اس کے موافق فقہی روایت بھی موجود ہے۔ جیسا کہ خود رقم طراز ہیں :۔

"ھذا ما اختلج فی قلب العبد الضعیف الخ" یہ بحث قلب فقیر میں آئی۔ پھر دو دن بعد دیکھا کہ شیخ ابراہیم حلبی نے منیہ کی شرح کبیر میں مجتبیٰ کی روایت حسن سے نقل کی۔ اس کے بعد کہا کہ صحیح ظاہر روایت یہ ہے کہ وہ نجاست سے مل جانے کی وجہ سے ناپاک ہوگیا.... جو بحث میں نے اس کلام میں کی تھی وہی بحث مجھے بحمدہٖ تعالیٰ مل گئی" ۲؎

ہ ہ

(۳۲) :۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے نیند کا ناقض" نہ ہونا تو متفق علیہ ہے۔ لیکن۔ نیند جیسے دیگر نواقض جو انبیائے کرام کے لئے ممکن ہیں۔ مثلاً غشی، بے ہوشی۔ ان چیزوں سے ان حضرات کا وضو لوٹتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اختلاف ہے۔ صاحب درمختار

۱؎ فتاویٰ رضویہ ج ا ص " ۲؎ ایضاً مترجماً "

وغیرہ نے ناقضِ وضو نہ ہونا بتایا ہے ۔ مگر۔ سیّد ابوالسعود نے فتح المعین میں مبسوط کی اتباع کرتے ہوئے غشی اور اغماء کو ناقض مانا ہے ۔ اور حوالہ میں اپنے والد سیّد علی الازھری کی یہ عبارت پیش کی ہے ـــ "انبیائے کرام کی نیند ناقضِ وضو نہیں ۔ اور ان کی غشی اور اغماء ناقضِ وضوء ہے"۔ اس پر امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے تعاقب فرمایا ہے ۔ جس میں ان کی محققانہ بصیرت کے جلوے دیکھے جاسکتے ہیں :۔

اس بحث کی توضیح یہ ہے کہ جب کوئی نجس چیز بدن سے نکلے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، نیند بذات خود کوئی نجاست نہیں، اس لئے یہ خود ناقضِ وضو نہیں ۔ لیکن ۔ نیند کی حالت میں ریاح خارج ہونے کا احتمال ہوتا ہے جس کا سونے والے کو علم نہیں ہوتا، اس احتمال کی وجہ سے غفلت کی نیند کو ناقضِ وضو قرار دیا گیا ـــ اور ـــ انبیائے کرام علیہم السلام کی نیند ایسی غفلت کی نہیں ہوتی، احادیث سے ثابت ہے کہ ان کا دل بیدار ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسی بیدار قلبی کے ساتھ وہ رب کے مشاہدہ اور استغراق میں مشغول ہوتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کی بیداری اور عبادت ہے ۔ اس لئے ان کی نیند ناقضِ وضو نہیں ـــ اسی طرح بیہوشی اور غشی بذات خود نجاست اور ناقضِ وضو نہیں، لیکن اس حالت میں بھی وہی احتمال ہوتا ہے جو غفلت کی نیند میں ہوتا ہے ۔ اس لئے بیہوشی اور غشی کو ناقضِ وضو قرار دیا گیا ۔ مگر ۔ انبیائے کرام کے حق میں بھی ان دونوں کو ناقضِ وضو قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ۔ بلکہ ۔ ظاہر یہی ہے کہ جیسے ان کی نیند ناقضِ وضو نہیں ۔ ان کی غشی و بیہوشی بھی ناقضِ وضو نہیں"۔[۱]

اضافتِ طلاق کا مسئلہ:۔ عورت کی طرف طلاق کی اضافت نہ ہو ـــ تو ـــ ایسی صورت میں عورت پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ صاحب درمختار کے بیان کردہ ایک جزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ وقوعِ طلاق کے لئے لفظ میں اضافت ضروری ہے ۔ اگر ۔ عورت کی طرف لفظ میں اضافت نہ ہوئی ۔ تو ۔ وقوعِ طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا ـــ علامہ شامی علیہ الرحمہ کا کہنا ہے کہ وقوعِ طلاق کے لئے لفظ میں اضافت ضروری نہیں ۔ اگر ۔ اضافت معنوی ہو جب بھی طلاق واقع ہو جائے گی ـــ بعض فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ

[۱] اس مقام پر اس کے آگے مزید ابحاث بھی ہیں ملاحظہ ہو فتوٰی رضویہ ج اول ص ۹۲

متروک الاضافہ جملہ سے طلاق اس وقت پڑے گی جب شوہر اپنی بیوی کو مراد لینا بیان کردے۔ بعض فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ ایسے جملے سے طلاق پڑجائے گی۔ ہاں اگر شوہر یہ صراحت کردے۔ "میں نے اپنی بیوی کو مراد نہیں لیا ہے بلکہ غیر کو مراد لیا ہے"۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے ان تمام الجھی ہوئی صورتوں کو بڑی خوبصورتی سے حل فرما دیا ہے۔ اور ایسی جامع تحقیق بیان کردی ہے۔ کہ۔ نہ کوئی اعتراض کی گنجائش رہتی ہے۔ اور نہ ہی کوئی پیچیدگی۔ آپ نے اپنے ایک طویل عربی فتویٰ میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ ہم اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کر رہے ہیں:۔

"وقوع طلاق کے لئے "اضافت" ضروری ہے۔ خواہ۔ اضافت لفظ میں ہو۔ یا۔ نیت میں۔ بطور عرف وعادت اضافت ملحوظ ہو، یا، قرینہ پائے جانے کی بنا پر —— وقوع طلاق کے لئے عورت کی طرف اضافت کی شرط بنیادی ہے۔ جس کے بغیر وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ وجہ یہ ہے کہ ایقاع طلاق کے بغیر طلاق نہیں پڑتی، اور ایقاع طلاق کے لئے "طلاق" کا عورت سے متعلق کرنا ضروری۔ اور اضافت کے بغیر عورت سے طلاق متعلق ہو ہی نہیں سکتی۔ ورنہ لازم آئے گا کہ جو بھی جس طرح الفاظ طلاق کا تلفظ کرے، خواہ پڑھنے پڑھانے کے لئے ہو یا سمجھنے سمجھانے کے لئے۔ اس کی بیوی پر طلاق پڑجائے۔ حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے —— لہٰذا —— ماننا پڑے گا کہ وقوع طلاق کے لئے اضافت ضروری ہے۔ البتہ اضافت کبھی تو لفظ میں موجود ہوتی ہے۔ مثلاً شوہر اپنی بیوی سے کہے۔ اَنتِ طالق، طلقتکِ امراٗتی طالق۔ وغیرہ۔ ایسی صورت میں وقوع طلاق کے لئے شوہر کی نیت معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔ طلاق بہر صورت پڑ جائے گی —— اور کبھی اضافت لفظی نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں وقوع طلاق کی چند صورتیں ہیں (۱) شوہر اپنی نیت بیان کردے کہ میں

نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے (۲) عرف وعادت یہ ہے کہ ایسے الفاظ عورت ہی کے لئے کہے جاتے ہیں۔ (۳) عورت کی طرف اضافت کا قرینہ پایا جاتا ہو مثلاً وہ کلام سوال کے جواب میں ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر سے کہے مجھے طلاق دے دے" شوہر نے کہا۔ میں نے طلاق دی۔ تو طلاق پڑجائے گی۔ لیکن اخیر والی دونوں صورتوں میں اگر شوہر نے بہ قسم اپنی عورت کو مراد نہ لینا بیان کر دے۔ تو حکم یہی ہوگا کہ طلاق نہیں پڑی"[۱]

:- احکام شرعیہ کی تقسیم :-

(۵)- اب آئیے بحث کے اختتام پر امام اہل سنت کا رنگ اجتہاد ملاحظہ فرمائیے۔ جس کا تعلق اصول وقواعد سے ہے۔ ان نادر تحقیقات کو دیکھنے اور ان گہرائی وگیرائی کا جائزہ لینے کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے ؏ بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری۔

احکام شرعیہ کی تقسیم میں علمائے اصولیین اور فقہائے معتمدین کے چار اقوال ملتے ہیں۔

قول اول :- احکام شرعیہ کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) واجب (۲) مندوب (۳) مکروہ (۴) حرام (۵) مباح۔

قول ثانی :- احکام شرعیہ کی سات قسمیں ہیں :-

(۱) فرض (۲) واجب (۳) مندوب (۴) مباح (۵) حرام
(۶) مکروہ تحریمی (۷) مکروہ تنزیہی۔

ان دونوں اقوال کا ذکر کتب اصول میں بکثرت ملتا ہے۔ صاحب مسلم الثبوت نے بھی ان دونوں کو ذکر کیا ہے۔

---

[۱] فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۶۰۸-۶۰۷ =

قولِ ثالث :۔ بعض حضرات نے قدرے تبدیلی کے ساتھ ساتوں قسموں کو یوں بیان فرمایا۔
(۱) فرض (۲) واجب (۳) سنّت (۴) نفل (۵) حرام (۶) مکروہ (۷) مباح۔
صدرالشریعہ نے تین تنقیح" میں اسی کو رکھا۔ اور۔ "مرقاۃ الوصول" میں مولیٰ خسرو نے، اور "فصول البدائع" میں شمس الدین محمد ابن حمزہ نفاری نے ان کی پیروی کی —
قولِ رابع :— احکام شرعیہ کی نو قسمیں ہیں :—
(۱) فرض (۲) واجب (۳) سنّت ھدیٰ (سنّت مؤکدہ) (۴) سنت زائدہ (غیر مؤکدہ) (۵) نفل (۶) حرام (۷) مکروہ تحریمی (۸) مکروہ تنزیہی (۹) مباح۔
صاحب فصول البدائع علامہ شمس الدین محمد ابن حمزہ فناری نے اپنے کلام کے آخر میں اسے صراحتہً ذکر کیا۔ اور صدرالشریعہ نے توضیح میں اس کا اشارہ دیا۔
مذکورہ بالا چاروں تقسیم میں سے ہر ایک میں اصولی اعتبار سے کچھ نہ کچھ کمی یا خلل موجود ہے۔ چنانچہ۔ اس کی نشاندہی کرتے ہوئے امام احمد رضا رقم طراز ہیں۔

"اقول، تقسیم اول میں کمال اجمال اور مذہب شافعی سے الیق ہوتے کے علاوہ صحت مقابلہ اس پر مبنی کہ ہر "مندوب کا ترک مکروہ ہو" و قد علمت انہ خلاف التحقیق، نیز سنت و مندوب میں فرق نہ کرنا مذہب حنفی و شافعی کسی کے مطابق نہیں —یہی دونوں کمی تقسیم دوم میں بھی ہیں۔ سوم و چہارم میں عدم مقابلہ بدیہی کہ سوم میں جانب فعل چار چیزیں ہیں۔ اور جانب ترک دو۔ چہارم میں جانب فعل پانچ ہیں اور جانب ترک تین۔ پھر جانب ترک بسط اقسام کر کے تصحیح مقابلہ کیجیے تو اُسی مقابلہ نفل و کراہت سے چارہ نہیں۔ مگر۔ بتوفیق اللہ تعالےٰ تحقیق فقیر سب خللوں سے پاک ہے، اُس نے ظاہر کیا کہ بلکہ احکام گیارہ ہیں۔ پانچ جانب فعل میں متنازلاً فرض[۱]، واجب[۲]، سنت[۳] مؤکدہ، غیر مؤکدہ[۴] مستحب[۵]، اور پانچ جانب ترک میں متصاعداً، خلاف اولیٰ[۱]، مکروہ تنزیہی[۲]

اساءت[۳] ، مکروہ تحریمی[۴] ، حرام[۵] ۔ جن میں میزان مقابلہ اپنے کمال اعتدال پر ہے کہ ہر ایک اپنے نظیر کا مقابل ہے اور سب کے بیچ میں گیارھواں مباح خالص "۔۔۔۔ [۱]

اپنی اس نادر و نایاب تحقیق کا تذکرہ اور اس پر مسرت کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں :۔

" اس تقریر منیر کو حفظ کر لیجئے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی اور ہزار ہا مسائل میں کام دے گی اور صدہا عقدوں کو حل کرے گی ، کلمات اس کے موافق ، مخالف سب طرح کے ملیں گے ، مگر بحمد اللہ تعالیٰ حق اس سے متجاوز نہیں ۔ فقیر طمع رکھتا ہے کہ اگر حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی ، ضرور ارشاد فرماتے کہ یہ عطر مذہب وطراز مذہب ہے والحمد للہ رب العالمین "۔۔۔۔ [۲]

اس تنقیح و تقریر سے معلوم ہوا ۔ کہ ۔ امام احمد رضا نے احکام شرعیہ کی کل گیارہ قسمیں نکالی ہیں :۔

(۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت مؤکدہ (۴) سنّت غیر مؤکدہ (۵) مستحب (۶) خلاف اولیٰ (۷) مکروہ تنزیہی (۸) اساءت (۹) مکروہ تحریمی (۱۰) حرام (۱۱) مباح

بلکہ کچھ اور تفصیل کیجئے تو کل پندرہ قسمیں نکل آتی ہیں :۔

(۱) فرض اعتقادی (۲) فرض عملی (۳) واجب اعتقادی (۴) واجب عملی (۵) سنت مؤکدہ (۶) سنت غیر مؤکدہ (۷) مستحب (۸) خلاف اولیٰ (۹) مکروہ تنزیہی (۱۰) اساءت (۱۱) مکروہ تحریمی اعتقادی (۱۲) مکروہ تحریمی عملی (۱۳) حرام اعتقادی (۱۴) حرام عملی (۱۵) مباح ۔

ذیل میں ہر ایک کی جامع و مانع تعریف لکھی جاتی ہے ، اس کے بعد احکام لکھے جائیں گے ان تعریفات میں سے کچھ فتاوی رضویہ کی تصریحات سے ماخوذ ہیں ۔ اور ۔ کچھ اس

---

[۱] فتاوی رضویہ ج ا ص ۱۷۵ = [۲] ایضاً =

کے اشارات و ابحاث سے اخذ کر کے اپنے الفاظ میں بیان کی گئی ہیں :۔

فرض اعتقادی :۔ مجتہد جس شئی کی طلب جزمی حتمی کا اذعان کرے اور وہ اذعان بہ درجۂ یقین بالمعنیٰ الاعم والاخص ہو، اس کو فرض اعتقادی کہتے ہیں —— پھر۔ فرض اعتقادی کی دو قسمیں ہیں (۱) ضروریات دین۔ (۲) غیر ضروریات دین۔

ضروریات دین :۔ وہ امور جن کا دین سے ہونا خواص کو معلوم ہو، اور ان عوام کو بھی جو دین میں مشغولیت اور علمائے دین سے علمی تعلق رکھتے ہوں۔

غیر ضروریات دین :۔ وہ یقینیات و قطعیات جو اس حد تک معروف نہ ہوں۔

فرض عملی :۔ دلائل شرعیہ کی بنیاد پر مجتہد کو جس شئی کی طلب جزمی میں اصلاً شبہہ نہ ہو۔ یعنی اگر مجتہد کی نظر میں وہ شئی کسی عمل میں فرض ہو تو بے اس کے وہ عمل باطل محض ہو۔ اور مستقل مطلوب ہے تو اس کے بغیر ذمہ سے بری نہ ہونے پر اُسے جزم ہو۔

واجب اعتقادی :۔ مجتہد جس شئی کی طلب جزمی حتمی کا اذعان تو کرے، مگر یہ اذعان بدرجۂ یقین بالمعنیٰ الاعم والاخص نہ ہو۔ بلکہ۔ اسے صرف ظن غالب ہو—— تو۔ واجب اعتقادی کہلاتا ہے۔

واجب عملی :۔ بنظر دلائل شرعیہ جس چیز کی طلب جزمی ہے، نظر مجتہد میں وہ جزمی نہیں، بلکہ اس میں شبہہ ہے۔ اور جس شئی میں وہ واجب ہے اس کے بغیر وہ شئی باطل نہیں، بلکہ اس پر حکم صحت حاصل ہے۔ اور اس کے بغیر ذمہ سے بری ہونا محتمل ہے۔

سنت مؤکدہ :۔ جس فعل کی طلب جزمی نہ ہو۔ مگر اس کی تاکید رسول سے ثابت ہو۔ اور [illegible] بھی ہوا ہو۔

سنت غیر مؤکدہ :۔ مجتہد کے نزدیک جو کام سنت تو ہو مگر اس کی تاکید ثابت نہ ہو۔

مستحب :۔ مجتہد کے نزدیک جس کے کرنے کی طلب ترغیبی ہو۔

مباح :۔ مجتہد کے نزدیک جس کا کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہو۔

حرام اعتقادی :۔ مجتہد کے نزدیک جس شئی سے باز رہنے کی طلب حتمی یقینی بالمعنیٰ الاعم

اوالاخص ہو۔ حرام اعتقادی کی دو قسمیں ہیں (۱) ضروریاتِ دین (۲) غیر ضروریاتِ دین۔

حرام عملی :۔ دلائل شرعیہ کی بنا پر مجتہد کو جس شئی سے باز رہنے کی طلب جزمی ہیں اصلاً شبہہ نہ ہو۔ یعنی اگر مجتہد کی نظر میں وہ شئی کسی عمل میں حرام ہو تو اس کی موجودگی میں وہ شئی باطل محض۔ اور۔ مستقل حرام ہو تو اس سے اجتناب کے بغیر برارت ذمہ نہ ہو۔

مکروہ تحریمی اعتقادی :۔ مجتہد جس شئی سے باز رہنے کی طلب جزمی حتمی کا اذعان تو کرے۔ مگر یہ اذعان یقین بالمعنی الاعم والاخص کی حد تک نہ ہو، بلکہ اُسے صرف ظن غالب ہو۔

مکروہ تحریمی عملی :۔ وہ شئی جس سے باز رہنے کی طلب جزمی ہے، مگر نظر مجتہد میں وہ جزمی نہیں بلکہ اس میں شبہہ ہے۔ یعنی۔ اگر وہ شئی کسی عمل میں مکروہ تحریمی ہے تو وہ عمل اس شئی کی موجودگی میں باطل نہیں، اور مستقل مکروہ ہے تو اس سے اجتناب کے بغیر ذمہ سے بَری ہونا محتمل ہے۔

اساءت :۔ مجتہد کے نزدیک جس سے باز رہنے کی طلب جزمی نہ ہو، مگر اس کی تاکید دلیل سے ثابت ہو۔

مکروہ تنزیہی :۔ مجتہد کے نزدیک جس سے باز رہنے کی طلب غیر جزمی دلیل سے ثابت ہو، مگر اس کی تاکید نہ ہو۔

خلاف اولیٰ :۔ مجتہد کے نزدیک جس سے باز رہنے کی طلب غیر جزمی محض ترغیب کے طور پر ہو۔

احکام :۔

(۱) فرض :۔ ترک عادی ہو یا نادر قطعی طور پر موجب استحقاق عذاب ہے۔

(۲) واجب :۔ ترک عادی ہو یا نادر مطلقاً موجب استحقاق عذاب ہے، مگر اس میں جزمی قطعیت نہیں ہوتی۔

(۳) سنت مؤکدہ :۔ ترک عادی پر عذاب اور نادر پر عتاب۔

(۴) سنّت غیر مؤکدہ :۔ عادی ہو یا نادر مطلقاً مورثِ عتاب۔
(۵) مستحب، مندوب، ادب :۔ عادی ہو یا نادر مطلقاً عذاب وعتاب کچھ نہ ہو۔

:- یوں ہی جانب ترک ہیں :-

(۱) حرام :۔ اس کا فعل (کرنا) عادی ہو یا نادر قطعی طور پر موجب استحقاق عذاب ہے۔
(۲) مکروہ تحریمی :۔ اس کا فعل (کرنا) عادی ہو یا نادر مطلقاً موجب استحقاق عذاب ہے، مگر اس میں قطعیت نہیں ہوتی۔
(۳) اساءت :۔ (یہ کراہت تنزیہی سے افحش اور تحریمی سے اخف ہے) فعل عادی پر عذاب اور نادر پر عتاب۔
(۴) کراہت تنزیہی :۔ عادی ہو یا نادر، مطلقاً مُورثِ عتاب۔
(۵) خلاف اولیٰ :۔ عادی و نادر کسی پر عذاب وعتاب کچھ نہ ہو۔

(۶) **دلائل شرعیہ کی تقسیم و تفصیل** :۔ امام احمد رضا کی عبارتوں سے اشارہ ملتا ہے کہ احکام سے متعلق جانب طلب میں دلائل شرعیہ کی کل ستائیس ۲۷ صورتیں ہیں۔ دلائل کی صرف ایک قسم سے فرض ثابت ہوتا ہے، تین ۳ سے وجوب، چار ۴ سے سنت مؤکدہ۔ اور۔ انیس ۱۹ سے استحباب و سنّت غیر مؤکدہ۔ اسی طرح جانب منع وکف میں بھی ستائیس ۲۷ صورتیں ہیں۔ جن میں صرف ایک سے حرام ثابت ہوتا ہے، تین ۳ سے مکروہ تحریمی، چار ۴ سے اساءت، اور انیس ۱۹ سے مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ۔

اجمالاً پہلے یہ ملاحظہ کریں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی نص قطعی ہو۔ مگر۔ جو حکم مجتہد اس سے ثابت کرنا چاہتا ہے، وہ صراحۃً اور قطعاً اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ۔ ظن یا شک کے طور پر اس کا ثبوت حاصل ہوتا ہے، اسی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ حکم تو قطعاً صراحۃً اس نص سے ثابت ہوتا ہے مگر خود وہ نص قطعی نہیں۔ بلکہ ظنی ہے یا اس سے کم درجہ ہے مثلاً خبر واحد صحیح یا حسن ہے یا اس سے فروتر مثلاً حدیث ضعیف ہے، جو فضائل اعمال میں کارآمد ہے۔ اور۔ یک گونہ شک

کے طور پر اس سے وہ بات معلوم ہوتی ہے جو اس میں بیان ہوئی۔

پہلی صورت کی مختصر تعبیر یہ ہے کہ نص اثباتِ حکم میں قطعی نہیں ــــ دوسری صورت کی تعبیر یہ ہوگی کہ خود نص کا ثبوت قطعی نہیں۔ بلکہ۔ ظنی یا شکی ہے ـــــ اسی طرح یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ کبھی مطالبہ قطعی ہوتا ہے، یعنی یوں کہ تمہیں یہ ضرور کرنا ہے، کبھی یوں کہ کرو تو اچھا ہے پھر اُسے یا تو بلا تاکید چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یا اس کی تاکید ہوتی ہے۔ یہ میں نے بطور تفہیم عرض کیا ان ہی باتوں کو اصطلاحی طور پر یوں کہا جاتا ہے۔ کہ اس چیز کا مطالبہ قطعی و جزمی ہے یا اس کا مطالبہ غیر جزمی مگر مؤکد ہے یا اس کا مطالبہ محض ترغیبی طور پر ہے ـــــ

اب وہ ستائیس ۲۷ صورتیں امام احمد رضا کے بہت ہی مختصر اور جامع الفاظ میں (میرے ترجمہ کے بعد) ملاحظہ ہوں۔ پھر میں ان کی کچھ توضیح کروں گا۔

> "نصوص طلبی کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ جن میں محض طلب ترغیب ہو۔ (۲) جن میں طلب مع تاکید ہو۔ (۳) جن میں طلب جازم (قطعی) ہو ـــــ ان میں سے ہر ایک کی نو ۹ قسمیں ہیں تو کل ستائیس ۲۷ قسمیں ہوئیں۔ صرف ایک قسم سے فرض کا ثبوت ہوتا ہے۔ یہ وہ ہے جس کا ثبوت و اثبات دونوں یقینی ہو اور طلب بھی جزمی و قطعی ہو ـــــ تین سے وجوب کا افادہ ہوتا ہے۔ وہ جس کا ثبوت یا اثبات دونوں ظنی ہو اور بہر صورت طلب جزمی ہو ـــــ چار ۴ سے سُنّیت کا افادہ ہوتا ہے، یہ ثبوت و اثبات میں تو ان ہی صورتوں کی طرح ہیں جو فرضیت و وجوب کا افادہ کرتی ہیں۔ مگر ان میں طلب تاکیدی غیر قطعی ہوتی ہے۔ باقی انیس ۱۹ صورتیں مندوبیت کا افادہ کرتی ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کے ثبوت یا اثبات کسی ایک میں شک ہو۔ اگرچہ طلب جازم و قطعی ہو، یا وہ جن میں صرف طلب ترغیبی ہو۔ اگرچہ ثبوت و اثبات قطعی ہوں، اسی پر کف (باز رہنے) کی جانب میں حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کو قیاس کر لینا چاہیئے" [۱]

[۱] ص ۱۷۰ ج اوّل فتاویٰ رضویہ، مترجماً۔

اَب ذیل میں اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو :-

- **فرضیت** :- (۱) جس کا ثبوت واثبات دونوں یقینی ہو۔ اور۔ طلب جازم ہو۔
- **وجوب** :- (۲) ثبوت قطعی ہو، اثبات ظنی۔ اور۔ طلب جازم۔

〃 (۳) ثبوت ظنی ہو، اثبات قطعی۔ اور۔ طلب جازم۔

〃 (۴) ثبوت واثبات دونوں ظنی ہو۔ اور۔ طلب جازم۔

- **سنّت مؤکدہ** :(۵) ثبوت واثبات دونوں قطعی۔ اور۔ طلب مؤکد، غیر جازم۔

〃 (٦) ثبوت قطعی، اثبات ظنی۔ اور۔ طلب صرف مؤکد، غیر جازم۔

〃 (۷) ثبوت ظنی، اثبات قطعی۔ اور۔ طلب مؤکد، غیر جازم۔

〃 (۸) ثبوت واثبات دونوں ظنی۔ اور۔ طلب مؤکد، غیر جازم۔

- **استحباب اور سنّت غیر مؤکدہ کی ۱۹ صورتیں** :-

〃 (۹) ثبوت قطعی، اثبات شکی۔ اور۔ طلب جازم۔

〃 (۱۰) ثبوت شکی، اثبات قطعی۔ اور۔ طلب جازم۔

〃 (۱۱) ثبوت ظنی، اثبات شکی۔ اور۔ طلب جازم۔

〃 (۱۲) ثبوت شکی، اثبات ظنی۔ اور۔ طلب جازم۔

〃 (۱۳) ثبوت شکی، اثبات شکی۔ اور۔ طلب جازم۔

〃 (۱۴) ثبوت قطعی، اثبات شکی۔ اور۔ طلب مؤکد۔

〃 (۱۵) ثبوت شکی، اثبات قطعی۔ اور۔ طلب مؤکد۔

〃 (۱٦) ثبوت ظنی، اثبات شکی۔ اور۔ طلب مؤکد۔

〃 (۱۷) ثبوت شکی، اثبات ظنی۔ اور۔ طلب مؤکد۔

〃 (۱۸) ثبوت شکی، اثبات شکی۔ اور۔ طلب مؤکد۔

〃 (۱۹) ثبوت قطعی، اثبات قطعی۔ اور۔ طلب محض ترغیبی۔

〃 (۲۰) ثبوت قطعی، اثبات ظنی۔ اور۔ طلب محض ترغیبی۔

〃 (۲۱) ثبوت قطعی، اثبات شکی ۔ اور۔ طلب محض ترغیبی۔

〃 (۲۲) ثبوت ظنی، اثبات قطعی ۔ اور ۔ طلب محض ترغیبی۔

〃 (۲۳) ثبوت ظنی، اثبات ظنی ۔ اور ۔ طلب محض ترغیبی

〃 (۲۴) ثبوت ظنی، اثبات شکیّ ۔ اور ۔ طلب محض ترغیبی۔

〃 (۲۵) ثبوت شکیّ، اثبات قطعی ۔ اور ۔ طلب محض ترغیبی۔

〃 (۲۶) ثبوت شکیّ، اثبات ظنی ۔ اور ۔ طلب محض ترغیبی۔

〃 (۲۷) ثبوت شکیّ، اثبات شکیّ ۔ اور ۔ طلب محض ترغیبی ۔فتاوی رضویہ ج اول ص۱۱۱ مترجماً

:- جانب ممانعت کی ستائیس۲۷ صورتیں حسب ذیل ہیں :-

• حرام :- (۱) وہ دلیل جس کا ثبوت و اثبات دونوں قطعی ہوں۔ اور۔ طلب کف جازم ہو۔

• مکروہ تحریمی (۲) ثبوت قطعی، اثبات ظنی ۔ اور ۔ طلب کف جازم۔

〃 (۳) ثبوت ظنی، اثبات قطعی ۔ اور ۔ طلب کف جازم۔

〃 (۴) ثبوت و اثبات دونوں ظنی ۔ اور ۔ طلب کف جازم۔

• اساءت :- (۵) ثبوت و اثبات دونوں قطعی ۔ اور ۔ طلب کف مؤکد غیر جازم۔

〃 (۶) ثبوت قطعی، اثبات ظنی ۔ اور ۔ طلب کف مؤکد غیر جازم۔

〃 (۷) ثبوت ظنی، اثبات قطعی ۔ اور ۔ طلب کف مؤکد غیر جازم۔

〃 (۸) ثبوت و اثبات دونوں ظنی ۔ اور ۔ طلب کف مؤکد غیر جازم۔

• مکروہ تنزیہی و خلاف اولیٰ :-

〃 (۹) ثبوت قطعی، اثبات شکیّ ۔ اور ۔ طلب کف جازم۔

〃 (۱۰) ثبوت شکیّ، اثبات قطعی ۔ اور ۔ طلب کف جازم

〃 (۱۱) ثبوت ظنی، اثبات شکی ۔ اور ۔ طلب کف جازم۔

〃 (۱۲) ثبوت شکی، اثبات ظنی ۔ اور ۔ طلب کف جازم۔

〃 (۱۳) ثبوت شکیّ، اثبات شکی ۔ اور ۔ طلب کف جازم۔

// (۱۴) ثبوت قطعی ، اثبات شکی، اور ۔ طلب کف مؤکد ۔
// (۱۵) ثبوت شکی ، اثبات قطعی، اور ۔ طلب کف مؤکد ۔
// (۱۶) ثبوت ظنی ، اثبات شکی ، اور ۔ طلب کف مؤکد ۔
// (۱۷) ثبوت شکی، اثبات ظنی، اور ۔ طلب کف مؤکد ۔
// (۱۸) ثبوت شکی، اثبات شکی، اور ۔ طلب کف مؤکد ۔
// (۱۹) ثبوت قطعی ، اثبات قطعی ، اور ۔ طلب کف محض ترغیبی ۔
// (۲۰) ثبوت قطعی ، اثبات ظنی، اور ۔ طلب کف محض ترغیبی ۔
// (۲۱) ثبوت قطعی، اثبات شکی، اور ۔ طلب کف محض ترغیبی ۔
// (۲۲) ثبوت ظنی ، اثبات قطعی ، اور ۔ طلب کف محض ترغیبی ۔
// (۲۳) ثبوت ظنی ، اثبات ظنی ، اور ۔ طلب کف محض ترغیبی ۔
// (۲۴) ثبوت ظنی ، اثبات شکی ، اور ۔ طلب کف محض ترغیبی ۔
// (۲۵) ثبوت ظنی ، اثبات شکی، اور ۔ طلب کف محض ترغیبی ۔
// (۲۶) ثبوت شکی ، اثبات قطعی، اور ۔ طلب کف محض ترغیبی ۔
// (۲۷) ثبوت شکی، اثبات ظنی، اور ۔ طلب کف محض ترغیبی ۔

مجھے صرف نمونہ پیش کرنا تھا ۔ جس کے لئے مذکورہ ابحاث کو کافی سمجھتا ہوں ۔ ورنہ ان کی تصانیف خصوصاً فتاویٰ رضویہ" میں کتبِ فقہ اور اقوالِ علماء پر ان کا کلام پھر مباحث کی تحقیق و تنقیح اور واضح و قوی دلائل سے اپنے مدعا کی توضیح اس کثرت سے موجود ہے ۔ کہ ۔ سب کو جمع کیا جائے ۔ تو کئی جلدوں پر مشتمل کتاب تیار ہو جائے ۔ اور ۔ ایک محقق کے لئے برسوں کا کام ہو ۔ تاہم ۔ اس مضمون میں جو چند نمونے پیش کئے گئے ہیں ، اُن سے امام احمد رضا کی جودتِ قلم ، سرعتِ فکر ، دقتِ نظر ، کمالِ استحضار ، اور فقاہت میں رسوخ و تبحر عیاں ہے ــــــــ"

امام احمد رضا اور تجارت و بینکنگ کا نظریہ

ڈاکٹر نعیم عزیزی
۱۰۴، جسولی۔ بریلی شریف

تجارت کی اہمیت وافادیت ہر قوم کے نزدیک مسلم ہے۔ ملک و قوم کی خوش حالی اور معاشی استحکام میں تجارت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ آج امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک جیسے برطانیہ، فرانس، روس، اٹلی اور جرمنی نیز ایشیا میں جاپان تجارت ہی کے سبب دنیا میں چھائے ہوئے ہیں۔ تجارت کی وجہ سے صنعت وحرفت، معاشیات یہاں تک کہ سائنس اور ٹکنالوجی وغیرہ کے میدان میں بھی انقلابات رونما ہو رہے ہیں۔ تجارت کی وجہ سے معاشی طور پر مستحکم ممالک سیاسی اعتبار سے بھی طاقت پکڑ رہے ہیں۔

اسلام میں بھی تجارت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ بعض نے جہاد کے بعد تجارت کو سب سے افضل بتایا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک سے تجارت کی فضیلت واضح ہے۔

"سچا اور دیانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا"

(حاکم ترمذی)

خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور دوسرے بزرگان دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی تجارت فرمایا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کی ہے تجارت ہی کی غرض سے مسلمان عرب سے نکل کر دور دراز ملکوں میں پہنچے اور تجارت کے ساتھ ساتھ تبلیغ کا زبردست کارنامہ بھی انجام دیا۔

البتہ اسلامی اور غیر اسلامی تجارت میں فرق ہے۔ اسلام نے تجارت میں بدعہدی، خیانت فریب، مال میں ملاوٹ، ناپ تول میں کمی بیشی، ذخیرہ اندوزی (Hoarding) اور کالا بازاری (Blach Marketing) اور سودی کاروبار کو ممنوع قرار دیا ہے اور جو چیزیں اسلام میں حرام و ناجائز ہیں، ان کی تجارت بھی حرام و ناجائز ہے البتہ سونے اور ریشم کی تجارت میں حرج نہیں کہ یہ چیزیں عورتوں کے لیے جائز ہیں۔

اسلام نے اس آیت کریمہ:—

"اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو۔ (سورۃ النساء ۲۹- کنزالایمان) کے مطابق تجارت کو دو شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ ۱؎ باہمی رضامندی ۲؎ ایک فریق کا فائدہ دوسرے فریق کے نقصان پر مبنی نہ ہو۔

تجارت کے فروغ میں بینک کلیدی رول ادا کرتے ہیں اس لیے کہ سرمایہ کے بغیر تجارت کا تصور بے کار ہے اور بینک نئے نئے کاروباری امور کو بڑھاوا دینے، کل کار خانوں نیز گھریلو صنعت و حرفت وغیرہ کے لیے تاجروں کو سرمایا فراہم کرتے ہیں۔ موجودہ دور اقتصادی منصوبہ بندی کا دور ہے۔ مختلف ممالک میں ماہرین اقتصادیات ملکی وسائل کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے منصوبہ بندیوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اقتصادی منصوبہ بندی میں منصوبوں کی تکمیل کے لئے کن ذرائع سے رقم حاصل کی جاسکتی ہے اس پر بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ اور اس کا سب سے آسان طریقہ ہے ملکی بچت یعنی ملک میں بچتوں کی ہمت افزائی کی جائے۔

آج ہندوستان میں بھی شہر شہر، گاؤں گاؤں بینکوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ بینک عوام

کی بچت کے سلسلے میں حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور ان کی رقوم ایک متعین منافع (Interest) کی شرح پر بینکوں میں جمع کراتے ہیں اور پھر اس کثیر سرمایہ کو تاجروں، صنعت کاروں کو اپنے متعینہ سود کی شرح پر قرض دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اب حکومت چھوٹے چھوٹے کاریگروں اور معمولی دکان داروں اور گاؤں میں عورتوں تک کو چھوٹے چھوٹے کاروبار کرنے کے لیے قرض دے رہی ہے اور جانے کتنی تجارتی اور صنعتی یونٹیں (Units) قائم ہیں اور کتنی اسکیمیں چلائی جا رہی ہیں۔

اس تمہید سے بتانا مقصود یہ ہے کہ روز بروز تجارت اور بینکاری نظام (Banking systems) کی اہمیت و افادیت بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ تجارت کی اہمیت اور افادیت کو نظر رکھتے ہوئے ۱۴ ویں صدی ہجری کے عظیم مجدد۔ مجدد دین وملت اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہٗ نے بھی مسلمانوں کو تجارت، صنعت و حرفت اور اپنے اسلامی بینکاری نظام (Islamic Banking System) کو فروغ دینے کی طرف متوجہ کیا ہے۔

انہوں نے اپنے مختلف فتاوی اور تصانیف میں تجارت، اقتصادیات و معاشیات اور بینکاری کے نظریوں اور اصولوں پر روشنی ڈالی ہے۔

فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ " المنی والدلرمن عمد منی اِرڈر " عنوان کے تحت تجارتی و بینکاری نظام کے نظریات پر روشنی ڈالی ہے نیز زمین اور مکان کی خرید و فروخت اور رہن وغیرہ کے سلسلے میں مختلف حالات اور شرائط کے ساتھ تجارت کے جائز اور ناجائز ہونے کا حکم صادر فرمایا ہے۔

فتاویٰ رضویہ جلد ۷ میں ص ۱۱۱ تا ۱۱۹ حصص (Share)، بیمہ- (Insurance) - برطانوی ہند میں گورنمنٹ بینکوں اور ڈاک خانوں میں جمع کردہ رقم پر منافع کے حصول پر بحث کی ہے۔

ان سب کے باوصف امام موصوف قدس سرہٗ العزیز نے اپنی ایک تصنیف:- "تدابیر فلاح ونجات و اصلاح" میں ملت کی بحالی کے لیے جو چار نکات پیش کیے ہیں وہ تجارت، معاشیات اور بینکاری نظریہ کے اعتبار سے بڑے ہی گراں قدر ہیں

ہیں۔ جناب امام علیہ الرحمۃ نے بے سود اسلامی بینک کے ذریعہ نفع لینے کے مختلف جائز طریقوں کی بابت اپنی تصنیف "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" کا حوالہ بھی دیا ہے۔

امام احمد رضا نے رسالہ "تدبیر فلاح ونجات واصلاح" میں جو چار نکات پیش فرمائے ہیں وہ اس طرح ہیں :-

۱۔ استثنا ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو، اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے۔ اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں گھر کے گھر تباہ ہوئے اور ہوئے جاتے ہیں، محفوظ رہتے۔

۲۔ اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا۔ اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے۔ یہ نہ ہوتا کہ یورپ و امریکہ والے چھٹانک بھر تانبا کچھ صناعی کی گڑھت کر کے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

۳۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لیے بینک کھولتے۔ سود کو شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے مگر دوسرے سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ "کفل الفقیہ الفاھم" میں چھپ چکا ہے۔ ان جائز طریقوں پر نفع بھی لیتے کہ انہیں فائدہ پہنچتا۔ اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائدادیں بنیوں کی نذر ہوئی چلی جاتی ہیں ان سے بھی محفوظ رہتے۔ اگر مدیون کی جائداد ہی لی جاتی، مسلمان ہی کے پاس رہتی یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنیے چنگے۔

۴۔ سب سے زیادہ اہم، سب کی جان، سب کی اصل اعظم وہ دین متین تھا جس کی رسی مضبوط تھامنے سے اگلوں کو ان مدارج عالیہ پر پہنچایا چار دانگ عالم میں ان کی ہیبت کا سکہ بٹھایا نان شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا اور اسی کو چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہ ذلت میں گرایا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ دین متین علم دین سے وابستہ

ہے۔ علم دین سیکھنا پھر اس پر عمل کرنا اپنی دونوں جہان کی زندگی جانتے وہ انہیں بتا دیتا اندھوا جسے ترقی سمجھ رہے ہو سخت تنزل ہے، جسے عزت جانتے ہو اشد ذلّت ہے۔

گو، چوتھا نکتہ تجارت یا بینکنگ نظام سے متعلق نہیں ہے لیکن قوم مسلم کے لیے اصل اور اہم نکتہ یہی ہے۔ مسلمان کا حقیقی معنی میں مسلمان بن کر رہنا نہایت ضروری ہے۔ دین سے بے بہرہ ہو کر مسلمان دنیوی ترقی بھی نہیں کر سکتا اور نہ ہی وقار کی زندگی گذار سکتا ہے۔ دین سے وابستہ رہ کر جو دنیوی ترقی حاصل ہوتی ہے وہی اصل ترقی اور کامیابی و کامرانی ہے اور غلبۂ اسلام کے ساتھ زندگی گذارنے ہی میں عزت و وقار ہے۔ دین علم دین سے وابستہ ہے اور علم دین مسلمان کے لیے زندگی کے ہر موڑ اور ہر شعبہ میں ضروری ہے۔ تجارت میں بھی علم دین سے واقفیت ضروری ہے تاکہ مسلم تاجر حلال اور حرام کی تمیز کو قائم رکھ سکے۔

امام احمد رضا کے ان چار نکات کے تجزیئے میں اقتصادیات و معاشیات کے ماہر پروفیسر رفیع اللہ صدیقی نے "فاضل بریلوی کے معاشی نکات" نام سے مقالہ پیش فرمایا۔ جسمیں انھوں نے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کی علم معاشیات (Economics) میں بصیرت، ان کے مسلم بینک کے قیام کے نظریہ کی تابانی، ان کی دور اندیشی اور تفکر و تدبّر کو واضح کیا ہے۔ اور یہ حقیقت عیاں کر دی ہے کہ جب جدید اقتصادی نظریات کی ابتدا بھی نہ ہوئی تھی اور بینکاری نظام کو مغربی ماہرین تجارت و اقتصادیات نے اس شدّت سے محسوس تک نہ کیا تھا جو آج وہ عمل میں لا رہے ہیں۔ حضرت فاضل بریلوی نے اس سے تقریباً ۲۵ سال قبل اپنے معاشی نکات اور بینکاری نظام کا نظریہ پیش فرما دیا تھا اور برطانیہ کے مشہور ماہر اقتصادیات جے۔ ایم۔ کینز (J.M. Keynes) کے مشہور زمانہ نظریہ — "روزگار و آمدنی" کے پیش کرنے سے قبل اقتصادیات کا یہ مساوات "پس اندازی = سرمایہ کاری" اپنے اس چار نکاتی پروگرام کے نکتۂ اول کے ذریعہ پیش فرما دیا تھا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ جے ایم کینز کو اس کے نظریۂ "روزگار و آمدنی" پر تاج برطانیہ نے لارڈ کے خطاب سے نوازا (۱۹۳۶ء) جبکہ ۱۹۱۲ء میں پیش فرمودہ معاشی و تجارتی نظریات

کی طرف امام احمد رضا کی قوم نے دھیان تک نہ دیا۔

پروفیسر رفیع اللہ صدیقی شدید رنج و قلق کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"اب اہل دل اور اہل نظر ذرا اس ماحول کو ذہن میں رکھیں جبکہ ۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا خاں نے مسلمانوں کو اس بات پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی کہ وہ غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کریں اور زیادہ سے زیادہ پس انداز کریں۔ کیا آپ اب بھی قائل نہ ہوں گے مولانا کی دوراندیشی کے ؟ کیا اب بھی آپ کو یقین نہ آئے گا کہ مولانا کی دوررس نگاہیں مستقبل کو کتنا صاف دیکھ رہی تھیں! کینز کو اس کی خدمات کے صلے میں اعلیٰ ترین خطاب مل سکتا ہے اس بنا پر کہ اس نے وہ چیز دریافت کرلی تھی جسے چوبیس سال قبل مولانا احمد رضا خاں بریلوی شائع کروا چکے تھے لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے اس طرف ذرّہ برابر توجہ نہ دی۔"

(فاضل بریلوی کے معاشی نکات)

حضرت امام احمد رضا بریلوی کے بینکاری نظام کے نظریے کے بارے میں مزید تحریر کرتے ہیں :۔

"۱۹۱۲ء میں جبکہ اقتصادی تعلیم محدود تھی کسے معلوم تھا کہ تیس چالیس سال کے بعد بچت اور بینک کسقدر اہمیت اختیار کر جائیں گے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے مستقبل میں جھانک لیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو نہ صرف فضول خرچی سے باز رکھنے کی تلقین کی، نہ صرف پس اندازی کی ہدایت کی بلکہ صاحب حیثیت اور دولت مند مسلمانانِ ہند سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے بینک قائم کریں۔ وہ بینک جہاں کم حیثیت کے مسلمان اپنی چھوٹی چھوٹی بچائی ہوئی رقم محفوظ رکھ سکیں اور جہاں سے باصلاحیت مسلمان تاجروں کو سرمایہ فراہم

ہو سکے اور وہ صنعت کاری کے میدان میں ہندوؤں کا مقابلہ ڈٹ کر، کر سکیں ۔"
(فاضل بریلوی کے معاشی نکات)

عصر حاضر کے ایک دانش ور برطانوی نومسلم ڈاکٹر محمد ہارون نے اپنے پانچ انگریزی مقالات کے توسط سے حضرت فاضل بریلوی کے اس چار نکاتی پروگرام کا جائزہ وسیع کینوس پر لیا ہے ۔ انہوں نے ان چار نکات کے ذریعہ امام کے سیاسی معاشرتی نظریات کو اجاگر کرتے ہوئے ثابت کر دیا ہے کہ عہد رضا میں رضا کا یہ چار نکاتی فارمولہ قوم مسلم کی بحالی کا واحد حل تھا اور آج بھی یہی پروگرام ملت کی بحالی کی کلید ہے اور آئندہ بھی اس منصوبۂ رضا پر عمل پیرا ہو کر کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے ۔

راقم الحروف ڈاکٹر محمد ہارون کے ان انگریزی مقالات کا اردو ترجمہ کر کے "امام احمد رضا کا ۱۹۱۲ء کا منصوبہ" نام سے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا ہے اور راقم کا یہ ترجمہ ادارہ مسعودیہ کراچی سے بھی شائع ہو گیا ہے ۔

اب پروفیسر رفیع اللہ صدیقی اور ڈاکٹر ہارون صاحبان کے جائزوں سے الگ ہٹ کر ان چار نکات نیز "رسالہ کفل الفقیہ الفاہم" (اردو ترجمہ) کی روشنی میں امام احمد رضا کے تجارتی اور بینکاری نظریات کا جائزہ لیتے ہیں :-

تجارت کے لئے سرمایہ اور تجارتی اشیاء دونوں لازمی ہیں ۔

تجارتی اشیاء کے لیے زمین کی ضرورت ہوتی ہے ۔ زمین سے ہی غلہ ۔ پھل، پھول ۔ سبزی نیز دیگر خام مال جیسے کپاس، مختلف قسم کے دھات وغیرہ اور پھر خام مال وہ زمین سے حاصل ہوا ہو یا کسی اور ذریعہ سے اس کی تیاری اور اس سے مصنوعات بنانے کے لیے صنعت و حرفت ضروری ہیں سرمایہ کے حصول کا ایک ذریعہ بچی ہے ۔ یعنی آدمی کے پاس خود کاروبار کے لیے ضروری سرمایہ ہو جیسے ظاہر ہے اس نے پس انداز کر کے ہی جمع کیا ہو گا یا پھر دوسرا ذریعہ ہے قرض اور ظاہر ہے مہاجنی قرض تباہی کا باعث بھی ہے اور سود کی لعنت میں بھی گھیرنے والا تیسرا طریقہ ہے بینک سے قرض لیکن یہ اگر آج کی طرح گورنمنٹ بینک سے قرض (Loan) لیا جاتا ہے تو انٹرسٹ (Interest)

یہاں بھی دینا ہوتا ہے اور یہ بھی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں کہ اس بوجھ کو برداشت کر سکے۔

اب آئیے مسلمانوں کے تجارت، صنعت و حرفت اور بینکاری نظام کو امام احمد رضا کے نکات کی روشنی میں دیکھیں کہ کس طرح مسلمانوں کو سود کی لعنت، مہاجنی قرض کی تباہی اور نوکری کرنے یا نوکری تلاش کرنے وغیرہ جیسی زحمتوں سے امام نے بچے رہ کر آزاد اور خوش حال بنے رہنے کا فارمولہ عطا کیا ہے۔

پہلا نکتہ ہے ـــ " ان امور کے علاوہ جنہیں حکومت دخل انداز ہے۔ مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں۔ تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکیں۔

اس نکتہ میں ایک تو فضول خرچی کی مذمت ہے جو بذات خود ایک لعنت ہے۔

دوسرے مقدمہ بازی وغیرہ سے روکتے اور معاملات کو باہم فیصل کرتے میں آپسی میل محبت یعنی قومی اتحاد کا درس بھی ہے اور الجھنوں سے بچاتے ہوئے ذہنی سکون کے حصول کا راستہ بھی۔

امام نے اس نکتہ کے ذریعہ "پس اندازی" کا جو نظریہ واضح کیا ہے وہ جدید اقتصادیات کی جان ہے۔ علم معاشیات کی رو سے سرمایہ کاری بچت ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ یعنی ـــ

بچت (Saving) سرمایہ کاری (Investment)

مسلمانوں کی یہ بچت انفرادی طور سے بھی ہر ایک کے لیے فائدہ مند ہے اور مجموعی طور سے، پوری قوم کے لیے اور یہی قومی سرمایہ افراد قوم کے کاروبار میں کام آسکتا ہے انھیں قرض دیکر لیکن اس قومی سرمایہ کے لیے مسلم بینک کا قیام بھی ضروری ہے اور اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان سرمایہ کی ذخیرہ اندوزی نہ کرکے اسے گردش میں رکھے گا جو ہر ایک کے کام آئے گا۔ اور سرمایہ دارانہ ذہنیت رفتہ رفتہ ختم ہوگی اور سرمایہ دارانہ نظام کو تقویت نہیں ملے گی اور یہی سبب ہے کہ اس نکتہ اوّل میں بچت کی ہدایت کرتے ہوئے نکتہ سوم میں امام نے " توانگر مسلمانوں سے بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس اور حیدر آباد وغیرہ میں اسلامی بینک کے قیام کی اپیل کی تھی "۔

امام نے اس نکتہ میں یہ بھی صاف فرما دیا ہے کہ " آئے دن جو مسلمانوں کی جائدادیں بنیوں

کی نذر ہوئی چلی جاتی ہیں۔ ان سے کبھی محفوظ رہتے ہیں"

مسلمان حکومتی بینک میں جو رقم جمع کرتا ہے اس سے اس کی قوم کو برائے نام فائدہ پہنچتا ہے اور دوسری قومیں پورا پورا فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ اپنے اسلامی بینک میں اپنی رقم جمع ہوتی تو بھلے منافع اتنا ہی یا اس سے کم بھی ملتا لیکن اپنا سرمایہ اپنوں کے کام آتا اور پوری قوم معاشی طور سے مستحکم ہوتی۔

دوسرے نکتہ میں امام احمد رضا نے یہ کہہ کر۔ "اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا۔ اپنی حرفت و تجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے کہ۔ یہ نہ ہوتا کہ یورپ و امریکہ والے چھٹانک بھر تانبا کچھ صناعی کی گڑھت کر کے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں"۔ تجارت کا زرین اصول مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا ہے یا یوں کہئے کہ تجارت کا پورا گُر اور اس کی روح نکال کر پیش کر دی ہے

ا۔ مسلمانوں کو صرف اپنی ہی قوم سے خریداری کی تلقین کی ہے تاکہ اپنی رقم اپنوں ہی میں جائے لیکن دوسروں کو اپنا مال بیچنے کی پابندی نہیں لگائی ہے یعنی اگر اپنوں میں مال کی کھپت نہ ہو سکے تو دوسروں کو فروخت کر سکتے ہیں تاکہ ان کی رقم اپنے پاس آئے۔ آگے یہ بھی فرمایا ہے کہ اپنا خام مال دوسروں کو بالخصوص دوسرے ممالک کو ان کے کسی سامان یا مصنوعات کے بدلے نہ دیا جائے یعنی درآمد۔ (Im-Port) نہ کیا جائے البتہ اپنی مصنوعات کی برآمد کی جا سکتی ہے یعنی اکسپورٹ (Export) اور اس طرح زر مبادلہ (Exchange) میں اضافہ ہوگا یعنی قومی معیشت میں اضافہ ہوگا اور اسے استحکام حاصل ہوگا۔

اپنوں ہی میں کاروبار کا نظریہ دراصل نظریۂ تامین- (Vivw point of Pro-tection) ہے۔ اور تامین اس لیے ضروری ہے کہ ملک کی دولت یا قومی سرمایہ ملک یا قوم ہی میں رہے اس سے روزگار میں اضافہ ہوتا ہے نیز یہ جذبہ حب الوطنی یا ملی و قومی محبت کے فروغ کا باعث ہے۔

امام کے اس نکتہ پر برسوں بعد یورپین نے عمل کیا اور یوروپین مشترکہ منڈی قائم کی جس میں انھیں زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور معاشی استحکام کی بدولت انہیں سیاسی استحکام بھی حاصل ہوا۔

۲۔ ۱۹۱۲ء میں امام احمد رضا کی نگاہ اس پر بھی تھی کہ آج جو مسلم رؤسا نوابی اور زمینداری کے نشہ میں چور ہیں اگر کل یہ چھن گئیں تو یہ ناکارہ محض ہو کر رہ جائیں گے اور بنیا قوم ان پر پوری طرح حاوی ہو جائے گی۔ آخر زمانہ نے دیکھا کہ ہند کی آزادی اور ملک کی تقسیم کے بعد جب ریاستیں ختم ہوئیں اور زمین داری ٹوٹی (Zamindari Abolition) تو غیر مسلم راجاؤں اور زمین داروں نے کمپنیاں اور فیکٹریاں قائم کرلیں لیکن مسلمانوں میں شاذ ہی معدودے چند کاروبار یا تجارت کے میدان میں آئے ہیں۔

۳۔ عہد امام رضا میں، اس سے پہلے اور آج بھی ہر طرح کی حرفت اور کاریگری مثلاً کپڑا سازی (ہر طرح کا کپڑا، ساڑی، تہبند، رومال، دری، قالین، کشمیری شال وغیرہ) کپڑوں کی رنگائی و چھپائی دباغت، (چمڑا سازی) ادویات سازی، عطر سازی، روغن سازی، سرمہ سازی، لکڑی کے فرنیچر، بیت کے کام، زری، زردوزی، پولٹری فارمنگ (مرغی وانڈے کے کام) فیشریز (مچھلی وغیرہ کے کام — Fisheries)، ہر طرح کی برتن سازی، سونے چاندی کے کام، شیشے کے کام، ہیرے و پتھر تراشنے کا کام اور بہت ساری حرفت و کاریگری نیز الیکٹریکل و میکینیکل (بجلی و مکینک والے کام) امور میں بھی مسلمان کاریگر یا مستری کافی آگے تھے۔ اگر ان کے اپنے انڈسٹری قائم کرتے، کاریگری کاموں میں انہیں سرمایہ فراہم کرکے ان کی حوصلہ افزائی کرتے تو ہر طرح کی تجارت اور انڈسٹری پر مسلمان ہی چھائے رہتے۔ اور دوسرے لوگ ان مسلم کاریگروں کا استحصال نہ کر سکتے۔ آج مسلم کاریگروں کا یہی حال ہے۔ ان کی محنت، ذہانت اور کاریگری کا دوسری قومیں استحصال کر رہی ہیں اور ان کے حصے میں صرف مزدوری آتی ہے اور وہ بے چارے ایسے عالم میں استعمال ہونے اور اپنا استحصال کرانے کے لیے مجبور ہیں۔

امام نے مسلم صنعت کاروں کے سرمایہ کے لیے اپنے دو نکات — بچت کرنے اور بینک کے قیام میں پوشیدہ کر دیا تھا۔ کاش اس پر سے پردے اٹھائے جاتے اور امام کے نکات پر عمل کیا جاتا تو آج عالم ہی کچھ اور ہوتا۔

امام احمد رضا کے ۱۹۱۲ء منصوبہ کی خوبی یہ ہے کہ اس پر کسی بھی ملک (مسلم ملک یا سیکولر اسٹیٹ) میں آج یا مستقبل میں (کسی بھی عہد) میں عمل پیرا ہو کر کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

اب جناب امام احمد رضا کے بے سودی اسلامی بینک سے نفع حاصل کرنے کے چند طریقے بھی ملاحظہ کریں۔ امام نے اپنے نکتۂ سوم میں صاف لکھ دیا ہے کہ "سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ "کفل الفقیہ الفاہم میں چھپ چکا ہے"۔

"کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" امام احمد رضا کی وہ معرکۃ الآرا تصنیف ہے جسے انہوں نے ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۵ء میں اپنے دوسرے حج و زیارت کے موقع پر مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران ایک روز اور کچھ گھنٹوں میں تحریر فرمایا تھا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حنفی امام شیخ عبداللہ میر داد بن شیخ الخطباء شیخ احمد ابو الخیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے کرنسی نوٹ سے متعلق امام کی خدمت میں بارہ سوالات پیش کئے تھے۔ اس وقت کرنسی نوٹ وہاں ایک نئی چیز تھی اور فقہائے کرام اس کے احکام کے بارے میں حیران و پریشان تھے۔ امام نے ہر سوال کا ایسا جواب دیا کہ فقہائے کرام بھی مطمئن ہو گئے اور امام کی فقاہت اور ذہانت دیکھ کر حیران بھی ہوئے اور ان کی علمی و فقہی وجاہت کے آگے عقیدت کی گردنیں خم کر دیں۔ امام احمد رضا نے یہ ثابت کر دیا کہ نوٹ حقیقی مال ہے رسید نہیں۔

اسلامی نظام کے نفاذ اور اقتصادی نظام نیز بینکوں کو سود کی لعنت سے پاک کرنے کے لیے یہ ایک عظیم نعمت ہے مسلم علماء میں امام احمد رضا ہی کی ذات ایسی ہے جنہوں نے پہلی بار کرنسی نوٹ کے جواز کا فتویٰ دیا۔ یہ بھی عالم اسلام پر ان کا ایک عظیم احسان ہے۔ امام بلاشبہہ ۱۴ ویں اسلامی صدی کے عظیم مجدد تھے۔ ان کی ہر تصنیف علم و تحقیق کا خزانہ، سچائی کا آئینہ اور ہر تصنیف کا لفظ لفظ معتبر ہے۔ ان کی ہر تصنیف سے ان کے کارنامۂ تجدید کے مہر درخشاں کی شعاعیں پھوٹتی نظر آتی ہیں۔

امام نے یہ رسالہ فصیح عربی میں لکھا تھا۔ شہزادۂ امام احمد رضا حجۃ الاسلام حضرت علامہ محمد حامد رضا خاں قدس سرہٗ نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا۔

سود سے بچنے کے طریقے کہ زیادہ لیں اور سود نہ ہو (رسالہ کفل الفقیہ الفاہم سے)

امام احمد رضا خاں نے اس طرح کے کئی طریقے بتائے ہیں کہ مسلمان اپنے روپیہ پر کسی مسلمان سے

زیادہ لے اور وہ سود بھی نہ ہو۔

حیلہ ۱۰ :۔ ایک شخص کے دوسرے پر دس روپے آتے تھے اس نے یہ چاہا کہ دس کے تیرہ کر لوں ایک میعاد تک ۔ علماء نے فرمایا کہ وہ مدیون سے ان دس کے عوض کوئی چیز خرید لے اور اسپر قبضہ کرلے پھر وہی چیز ان مدیون کے ہاتھ سال بھر کے وعدہ پر تیرہ کو بیچ ڈالے تو حرام سے بچ جائے گا۔ اور اس کا مثل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے ایسا کرنے کا حکم دیا[۱] انتہی۔ اور اسی طرح بحر الرائق نے بحوالہ خلاصہ نوازل امام فقیہہ ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے۔"

(ص ۶۸ - ۶۹، اردو ترجمہ)

اسی طرح اور بھی حیلے بیان فرمائے ہیں۔

اس طرح کے حیلہ کو حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ نے بیع عینہ کا نام دیا ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے عینہ کو جائز کہا ہے اور اس پر ثواب بھی بتایا ہے اس لیے کہ اس میں حرام یعنی سود سے بھاگنا ہے۔

(۲) نوٹ کی بیع کم زیادہ کو جائز ہے۔ حضرت امام احمد رضا لکھتے ہیں :۔ ہاں نوٹ نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہو جائے اس کا بیچنا جائز ہے" (ص ۵۵)

(۳) " ایک روپیہ ایک اشرفی کو بلکہ ہزار اشرفیوں کو بیچنا جائز ہے"۔ (ص ۶۱)

اب اگر مسلم بینک قائم کیا جائے اور کھاتہ داروں کی جمع کردہ رقم پر امام احمد رضا کے بتائے ہوئے شرعی حیلوں سے زیادہ رقم دیا جائے تو جائز ہے۔ لہٰذا مسلم بینک کے ذریعہ بچت کھاتہ (Saving Account) اور ایک مخصوص مدتی رقم (Fixed Deposit) پر نفع دیا جا سکتا ہے اور جمع شدہ سرمایہ سے مسلم تاجروں اور صنعت کاروں کو قرضے بھی نفع پر دیئے جا سکتے ہیں اور اس طرح مسلم تجارت اور صنعت و حرفت کو فروغ دے کر قومی معیشت مستحکم کی جا سکتی ہے اور مسلمان، حکومت یا کسی اور کے آگے نوکری کے لیے گڑگڑانے کے بجائے خود تجارت اپنے ہی فرموں اور انڈسٹریوں میں ملازمت کر سکتا ہے اور اپنی کاریگری، صلاحیت اور محنت کو زیادہ بہتر طریقہ پر زیادہ خوشحالی کے ساتھ بروئے کار لا سکتا ہے۔

زیر نظر رسالہ میں امام احمد رضا نے یہ بھی لکھا ہے کہ خرید و فروخت میں کوشش کرنا، سنت ہے۔ (ص۷۵)

امام احمد رضا قوم کو کفر و شرک کی ہر جکڑ سے آزاد دیکھنا چاہتے تھے اور اسی لیے انہوں نے مسلمانوں کو معاشی طور پر مضبوط ہو کر سیاسی اور سماجی اعتبار سے مضبوط اور طاقت ور ہونے کی تلقین کی ہے اور یہ تجارت اور صنعت و حرفت ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔

ماخذ و مراجع :-

(۱) قرآن کریم (۲) حدیث شریف (۳) فتاویٰ رضویہ جلد ۷، جلد ۱۱ از امام احمد رضا (۴) تدبیر فلاح و نجات و اصلاح (۵) کفل الفقیہ الفاہم از امام احمد (۶) فاضل بریلوی کے معاشی نکات، از پروفیسر رفیع اللہ صدیقی (۷) امام احمد رضا کا ۱۹۱۲ء کا منصوبہ (انگریزی ڈاکٹر محمد ہارون۔ ترجمہ عبد النعیم عزیزی)

○ ○ ○ ○ ○ ○ ○

امام احمد رضا ـــــ اور فوٹو گراف

از:۔ حضرت مولانا محمد شمشاد حسین رضوی بھاگلپوری
پرنسپل مدرسہ شمس العلوم بدایوں، یوپی

امام احمد رضا کی ذات و شخصیت محتاج تعارف نہیں ـــ آپ اگرچہ ہمارے درمیان حیات ظاہری میں نہیں ہیں ـــ مگر ان کے آثار علم و فن ـــ اور نقوش حیات تو ہیں۔ جو امام احمد رضا کی شخصیت ۔ علمی فنی بصیرت کی تفہیم میں مکمل تعاون دے رہے ہیں۔ ان کی ہمہ گیر شخصیت اور بین الاقوامی حیثیت کو اجاگر کر رہے ہیں ـ یہ حقیقت ہے کہ ان کے علمی کارنامے ادبی و تہذیبی خدمات اُفقِ کائنات پر پھیل رہے ہیں۔ اور اپنی پرنور کرنوں سے عالم کے گوشوں کو بقعۂ نور بنا رہے ہیں

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

گلشن علم و فن کا حسن و بانکپن ۔ رونق و بہار ۔ جمال دلربا ـــ اور بادِ صبا کی زلفوں میں رچی ہوئی خوشبوئیں اس بات کا پتہ دیتی ہیں ـــ کہ امام احمد رضا عظیم تھے ـــ اور اس قدر عظیم تھے کہ ان کی عظمت کو ہم کما حقہٗ نہیں جان سکتے ـ اور نہ ہی ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر سکتے ہیں ـــ کیونکہ ان کی ذات و شخصیت ـــ علمی و فنی بصیرت ـــ اور ذہن و فکر کی بلندی کے مختلف پہلو ہیں ـــ ہر پہلو کے مختلف موسم ہیں ـــ ہر موسم کے مختلف رنگ و روپ ہیں ـــ ان کے تمام پہلوؤں ـ اور تمام رنگ و روپ کو پہچاننا کوئی آسان کام نہیں بلکہ ایک امر متعذر ہے ـ اب تک ان کے کمالات، اور علمی معلومات کے بارے میں سینکڑوں کی

تعداد میں کتابیں — مقالات — اور مضامین لکھے گئے — مگر امام احمد رضا کی شخصیت کے اب بھی بہت سے ایسے گوشے ہیں — جو تشنہ ہیں — اور اندھیرے میں پڑے ہوئے ہیں — اور یہ گوشے ہر دور کے قاریوں کو اس بات کی دعوت دے رہے ہیں — کہ

مجھ میں ہزاروں خوبیاں ہیں
دیدنی ہوں اگر غور سے دیکھو میاں

امام احمد رضا کسی ایک علم — اور ایک فن کے ماہر نہیں تھے — بلکہ مختلف علوم وفنون پر مہارت رکھتے تھے — جس فن کی طرف انہوں نے رخ کیا — نہ صرف وہ اس کی گہرائیوں میں پہونچ گئے بلکہ اس کے دامن کو وسیع تر کر دیا — اور اس کے حسن وبانکپن میں اضافہ کر دیا — نیز اس کے لئے کچھ راہوں کو بھی تلاش کیا —

یوں تو دنیا میں بہت سے مفکر ودانش ور ہیں — جو علوم مشرقیہ کے علاوہ علوم عصریہ سے بھی واقف ہیں مگر امام احمد رضا کا کمال اس بات میں ہے کہ انہوں نے علوم عصریہ کو علوم اسلامیہ کا غلام اور اسیر زلف بنا دیا — امام احمد رضا کے فتاوی — اور تالیفات میں علوم عصریہ کی پوری جھلک ملتی ہے — جس سے امام احمد رضا کی شخصیت — علمی، فنی اور تہذیبی بصیرت کا اظہار ہوتا ہے — اس کی مکمل ترسیل — اور ابلاغ کا اندازہ بھی —

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

یہ صرف شعر نہیں — بلکہ ایک حقیقت — اور نفس الامری صداقت کا اظہار بھی ہے — اس سے ان کی شخصیت کا مکمل ابلاغ — مکمل اظہار ہوتا ہے —

میرے سامنے امام احمد رضا کی ایک کتاب — الکشف شافیا فی حکم فونو جرافیا" ہے اس کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ اس کا موضوع کیا ہے — ؟ یہ کتاب ۱۳۲۸ھ میں ایک سوال کے جواب میں لکھی گئی ہے — سوال مندرجہ ذیل ہے —

مسئلہ — از ریاست رامپور محلہ چاہ شور ۱۲ / رمضان مبارک ۱۳۲۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فونو
گراف سے قرآن مجید سننا اور اس میں قرآن شریف کا بھرنا اور اس کام
کی نوکری کرکے یا اُجرت لے کر یا ویسے ہی اپنی تلاوت کا اس میں بھروانا
جائز ہے یا نہیں ـــــ ؟ اور عورت کے ناچ گانے یا مزامیر کی آواز اس
سے سننا بھی ایسا ہی حرام ہے جس طرح اس سے باہر سننا یا کیا ـــــ ؟

دوسری طرف امام احمد رضا کے فکر وخیال میں بعض علمائے اسلام کے وہ خیالات فاسدہ اور افکار کاسدہ بھی تھے ۔ جو فونوگراف کی آواز کو اصل آواز کی مثال اور شبیہہ قرار دیتے ہیں ۔ اور اس کے سہارے فونوگراف سے سنائی دینے والی مزامیر کی آواز ۔ جائز ۔ اور ناچ گانے کو حلال کہتے ہیں ۔

ذرا انصاف سے بتائیے ۔ اس پس منظر میں سوال کا جواب کیسا ہو ـــ سرسری ـــ سطحی نہیں ہرگز نہیں ـــ بلکہ جواب ایسا ہو ۔ جس میں علم وفن ۔ فکر وتدبر ـــ تلاش وجستجو ۔ اور تحقیق وتدقیق کے آثار نئے اور گہرے ہوں ـــ چونکہ امام احمد رضا بہت بڑے مفکر ۔ دانشور تھے ۔ ان کی نظر دقیق ـــ اور فکر عمیق تھی ـــ وہ حقائق وبصائر کے متلاشی تھے ۔ ان کے قلم سے علمی نکات اور رموز واسرار ـــ اور یہ امام احمد رضا کا ہی کمال تھا ۔ فکر وخیال میں ان کے فتاوی سے ایک قسم کا بھونچال آجاتا ہے ـــ اور ذہن ودل انقلاب جیسے پاکیزہ لفظوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں ـــ

میرے خیال میں سوال اس بات کا متقاضی تھا ۔ کہ ـــ

اولاً ـــ فونوگراف سے بحث کی جائے اور اس بات کی وضاحت کی جائے کہ فونوگراف سے آواز سنائی دیتی ہے وہ کیا ہے ـــ اور آواز کس طرح پیدا ہوتی ہے ۔ اور کس طرح سننے میں آتی ہے

ثانیاً ـــ یہ بھی ضروری ہے کہ پوچھے گئے تمام سوالات کے جوابات دیئے جائیں ۔

لیکن فونوگراف سے متعلق کچھ لوگوں کے غلط نظریات اس بات کے متقاضی ۔ کہ صرف سوال کا

جواب نہ دیا جائے بلکہ اس میں اس مسئلہ کے تمام مالہٗ وما علیہ کا تذکرہ کیا جائے۔ ظاہر ہے ان تمام شقوں کو پیشِ نظر رکھ کر جو بحث کی جائے گی ۔۔۔؟ وہ سرسری ۔۔۔ عامیانہ ہوگی ۔۔۔ نہیں بلکہ فلسفیانہ اور سائنسی ہوگی ۔۔۔ اس قسم کی بحثوں میں مفکر کی نظر صرف جواب سوال پر نہیں رہتی۔ بلکہ اس کا مخاطب ہر قاری ہوتا ہے ۔۔۔ اور وہ اپنی تحریر کے توسط سے قاری کے ذہن وفکر کی نشو ونما کرتا ہے اسے ارتقائی منزلوں سے روشناس کراتا ہے ۔۔۔ "الکشف شافیا" میں نہ صرف نفس مسئلہ کا جواب ہے بلکہ اس میں ہر دور کے قاری کی صلاحیت اور ان کی فکری بصیرت کا لحاظ رکھا گیا ہے ۔۔۔ اس میں "معلومات کی تعمیم" اور نئے مسائل وواقعات پر اس کا انطباق بھی پایا جاتا ہے ۔۔۔ نیز اس میں ایسے اصول وکلیات بھی لائے گئے ہیں جن میں ہزاروں پیش آنے والے نئے مسائل کا حل بھی پایا جاتا ہے ۔ یہ ذہن وفکر کی تربیت اور نشو ونما نہیں ہے تو اور پھر کیا ہے ۔۔۔؟

الکشف شافیا ۔۔۔ ایک تجزیاتی مطالعہ

الکشف شافیا حکم فونوجرافیا" ایک معرکۃ الآرا کتاب ہے ۔۔۔ جو معلومات کا خزانہ اور اصول وکلیات کا ایک ذخیرہ ہے۔ دیکھنے والی نگاہیں اس میں فکر وتخیل کے ہزاروں کھلتے ہوئے گلابوں کو دیکھ سکتی ہیں ۔۔۔ اور معلومات کی قوسِ قزح سے خود کو محظوظ کر سکتی ہیں ۔۔۔ اس کتاب میں دو مقدمے چند وجوہ ۔۔۔ اور حکم ہے ۔۔۔ یہ تینوں اپنی اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں۔

کسی بھی موضوع ومضمون کے مقدمات پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور موقوف علیہ بالتمام ہوتی ہیں جب تک ان مقدمات کی تفہیم نہیں ہوگی۔ موضوع کا سمجھنا بہت ہی دشوار ہوتا ہے یہی کچھ صورتِ حال ان مقدمات کی ہے۔ اس لئے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جواب دینے سے قبل مقدمات کو بیان کیا ۔۔۔ آپ فرماتے ہیں۔

> یہاں ہم کو دو باتیں بیان کرنی ہیں ایک یہ کہ فونو سے جو آواز سنی جاتی ہے وہ بعینہٖ اسی آواز کنندہ کی آواز ہوتی ہے جس کی صوت اس میں بھری ہے قاری ہو خواہ متکلم خواہ آلۂ طرب وغیرہ ۔۔۔ دوسرے یہ کہ بذریعہ

تلاوت جو اس میں ودیعت ہوا پھر بتحریک آلہ جو اس سے ادا ہوگا، سنا جائے گا حقیقتاً قرآن عظیم ہی ہے ان دونوں دعوؤں کو دو مقدموں میں روشن کریں

(فتاویٰ رضویہ جلد دہم)

مقدمہ اولیٰ" میں مندرجہ ذیل مسائل زیر بحث آئے ہیں۔

(۱) آواز کیا چیز ہے۔؟ امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

ایک جسم کا دوسرے سے بقوت ملنا جسے قرع کہتے ہیں یا بسختی جدا ہونا جو قلع کہلاتا ہے جس ملائے لطیف ہوا یا آب میں واقع ہو اس کے اجزائے مجاورہ میں ایک خاص تشکل وتکیف لاتا ہے اسی شکل وکیفیت مخصوصہ کا نام آواز ہے۔

(۲)۔ آواز کیونکر پیدا ہوتی ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں

آواز اسی صورت قرع کی فرع ہے کہ زبان وگلوئے متکلم وقت تکلم کی حرکت ہوائے دہن کو بجا کر اس میں اشکال حرفیہ پیدا کرتی ہے یہاں وہ کیفیت مخصوصہ اسی صورت خاصۂ کلام پر بنتی ہے جسے قدرتِ کاملہ نے اپنے ناطق بندوں سے خاص کیا ہے۔

(۳)۔ یہ آواز کس طرح سننے میں آتی ہے اور دہن متکلم سے سامع کے کانوں تک کن وسائط سے پہونچتی ہے اس کی پوری وضاحت امام احمد رضا کی تحریر میں موجود ہے فرماتے ہیں

یہ ہوائے اول یعنی جس پر ابتداءً وہ قرع وقلع ہوا جیسے صورتِ کلام میں ہوائے دہن متکلم اگر بعینہٖ ہوائے گوش سامع ہوتی تو یہیں یہ آواز سننے میں آتی۔ مگر ایسا نہیں۔ لہٰذا حکیم عزت عظمتہ نے اس آواز کو گوش سامع تک پہونچانے یعنی ان تشکلات کو اس کی ہوائے گوش میں بنانے کے لئے سلسلۂ تموج قائم فرمایا۔ ظاہر ہے ایسے نرم وتر اجسام میں تحریک سے

موج بنتی ہے جیسے آب میں کوئی پتھر ڈالو یہ اپنے مجاور اجزائے آب کو حرکت دے گا وہ اپنے متصل وہ اپنے مقارب کو جہاں تک اس تحریک کی قوت اور اس پانی کی لطافت تقاضا کرے یہی حالت بلکہ اس سے بھی زائد ہوا میں ہے کہ وہ لینت ورطوبت میں پانی سے کہیں زیادہ ہے لہٰذا قرع اول سے ہوائے اول متحرک و متشکل ہوئی تھی اس کی جنبش نے برابر والی ہوا کو قرع کیا اس سے وہی اشکال ہوائے دوم میں بنے اس حرکت نے متصل کی ہوا کو دھکا دیا اس سے ہوائے سوم میں مرتسم ہوئے یونہی ہوا کے حصے بروجہ بموج ایک دوسرے کو قرع کرتے اور بوجہ قرع وہی اشکال سب میں بنتے چلے گئے یہاں تک کہ سوراخ گوش میں جو ایک پٹھا بچھا اور پردہ کھچا ہے یہ موجی سلسلہ اس تک پہونچا اور وہاں کی ہوائے متصل نے متشکل اس پٹھے کو بجایا یہاں بھی بوجہ جوف ہوا بھری ہے اس قرع نے اس میں بھی وہی اشکال وکیفیات جن کا نام آواز تھا پیدا کیں۔ اور اس ذریعہ سے لوح مشترک میں مرتسم ہوکر نفس ناطقہ کے سامنے حاضر ہوئیں ۔ اور محض باذن اللہ ادراک سمعی حاصل ہوا ۔

(۴) ۔ آواز اپنے ذریعہ حدوث کے بعد بھی باقی رہتی ہے ۔ بقول حضرت امام اہلسنت

"کہ ذریعہ حدوث قرع و قلع ہیں اور وہ آنی ہیں حادث ہوتے ہی ختم ہو جاتے ہیں اور وہ شکل وکیفیت جس کا نام آواز ہے باقی رہتی ہے کہ وہ تو مسعدات ہیں جن کا معلول کے ساتھ رہنا ضروری نہیں ۔ کیا نہ دیکھا کہ کاتب مرجاتا ہے اور اس کا لکھا برسوں رہتا ہے یونہی زبان بھی ایک قلم ہے ۔"

(۵) ۔ آواز کان کے باہر بھی موجود رہتی ہے ۔ اس بارے میں امام احمد رضا فرماتے ہیں

"ضرور کان سے باہر بھی موجود ہے بلکہ باہر ہی سے منتقل ہوتی ہوئی کان

تک پہونچتی ہے ۔

(۶) مشق ع ۶ کے بارے میں سیدنا اعلیٰ حضرت بریلوی کا ارشاد ہے
" وہ آواز کنندہ کی صفت نہیں ۔ بلکہ ملائے متکیف کی صفت ہے ہوا ہو یا پانی وغیرہ مواقف میں ہے الصوتُ قائمۃ بالھوار ، آواز ، آواز کنندہ کی حرکت قرعی وقلعی سے پیدا ہوتی ہے اس لئے اس کی طرف اضافت کی جاتی ہے ۔ کہ یہ فلاں کی آواز ہے ۔"

(۷) جبکہ وہ آواز کنندہ کی صفت نہیں بلکہ ملائے متکیف سے قائم ہے تو اس کی موت کے بعد بھی باقی رہ سکتی ہے ۔ کما لا یخفی

یہ کل سات وجوہات تھیں جن کے پیش نظر مقدمہ اولیٰ بیان فرمایا گیا ۔ یہ اپنی تعمیم اور شمولیت کے اعتبار سے کافی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اس سے بہت سے مسائل کا استخراج ہو سکتا ہے ۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ امام احمد رضا کے پیش نظر صرف ایک مقصد نہیں تھا بلکہ بہت سے مقاصد تھے ۔ یہ متذکرہ بالا وجوہات کہاں ـــ اور کس پر صادق آسکتی ہیں جو صرف قاری کی صلاحیت ، اور فکر وفن اور ذہنی پرواز پر موقوف ہے ـــ یہ ذہنی نشوونما اور فکری بصیرت کی اعلیٰ مثال ہے ـــ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا کی تحریرات ، فتاویٰ اور مضامین صرف سنی درس گاہوں میں ہی وقیع نہیں ہیں ـــ بلکہ ہر مکتبۂ فکر کے لوگ انہیں احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں ۔ کیا اس میں شک نہیں ہے ـــ نہیں ہرگز نہیں ـــ

مقدمۂ ثانیہ ـــ اور مسائل مجوزہ

مقدمہ ثانیہ بھی قدرے تفصیل ہے اس میں بھی اہم مسائل بیان کئے گئے ہیں جو فکری رویوں سے تعلق رکھتے ہیں امام احمد رضا نے اس مقدمہ میں سائنٹفک انداز فکر اپنایا ہے جو مخاطب اور قاری دونوں کی نفسیات سے مناسبت رکھتا ہے ـــ

اس مقدمہ کے ضمن میں امام احمد رضا فرماتے ہیں ـــ
علماء نے وجود شئی کے چار مرتبے لئے ہیں ۔

(۱) وجود فی الاعیان = جس طرح کہ زید خارج میں موجود ہے

(۲) وجود فی الاذہان = صورتِ زید جو مرادۃ ملاحظہ ہے ذہن میں حاضر ہے

(۳) وجود فی العبارۃ = جیسے زبان سے نام زید لیا گیا

(۴) وجود فی الکتابۃ = جیسے نام زید لکھا گیا =

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے دلائل و براہین سے یہ واضح کیا ہے کہ ہمارے علمار کے نزدیک وجود کے یہ چاروں مرتبے حق اور درست ہیں۔ برخلاف فلاسفہ اور متکلمین کے۔ اس لئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ قرآنی آیات اوراق میں مرقوم، عبارت میں ملفوظ، سینوں میں محفوظ ہیں فونوگراف میں جو آیات بھری جائیں گی. قرآن ہے اور اس سے جو ادا ہوگا قرآن ہی ہوگا۔

امام احمد رضا نے جس مصلحت کے پیش نظر مقدموں کو واضح کیا۔ وہ پوری ہوگئی۔ اور اجمالی طور پر یہ بھی ثابت ہوگیا۔ کہ متکلم اس دنیا میں رہیں یا نہ رہیں، مگر ان کی آواز باقی رہتی ہے کبھی فنا نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آواز حادث کے بعد اپنی بقا میں آواز کنندہ کا محتاج نہیں۔ کیونکہ آواز قائم رہتی ہے صرف ملائے لطیف سے جس طرح تحریرات بعد کتابت کاتب کا محتاج نہیں۔ ہزاروں مصنفین کاتبین، مفکرین، اور ادبی حضرات ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ لیکن ان کے شہہ پارے اور ادبی و فنی کارنامے موجود ہیں۔ اور صبح قیامت تک باقی رہیں گے۔ ملائے لطیف میں مرتسم ہونے والے اشکال حرفیہ، اور کیفیات مخصوصہ کو محفوظ رکھنے کے لئے ہمارے اسلاف و اکابرین کے پاس کوئی آلہ نہیں تھا۔ مگر خدا کا لاکھ لاکھ فضل و احسان ہے کہ اس نے ارباب سائنس کے ذریعہ اس آلہ کی ایجاد کرائی۔ اس آلہ کے نام "فونوگراف" جو خالص سائنسی اصول و نظریہ پر بنایا گیا ہے۔ اب سوال ہوتا ہے "فونوگراف" کیا ہے۔؟ اس کا موجد کون۔؟

فونوگراف۔ کب اور کیسے۔؟

فونوگراف کیا ہے۔؟ اس کی ایجاد کب۔ اور کس طرح ہوئی اس کا موجد کون ہے۔؟ ان سوالوں کے جوابات کے لئے مندرجہ ذیل عبارت پڑھیں۔

تھامس ایڈیسن نے گراموفون کو ایجاد کیا اس کے علاوہ بلب اور سینکڑوں دوسری ایجادات بھی کی تھیں، یہ ایجاد دراصل ٹیلی فون کے سلسلے میں تجربات کے دوران ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ وہ ٹیلی فون کے آلہ پر بول رہا تھا اس میں ایک سوئی لگی ہوئی تھی اسے یہ محسوس ہوا کہ اس کے بولنے سے سوئی میں ارتعاش پیدا ہوا اس چیز کو دیکھ کر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر آواز کی لہریں کسی سوئی کو گھما سکیں اور اس کا نشان بنالیا جائے تو اگر اسی نشان پر سوئی گھمائی جائے تو وہی آواز دوبارہ سنی جاسکے گی۔ اب اس نے ٹیلی فون پر ہیلو کہا اور کہتے وقت اس نے سوئی پر سے تار برقی کا وزن کاغذ پر گذارا اور اس پر نشان بن گیا جب اس نے اسی نشان پر سوئی کو دوبارہ گذارا تو اس میں سے وہی آواز نکلی اس طرح گراموفون کی ایجاد کی بنیاد پڑگئی۔ اب ایڈیسن نے بہت سے تجربوں کے بعد ایک ایسی مشین بنالی جس میں آواز ریکارڈ ہو جاتی تھی اور جب چاہتا وہ اس پر سوئی گھما کر وہی آواز پھر پیدا کر لیتا تھا۔ اس نے اس مشین کا نام فونوگراف رکھا۔ اس کی یہ مشین بہت سادہ تھی اس میں تانبے کا ایک بڑا سا بیلن تھا جسے ہاتھ سے گھمانا پڑتا تھا اس پر ٹین کا ایک خول چڑھا ہوا تھا اس میں ایک سوئی لگی ہوئی تھی سوئی میں کپکپاہٹ پیدا کرنے کے لئے ایک قیف میں بولتے تھے اس سے قیف کی ہوا میں لہریں پیدا ہوتیں۔ اس سے ٹین ہلنے لگتا اور اس کی وجہ سے سوئی میں بھی حرکت ہوتی اس کے ساتھ ساتھ بیلن گھومتا اس طرح اس پر آواز کی لہر کا نشان بن جاتا۔ جب اس نشان پر بیلن دوبارہ گھمایا جاتا اور اس پر سوئی گذرتی تو اس میں پھر اسی قسم کی آواز پیدا ہوئی۔ کیونکہ سوئی کے ذریعہ بیلن میں پھر اسی قسم کی حرکت ہوتی اور اس سے ہوا میں پھر اسی قسم کی لہریں پیدا ہوتیں جیسے پہلے ہوئی تھیں

اس لئے اس سے آواز بھی پہلے جیسی نکلتی اس کے بعد اس مشین کو زیادہ بہتر بنانے کے لئے تجربے ہونے لگے پہلے موم لگا کر نقش کاغذ پر کیا جانے لگا، اس کے بعد لاکھ کی پلیٹ پر آواز کا ریکارڈ بنایا جانے لگا، جو آج بھی استعمال ہوتا ہے اس کے ساتھ مشین میں بھی مختلف تبدیلیاں کی گئیں ایک پرزہ ریکارڈ کو گھمانے کے لئے لگایا گیا ایک آلہ رفتار قائم کرنے کے لئے لگایا گیا آواز کو بڑھانے کے لئے بڑا سا بھونپو بھی اس میں لگایا جاتا تھا۔

(ایجادات کی کہانی)

حضرات! گراموفون کی ایجاد سے متعلق کہانی کو پڑھیں تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ گراموفون میں صرف ملائے لطیف یعنی ہوا کے ان اشکال وکیفیات مخصوصہ جو قرع وقلع کے سبب پیدا ہوتی ہیں اور جو لہروں کی صورت میں ہوتی ہیں ریکارڈ کی جاتی ہیں اور دوبارہ اس آواز کو سنا جاتا ہے کیا گراموفون سے سنی جانے والی آواز اصل آواز کی مثال اور شبیہ ہے نہیں بلکہ آواز وہی ہے جو اصل آواز تھی ہاں فرق صرف اس قدر ہے یہ ہوا نئی ہے اور تموج بھی نیا ہے مگر اشکال وکیفیات وہی ہیں جو اصل آواز کی تھیں۔ یہ سماع معاد اور صدا ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں"

فونو کی تو وضع ہی اعادۂ سماع کے لئے ہوئی ہے۔

امام احمد رضا کا یہ مختصر سا جملہ معنویت کے اعتبار سے بہت زیادہ وسیع ہے کیونکہ ایجاد کی کہانی جو بیان کی گئی اس سے اس مختصر سے جملہ کی تائید ہوتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ شئی اپنی وضع کے محور پر ہی گردش کرتی ہے، فونو کی وضع جب اعادۂ سماع کے لئے ہوئی ہے تو اس سے جو بھی ادا ہو گا وہ سماع معاد ہی ہو گا۔ اسی سماع معاد کا نام صدا ہے، صدا کیا ہے۔؟ اس میں کیا اختلاف پایا جاتا ہے۔؟ اس بارے میں امام احمد رضا فرماتے ہیں =

"گنبد کے اندر یا پہاڑ یا چکنی گچ کردہ دیوار کے پاس اور کبھی صحرا میں بھی خود اپنی آواز پلٹ کر سنائی دیتی ہے جسے عربی میں صدا کہتے ہیں اب

صدا میں علماء مختلف ہیں کہ ہوا اسی تموج اول سے پلٹتی ہے یا گنبد وغیرہ
کی ٹھیس سے وہ تموج زائل ہوکر تموج تازہ اس کیفیت سے متکیف ہوکر
ہم تک آتا ہے مواقف، مقاصد اور ان کی شروح میں ثانی کو ظاہر بتایا ہے
پھر اس ثانی کے بیان میں عبارات مختلف ہیں بعض اس طرف جاتی ہیں کہ پلٹتی
وہی ہوا ہے مگر اس میں تموج نیا ہے۔

بہر صورت صدا میں ہوا بھی نئی ہوتی ہے اور تموج بھی، یا صرف تموج نیا ہوتا ہے یہی کچھ صورت حال فونو کی آواز میں ہے، اس آواز کے صدا ہونے میں کوئی شک وتردد نہیں۔ امام احمد رضا کی کتاب "الکشف شافیا میں، آواز، صدا، سماع معاد اور فونو کے بارے میں جو گفتگو ملتی ہے اس کی بنیادی حیثیت ہے اور موقوف علیہ کا مقام رکھتی ہے" اس کو جانے بغیر گراموفون کے حکم اور جواب سوال کو سمجھنا ذرا مشکل ہے۔ اس کے بعد امام احمد رضا فاضل بریلوی نے "وجوہ شتیٰ" کو بیان فرمایا آپ لکھتے ہیں:

جب یہ مقدمہ جلیلہ عہد ہولیا تو اب بتوفیقہ تعالیٰ تنقیح مسئلہ کی طرف چلئے
یہاں صور عدیدہ اور وجوہ شتیٰ ہیں:

مقدمہ کی تقدیم اور صور عدیدہ کا تاخر طبعی مناسبت پر قائم ہے اور صور عدیدہ کی توضیح خالص فکری انداز پر ہے، جو سائنٹیفک طریقہ کہلاتا ہے، جو ذہنوں میں بہت جلد اترتا ہے اور دلوں کی گہرائیوں کو چھو لیتا ہے۔ یہ طریقہ توضیح مقبول بھی ہے تاثر سے پُر بھی۔

<u>وجہ اول:</u>

وجہ اول یہ ہے کہ پہلے یہ دیکھا جائے کہ گراموفون میں استعمال ہونے والے
پلیٹوں اور گلاسوں میں جو مسالا استعمال ہوتا ہے کیسا ہے، اس میں کوئی
نجس شی تو شامل نہیں۔ کیونکہ یورپ کی اکثر اشیاء میں معہود و مشہور
ان کے یہاں شراب کے برابر حافظ قوت کوئی شی نہیں، ان کی تمام
تحلیلات اور اعمال کیمیاویہ میں اسپرٹ کا استعمال لازم ہوتا ہے"

اگر ایسی بات ہے تو تمام پلیٹ اور گلاس اسپرٹ کے سبب ناپاک اور نجس ہوا اس قرآن شریف کا بھرنا قطعاً حرام ہوگا۔ ان آیات کو بھروانا، اور اس کو تحریک دے کر دوبارہ سنانا نیز اس کام میں جو اعانت کریں گے خواہ اجرت کے عوض، سب کے سب گنہگار ہوں گے ۔

وجہ دوم = گراموفون کا سننا یا سنانا عام طور پر کھیل اور تماشے کے موقع پر ہوتا ہے قرآن عظیم اس لئے نہیں اترا کہ اسے کھیلتے ہوئے سنا جائے۔ لہٰذا اس سے بچنا بہر صورت ضروری ہے، اور آلات ملاہی سے بھی احتراز واجب،

وجہ سوم = تصور کیجئے زید ایک ایسی مجلس میں ہے جو لہو ولعب کا مجمع ہے جہاں تماشے دکھائے جارہے ہیں، اور تماشے کے طور پر قرآن مجید سُنایا جارہا ہے اگر زید کہے میں تو اس مجلس میں قرآن مجید تفکر و تدبر کے طور پر سن رہا ہوں یہ عذر لنگ اس کو کام نہ دے گا نہ ہی گنہگار ہونے سے بچائے گا کیونکہ اولاً تو اس پر ہی کلام ہے کہ اسے لہو ولعب کے مجمع میں شریک ہونا ہی کب روا ہے،

وجہ چہارم = فرض کر لیجئے کہ مجلس میں سب کے سب نیک اور صالح ہیں، متقی اور صاحب زہد وورع ہیں، اور بطور تفکر ہی قرآن مجید سنایا جارہا ہے خاص طور پر فونو کا صرف اس لئے استعمال کیا جارہا ہے کہ اس میں بہترین قاری کی تلاوت بھری ہوئی ہے اس کی آواز میں درد اور دلکشی ہے، اس وجہ چہارم میں دو نظریئے ہیں۔

نظر اولیٰ

اگر فونو سے تلاوت لہو ولعب کی نیت سے سنی جائے تو یہ بدرجہ حرام قطعی ہوگی اور اگر مجمع لہو ولعب ہونے کی وجہ سے اثر پڑے گا تو یہ لغیرہ ممنوع ہوگی مگر یہ دونوں باتیں وجہ سوم میں نہیں کیونکہ مجمع کے افراد سب کے سب نیک اور صالح ہیں، اور مجمع بھی لہو ولعب کا نہیں۔ تو قرآن مجید کا اس میں سننا جائز ہوگا

نظر دقیق :

یہ حکم کرے گی کہ اس میں بھی حرج ہے کیونکہ اس کے بنانے والے مقاصد فاسدہ کے لئے کام کر رہے ہیں ـــ اور وہ مقاصد، روپے کمانا۔ اور دنیاوی لذتوں کو حاصل لہٰذا مقاصد فاسدہ کے سبب اس کا تیار کرنا غلط اور حرام ہے، جو اس سے سن رہے ہیں وہ اس فعل حرام پر اعانت کر رہے ہے اور قاعدہ کلیہ ہے کہ اعانت علی المعصیۃ بھی معصیت میں داخل ہوگا۔

یہ صور عدیدہ مسئلہ کی تنقیح تو کر رہے ہیں، اور جوابات کی طرف اشارہ بھی کر رہے ہیں، مگر نفس جواب ابھی نہیں دیا جارہا ہے مقدمات سے وجوہ شئی تک جتنی عبارات بیان کی گئیں ہر قاری کے ذہن وفکر کے مطابق نہیں بلکہ بعض قاری کے ذہن میں مقدمات سے ہی جواب سمجھ میں آگیا ہوگا جو ذہین اور فطین ہوگا اور جو اشاروں، اور کنایوں کی زبان سمجھتا ہوگا اور جو قاری اوسط ذہن کا مالک ہوگا وہ تنقیح سے تسلی پا گیا ہوگا ـــ مگر ایسا قاری یا مخاطب جو اشاروں کو نہیں سمجھتا ہے اور نہ ہی تنقیح سے کوئی ان کے پلے آئی ہوگی ـــ تو ان کے لئے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے الگ سے خلاصۂ حکم تحریر کر دیا ہے ـــ ارشاد ہوتا ہے۔

یہاں تین چیزیں ہیں، ممنوعات، معظمات، مباحات،،

اول کا سننا مطلقاً حرام و ناجائز اور فونو سے جو کچھ سنا جائے گا وہ بعینہ اس شئی کی آواز ہوگی جس کی صوت اس میں بھری ہے مزامیر ہوں خواہ

ناچ خواہ عورت کا گانا وغیرہ اصل کا جو حکم ہے اس
کا ہوگا دوم بھی مطلقاً حرام و ممنوع اگر پلیٹوں گلاسوں کوئی ناپاکی یا جلسہ
لہو و لعب کا ہے تو تحریم سخت ہے اور خود سننے والوں کی نیت تماشا ہے
تو اور بھی سخت تر اور اگر اس سب سے پاک ہے تو ان کے مقاصد و مفاسد
کی اعانت ہو کر ممنوع ۔
سوم میں تفصیل ہے اگر پلیٹوں میں نجاست ہے تو حروف و کلمات کا ان میں
بھرنا مطلقاً ممنوع ــــ اور اگر نجاست نہیں ہے یا وہ خالی آواز بے حروف
ہے تو جلسۂ فساق میں اسے سننا اہل صلاح کا کام نہیں کہ انہیں اہل باطل
سے اختلاط نہیں چاہیئے اور اگر تنہائی خاص صلحا کی مجلس ہے تو کوئی وجہ
منع نہیں ــــ

ہاں فونوگراف سے آیت سجدہ سننے پر سجدہ تلاوت اس لئے واجب نہیں کہ وہ صدا ہے ،
اور صدا سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں جیسا کہ فقہ کی اکثر کتابوں میں ہے ۔ الکشف شافیا کا
تجزیاتی مطالعہ مکمل ہوگیا ۔ مگر ابھی بہت سے ایسے پہلو ہیں جو ضبط تحریر میں نہیں لائے گئے ہیں
بہر حال اس بات سے انکار نہیں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جو انداز بیان اختیار کیا
ہے وہ صرف کلاسیکی نہیں ــ بلکہ سائنٹیفک انداز ہے ــ نیز اس طریقۂ نگارش میں قاریوں کے
مختلف فکری رویوں ــ اور نفسیاتی پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے ــ
امام احمد رضا فاضل بریلوی نے الملفوظ میں مختصر طور پر گراموفون کا حکم اس طرح بیان فرمایا ہے
ملاحظہ فرمائیں ــ

عرض ۔ گراموفون کا کیا حکم ہے
ارشاد " بعض باتوں میں اصل کا حکم ہے بعض میں نہیں ۔ گراموفون میں
اگر قرآن عظیم ہو اس کا سننا فرض نہیں بلکہ ناجائز ہے اور آیت سجدہ اس
سے اگر سنی سجدہ واجب نہیں حالانکہ یوں استماع قرآن ہیں اور آیت سجدہ

پر سجدہ واجب اور گانے میں اصل کا حکم ہے اگر اصل جائز یہ بھی جائز اگر
اصل حرام یہ بھی حرام مثلاً عورت، مرد کی آواز نہ ہو مزامیر کی آواز نہ ہو استاد
خلاف شرع نہ ہوں تو جائز ہے ورنہ نہیں اور قرآن عظیم کا سننا تو جدا ہے کہ
عبادت ہے اور گراموفون سے سننا لہو ہے کہ وہ موضوع ہی اس لئے ہے
اگرچہ کوئی نیت لہو نہ کرے مگر اصل وضع کی تبدیل کوئی نہیں کر سکتا پھر جو مسالا
اس میں بھرا ہوتا ہے اس میں اکثر اسپرٹ کا میل ہوتا ہے اور اسپرٹ
شراب ہے شراب نجس ہے تو اس میں قرآن شریف کا بھرنا ہی حرام ہوا۔
(الملفوظ حصہ سوم ص ۴۳)

امام احمد رضا — اور عملی تنقید

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنی کتاب الکشف شافیا " میں جہاں اپنے مسلک اور نظریے کا اظہار کیا ہے وہیں تنقید عملی سے بھی کام لیا ہے خیال رہے کہ مطلقاً تنقید انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ مگر ایسی تنقید جو تعمیری ہو اور جس کے سبب انسانیت، شرافت سماج و معاشرہ اور اصلاح عمل و نفس کی جائے تو وہ صرف تقاضائے فطرت انسان نہیں۔ بلکہ فن کی شاہراہ پر گامزن ہوتی ہے اور شخصیت کے تشکیلی عناصر سے ایک اہم عنصر بن جاتی ہے۔ امام احمد رضا صرف علم و فن کی نشر و اشاعت نہیں چاہتے بلکہ سماج و معاشرہ عقیدہ و ایمان، اور عمل و کردار میں سدھار لانا ان کا نصب العین تھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے دور کے سلگتے ہوئے مسائل پر توجہ مرکوز کی — اور اپنی خوبصورت تحریروں، وقیع مقالوں اور معرکۃ الآرا فتاوی سے شبنم افشانی کی تاکہ عقیدہ و ایمان کے ساتھ ساتھ سماج و معاشرہ میں بھی سدھار آئے۔ اور انسانیت خوشگوار ماحول میں سانس لے۔
امام احمد رضا کی عملی تنقید میں حقیقت کا اعتراف اور صحیح نظریے کا احترام پایا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے کسی کی تنقید یا تردید، ذاتی بغض و عناد یا جلب منفعت کے باعث نہیں کی — اور نہ یہ شیوہ

ارباب وفا ہے ۔ وہ تو صرف حق و صداقت کی راہوں میں پڑے ہوئے کانٹوں کو صاف کر دیتے ہیں ۔ تاکہ راہ گیر آسانی سے اپنی منزل مقصود تک چل سکیں، اور کسی قسم کا خطرہ محسوس نہ کریں ۔ آیئے امام احمد رضا کی عملی تنقید کی کچھ جھلک دیکھتے ہیں ۔

اولاً — حضرت علامہ عبد القادر الاھول شافعی نے اپنی کتاب میں جو۔ "القول الواضح فی رد الخطار الفاضح" سے موسوم ہے واضح کیا ہے، فونوگراف سے جو سنا جاتا ہے وہ اصل آواز نہیں، اور نہ اس کے مساوی بلکہ اصل آواز کی حکایت و شبیہہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فونوگراف سے مزامیر، ناچ گانے وغیرہ سنے جاسکتے ہیں" اگر یہ بات مان لی جائے تو سماج و معاشرہ کی کیا صورت حال ہوگی ۔ ؟ وہ ایک کھلی حقیقت ہے، اور زندگی اس قسم کے محرمات میں ملوث ہوکر دم توڑ دے گی ۔ یہ نظریہ صرف غلط ہی نہیں ۔ بلکہ سماج و معاشرہ، عمل و کردار اور حیات انسانی کے لئے بہت زیادہ مضر ہے امام احمد رضا نے اس نظریہ کی تنقید کی ۔ اور فرمایا ۔ فونو کی آواز اصل آواز ہی ہوتی ہے اس لئے جو خارج میں حرام ہے وہ اس سے سننے میں بھی حرام ہوگا ۔ عملی تنقید کی یہ جھلک کس قدر تعمیری ہے ارباب فکر سے مخفی نہیں ۔ عملی تنقید صرف امام احمد رضا کی شخصیت تک محدود نہیں اس خانزان کی روایت ہے اور اب تک چلی آرہی ہے، موجودہ دور میں حضرت علامہ اختر رضا خاں ازھری میں یہ روایت قائم ہے، ابھی چند سال پہلے ٹی وی کا مسئلہ چلا ۔ اور ٹائی کا مسئلہ بھی ابھرا تو حضرت ازہری میاں نے اس کی تنقید کی ۔ ظاہر ہے یہ تنقید حسن و صداقت اور واقعیت کی بنیاد پر قائم تھی ۔ یہی سبب ہے کہ ارباب علم و وفا نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ۔

ثانیاً ۔ فلاسفہ کا ماننا ہے کہ حدیثِ آواز کا سبب بعید، قرع و قلع اور سبب قریب تموج ہے اس کا یہ مطلب ہوا کہ قرع و قلع سے ہوا میں تموج ہوا اور اس سے وہ شکل و کیفیت پیدا ہوتی جو آواز سے موسوم ہے، امام احمد رضا نے اس نظریہ کی تنقید فرمائی آپ لکھتے ہیں

فلاسفہ خطاکاری اور غلط شعاری کے عادی ہیں اور مقتضائے نظر صحیح یہی
ہے اس کیفیت کے حدوث کو قرع و قلع بس ہیں تموج کی حاجت نہیں
اولاً اس لئے کہ قرع و قلع کے سبب ہوا دبیگی اور اپنی لطافت و رطوبت

کے سبب اس کی شکل و کیفیت قبول کرے گی اس کا نام آواز ہے یہ تموج نہیں کیونکہ تموج کے لئے ہوائے متصل کا متحرک ہونا پھر مجاور کا متحرک ہونا ضروری ہے،

ثانیاً:۔ اگر تشکل مقروع اپنے بعد کے اجزائے متحرک کا محتاج ہو تو چاہیئے کہ تموج باقی رہے اور تشکل ختم ہو جائے اگر بعد کے اجزائے متموجہ متشکلہ ہوں تو ان کو اپنے بعد کے اجزا کا تموج درکار ہوگا تو پھر سلسلہ تموج میں تسلسل ہوگا یا سبب سے مسبب متخلف ہوگا یہ دونوں محال ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ سبب قریب صرف اور صرف قرع و قلع ہے ــــ

علمی تنقید کی دو صورتیں پیش کی گئیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے نمونے ہیں جو خوف طوالت سے زیب قرطاس نہیں کئے جا رہے ہیں ــــ

اس تحریر سے اور اس کے تجزیاتی مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہو گیا۔ کہ امام احمد رضا کیا تھے اور ان کی شخصیت میں کیا کیا خوبیاں تھیں ۔ موجودہ دور میں امام احمد رضا کی شخصیت کو مجروح کرنے کی ان گنت کوششیں کی جا رہی ہیں ۔ افسوس ہے اس میں غیر تو غیر اپنے ہی لوگ شریک کار ہیں ۔ جو امام احمد رضا کے سایۂ دامن میں آرام تو کر رہے ہیں مگر انہیں کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں ۔ اس قسم کی حرکت علمی خیانت کے ساتھ ساتھ اخلاقی جرم بھی ہے ــــ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ فرمائے آمین ــــ

❊❊❊

فلسفہ قدیمہ اور الکلمۃ الملہمۃ

از : مولانا محمد محمود احمد برکاتی مصباحی
استاذ جامعہ قادریہ نوریہ قادری نگر بگھاڑ د۔
سون بھدر۔ یوپی۔

فلسفہ کے اوہام باطلہ اور مظنونات فاسدہ نے اسلامی عقائد پر کتنا برا اثر ڈالا ہے اس کا اندازہ اہل فکر و نظر کو بخوبی ہے، یہی سبب ہے کہ فلسفہ کے عہد نقل کی ابتداء ہی سے اسلامی نظریات و عقائد کے پاسبانوں نے اس کی تردید و ابطال کا عمل شروع کر دیا اور امام محقق اسلام کی کتاب "تہافت الفلاسفہ" اور اس قسم کی دوسری تردیدی کتابیں اسی سلسلے کی بعض کڑیاں ہیں لیکن فلسفہ کا بعض وہ عقیدہ مثلاً "جزء الذی لایتجزیٰ" جسے ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے اور جس کے ابطال کے سلسلے میں فلاسفہ نے بڑھ چڑھ کر دلیلیں پیش کیں اور متکلمین نے ان لاجواب کا سکوت سے دے کر عملاً اس کے بطلان پر اتفاق کیا۔ اس کی تردید اکثر کتابوں میں بالکلیہ ہی نہ کی گئی اور اسے لائق اعتناء نہ سمجھا گیا اور بعض حضرات نے کوشش بھی کی تو نامکمل اس لئے ایک ایسی کتاب کی سخت ضرورت تھی جس میں تمام مزعومات کا رد بلیغ اور اسلامی نظریات کا اثبات انیق ہو اور وہ مسائل جس کا حتمی ہونا عند الفلاسفہ مسلم ہو وہ بھی مردود و مخدوش کئے جائیں۔ قوم و ملت کی اس اہم ضرورت کا احساس فرماتے ہوئے اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایک کتاب رد فلسفہ قدیمہ میں لکھی جس کا تاریخی نام "الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لوھاء الفلسفۃ المشئمۃ" ہے جس کا وجود عالم کفر کے لئے اس قدر دھماکہ خیز ثابت ہوا کہ ان کے تمام خیالی قصور و محلات منہدم ہو گئے اور اسلامی نظریات کے اثبات اور فلسفیانہ وسفیہانہ

مزعومات کے ابطال میں اس نے ایسے دلائل حقہ جلوہ فشاں کئے جن کے آگے مجال دم زدن نہ رہی:
اس کتاب کے صفحات کی تعداد ۱۴۰، ہے جس میں ۱۳۱ مقامات ہیں اور اس کے بعض مشمولات یہ ہیں "خدا ذی وقار فاعل مختار ہے وہ واحد فی التخلیق ہے اور اس کی اس صفت میں کوئی بھی شریک نہیں۔ فلک محدِّد جہات نہیں خلاء محال نہیں ہے۔ فلک الافلاک میں میل مستقیم ہے طبیعت کا دائماً اپنے کمال سے دور رہنا محال نہیں۔ فلک کی حرکت ثابت نہیں۔ دو حرکتوں کے درمیان سکون لازم نہیں۔ فلک پر خرق والتیام جائز ہے، فلک بسیط نہیں، قدم نوعی محال ہے، زمانہ کا وجود خارجی ثابت نہیں، زمانہ حادث ہے جزء الذی لایتجزیٰ باطل نہیں اور زمانہ مقدار حرکت نہیں، فوق کا وجود نہیں۔

ان مندرجات کا اجمالاً جائزہ ہی اس تاثر کے لئے کافی ہے کہ دنیائے فلسفہ کی وہ تمام دیواریں جن پر اس کا وجود تھا ڈھادی گئی ہیں۔ اور ہیولیٰ اور صورت جسمیہ سے جسم کے ترکیب وقدم نوعی جیسے مسلّمات عند الفلاسفہ مسائل کا ابطال اس بات کی واضح شہادت ہے کہ کلک رضا کی جولانیوں سے یہ میدان بھی خالی نہیں چونکہ ان تمام کا تفصیلی جائزہ ماہر فن کا کام ہے اس لئے میں نے بعض مسائل کا اجمالاً جائزہ لیا ہے۔

:- عقیدہ اولیٰ :-

خدائے ذوالجلال اپنی خالقیت میں یگانہ و واحد ہے اور کوئی بھی اس کا مشارک نہیں اس بات کا اثبات اسلامی دلائل کی روشنی میں بالکل واضح ہے لیکن اس کے برخلاف فلاسفہ کا یہ گمان فاسد ہے کہ واجب تعالیٰ کے ساتھ عقول بھی شریک تخلیق ہیں۔ اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ واجب تعالیٰ نے صرف عقل اول کو پیدا کیا اور اس کی تخلیق کے بعد (معاذ اللہ) وہ ناکارہ و معطل ہو گیا اس کے بعد عقل اوّل نے عقل ثانی اور فلک تاسع کو پیدا کیا عقل ثانی نے عقل ثالث اور فلک ثامن کو پیدا کیا یونہی ہر عقل ایک عقل اور ایک فلک بناتی آئی یہاں تک کہ عقل تاسع نے عقل عاشر اور فلک و قمر بنائے۔ پھر عقل عاشر نے تمام دنیا کی تخلیق کی اور اسے ہی فعّال مانتے ہیں اور دنیا کے تمام افعال و تغیّرات کا اسے ہی موجد ٹھہراتے ہیں۔

اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں وہ حضرات یہ شبہہ پیش کرتے ہیں کہ :-

" واجب تعالیٰ واحد محض ہے اور جو واحد محض ہوتا ہے اس کے لئے تعدد جہات بھی نہیں ہوتا ہے لہٰذا واجب تعالیٰ کے لئے بھی تعدد جہات نہ ہوگا اور چونکہ خالق اشیاء متعددہ فرض کئے جانے کی صورت میں تعدد جہات لازم آئے گا اس لئے واجب تعالیٰ سے شئی واحد کے علاوہ دوسری اشیاء کا صدور محال ہوگا "

فلاسفہ کے اس فاسد عقیدہ کی تردید سے پہلے سیّدی اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں :-

" وہ خبثاء اپنے اس مطلب پر دلیل لائیں جس کے رد میں ہمارے اکثر متکلمین مصروف ہوئے۔ اور لِمَ و لا نُسَلِّمُ کا سلسلہ بڑھا حالانکہ اس دعویٰ و دلیل کو ہاتھ لگانے کی اصلاً حاجت نہ تھی ہمیں نہ کچھ مضر تھا اور نہ ان مشرکین کو کچھ نافع۔ قریب تر راہ وہ ہے کہ انہیں کی جوتی اور انہیں کا سر ہو " لہ

اب آئیے اور سیدی اعلیٰ حضرت کی وہ دلیلیں ملاحظہ فرمائیے جس میں انھوں نے انہیں کی تلوار سے ان کا سر قلم فرمایا ہے اور فکر و نظر کے آئینے میں اس کی اہمیت کا اندازہ فرمائیے، وہ دلیل یہ ہے

:- برہان اوّل :-

" ان خبثاء سے پوچھا گیا کہ عقل اول بھی تو ایک ہی چیز ہے ان سے دو۔ بلکہ ابن سینا کے ظاہر کلام پر پانچ کیسے صادر ہوئے ؟ (۱) عقل ثانی (۲) فلک تاسع (۳) اس کی صورت (۴) اس کا نفس مجردہ (۵) اور نفس منطبعہ۔ یہ فلسفی اس کا جواب دیتے ہیں کہ اگرچہ اپنی ذات میں واحد ہے مگر جہات و اعتبارات رکھتی ہے اب مضطرب ہوئے بعض نے دو جہتیں رکھیں (۱) امکان ذاتی (۲) اور وجوب بالغیر، ان دو جہتوں سے فلک و عقل اس سے صادر ہوئے بعض چرچے کہ فلک میں نرا جسم ہی تو نہیں نفس بھی ہے تو دو جہتیں کیا کافی ہوں گی ؟ انھوں نے

لہ الکلمۃ الملہمۃ : صفحہ ۲۲ /

تیسری اور بڑھائی (۳) وجود فی نفسہ بعض اور جونکے کہ اب بھی بس نہیں جسم فلک میں دو جوہر دھرے ہیولیٰ وصورت۔ انہوں نے چوتھی اضافہ کی (۴) اس کا اپنے آپ کو موجد جاننا بعض نے شاید یہ خیال کیا کہ ابھی نفس منطبعہ رہ گیا انہوں نے پانچویں اضافہ کی (۵) عقل کا اپنے آپ کو جاننا۔ اس پر ہماری طرف سے کھلا اعتراض ہے کہ اے سفیہو! ایسے جہات کیا مبدءِ اول میں نہیں ؛ اس کا (۱) وجود ہے (۲) وجوب ہے (۳) اپنی ذات کریم کو جاننا ہے (۴) اپنے ہر غیر کو جاننا ہے اس میں بے شمار سبب ہیں (۵) نہ جوہر ہے (۶) نہ عرض (۷) نہ مرکب (۸) نہ متنجزی نہ جسم نہ جسمانی نہ مکانی نہ زمانی نہ ۔ نہ ۔ نہ الیٰ آخرہ خبیثار کا مرجح ظلم کہ عقل میں جہات لے کر اسے تو موجد متعدد اشیاء مانیں اور یہاں محال جانیں" [۲]

یعنی یہ ترجیح بلا مرجح ہے کہ عقل اوّل کو چند جہتوں کے اعتبار سے چند اشیاء کا موجد بنا ڈالو اور واجب جس میں غیر متناہی جہتیں ہیں اس کو ان جہات کے اعتبار سے خالق اشیاء نہ بناؤ اور تمہارے ہی قول کے سبب ترجیح بلا مرجح باطل ہے لہٰذا تمہارا یہ قول بھی باطل ہو گیا کہ واجب تعالیٰ صرف خالق عقل اول ہے اور اس کے بعد وہ ناکارہ و معطل ہو گیا۔ غور فرمائیے۔ کہ آپ نے اس باطل عقیدہ کو کس طور سے باطل فرمایا ہے اور جس کے ذریعے وہ دوسروں پہ بلا وجہ بطلان و فساد کا بوجھ ڈالتے تھے آج وہ خود انہیں کی گردنوں کے لئے وبال بن چکا ہے اس سے فلسفہ کی کم مائیگی اور بے بسی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اب اس دلیل قاہر کے بعد اس کے بطلان کے لئے کسی اور دلیل کی اصلاً حاجت باقی نہ رہی مگر ان کی شکست و ریخت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لئے اس کے بعد بھی آپ نے مزید بارہ دلیلیں اس کے بطلان کے سلسلے میں پیش فرمائی ہیں اور حد تو یہ ہے کہ آپ نے اخیر میں ثابت فرما دیا ہے کہ ان کا یہ قول " لا یصدر عنہ الا الواحد " خود ہی مجمع تناقض و منبع فساد ہے آپ کی بعض دیگر دلیلیں یہ ہیں۔

---

[۲] ایضاً صفحہ ۲۲

-: برہان ثانی :-

ان فلسفیوں نے عقل میں پانچ جہتیں نکالیں (۱) امکان ذاتی (۲) وجوب بالغیر (۳) وجود فی نفسہٖ (۴) اس کا اپنے کو موجد جاننا (۵) عقل کا اپنے آپ کو جاننا۔ ان تمام جہتوں کے اعتبار سے انہوں نے ایسے پانچ اشیاء کا موجد بنایا میں ان سے پوچھتا ہوں کہ عقل اوّل میں جہت تشخص بھی تو ہے لہٰذا تم اسے اس جہت کے اعتبار سے خالق کیوں نہ بنایا؟ یہ ترجیح بلا مرجح کیسی؟ والمستلزم للمحال محال فی نفسہٖ فقولک باطل [۱]

اور سیدی اعلیٰ حضرت اس سے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ یہ فلاسفہ ترجیح بلا مرجح کو باطل قرار دیتے ہیں حالانکہ اگر خود ان کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو ترجیح بلا مرجح سے بھرا پڑا ہے کیونکہ انہوں نے عقل کو جہتِ وجوب بالغیر کے اعتبار سے مثلاً خالق بنایا مگر باوجودیکہ تشخص کی جہت بھی موجود تھی لیکن اس کے اعتبار سے خالق نہ بنایا۔

-: برہان ثالث :-

اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں۔

"اس اشد ظلم کو دیکھئے کہ عقل اول میں اس کا امکان جہت ایجاد رکھا حالانکہ جہتِ افتقار فی الوجود ہے نہ جہت افاضۂ وجود" [۲]

اس دلیل کی وضاحت یہ ہے کہ انہوں نے عقل اول میں امکان کو جہت خالقیت وایجاد بتایا حالانکہ یہ امکان محتاج الی الوجود ہونے کا سبب وجہت ہے، اور جو سبب احتیاج الی الوجود ہو وہ سبب عدم احتیاج الی الوجود (ای الایجاد) کیسے ہوگا یہ تو اجتماع نقیضین وانقلاب ماہیت ہے لہٰذا امکان کو جہت ایجاد قرار دینا درست نہ ہوا۔ اب آئیے اخیر میں آپ کی اس دلیل کا بھی جائزہ لیں جس میں ان کے قول "الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد" ہی کو باطل اور ناکارہ ثابت فرمایا گیا ہے اور جسے سن کر ہر شخص زبان حال سے کہتا نظر آئے گا۔

---

[۱] العلامۃ الملہمۃ صفہ ۲۳ (ملخصاً ومفہوماً) [۲] ایضاً صفہ ۲۵ (بلفظہٖ)

ع - جس پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے :-

:- برھان رابع :-

ہماری گفتگو واحد محض موثر من حیث المؤثر میں ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ ایجاد کے لئے وجود خارجی شرط ہے کیونکہ جو خود موجود خارجی نہ ہو وہ کسی دوسرے پر افاضۂ وجود کیا کرے لہٰذا موجد کے لئے وجود خارجی شرط ہے اور تمہارے ہی قول کے مطابق ہر فاعل و مصدر کے لئے مصدریت ضروری اور بغیر مصدریت کے اس کا فاعل بننا محال ہے۔ لہٰذا اس کے لئے مصدریت بھی ضروری ہے اب واحد محض کے لئے دو چیزیں ضروری ہوئیں (۱) وجود خارجی (۲) مصدریت۔ اس کے علاوہ وہ تمام خصوصیات مثلاً ذات و تقرر و وجود و تعین جو شرائط ایجاد ہیں ان کا بھی اعتبار ہوگا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اب بھی موثر من حیث ھو موثر واحد محض رہا؟ بلاشبہ تمہارا جواب یہ ہوگا کہ وہ واحد محض نہ رہا کیونکہ اس کے ساتھ متعدد جہات پیدا ہوگئیں لہٰذا یہ لازم آیا کہ جسے واحد محض فرض کیا تھا وہ واحد محض نہ رہا اور تمہارے قول "الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد" کا مفہوم اب یہ ہوگا وہ واحد محض جو ہرگز واحد محض نہیں اس سے ایک ہی شئی صادر ہوگی اور یہی اجتماع نقیضین ہے اور ایسا جامع نقیضین کلام خود ہی محال ہوگا نہ یہ کہ اس سے کسی شئی واحد کے صدور اور عدم صدور ہی سے بحث کی جائے [۲]

ذرا اندازہ لگائیے اس دور بین مجاہد کے علم کا اور کشور علم و حکمت کے تاجور کی مہارت کا کہ آپ نے کتنی صفائی اور گہرائی کے ساتھ فلسفہ کا وہ اصلی چہرہ بے نقاب فرما دیا ہے جسے ملمع کاری کے ذریعے چھپا دیا گیا تھا اور جس قاعدہ کے تحت وہ اچھل کود رہے تھے اسے ہی باطل کر کے یہ حقیقت دنیا والوں کی نگاہوں کے سامنے واشگاف کر دی کہ جن شنائع کے سبب وہ دوسروں کے اوپر نقد و جرح کیا کرتے تھے ان کی چند در چند بستیاں ان کے کلام میں آباد ہیں اور یہ کام اسی عالم و ماہر کا ہو سکتا جس کی نظروں میں فلسفہ و منطق کے تمام قواعد و ضوابط

---

[۲] ایضاً صفحہ ۲۶ (مفہوماً ملخصاً)

کی بے ثباتی نمایاں ہو۔

:- عقیدۂ ثانیہ :-

یہ فلفسی اس بات کو بہت شد ومد کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ فلک میں حرکت مستدیرہ ہے اور اس میں مبدا میل مستدیرہ ہے اور میل مستقیم اس کیلئے ممکن نہیں ہے اور اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں متعدد اقسام کی دلیلیں پیش کرتے ہیں مگر سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ان کے اس فاسد عقیدہ کو باطل فرما کر اور اسے کیفر کردار تک پہونچا کر یہ ثابت فرمادیا کہ واقعتہً یہ فلسفہ ایک جنون اور عقل و ذہن کا اختلال ہے اسے حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اب فلاسفہ کی وہ دلیل ملاحظہ فرمائیے جن پر انہیں ناز ہے وہ دلیل یہ ہے۔

"یجب ان یکون فیہ مبدأ میل مستدیر یتحرک بہ والالما کان قابلا للحرکۃ المستدیرۃ لکن الثانی کاذب فالمقدم مثلہ بیان الشرطیۃ انہ لولم یکن فی طبعہ مبدأ میل مستدیر لما قبل المیل من خارج فلا یکون فیہ میل اصلا فیمتنع ان یتحرک علی الاستدارۃ۔ [1]

یعنی اگر فلک میں مبدأ میل مستدیرہ نہ ہو تو وہ حرکت مستدیرہ کے قابل نہ ہوگا کیونکہ اگر اس میں مبدأ میل مستدیر نہ ہو تو وہ خارج سے بھی میل کو قبول نہ کرے گا تو لازم آئے گا کہ اس میں میل ہی ہو اور جب حرکت کا مدار میل پر تھا اور میل ہی نہیں تو مطلقاً حرکت ہی محال ہوگی چہ جائے کہ مستدیرہ یا مستقیمہ لہٰذا لازم آئے گا وہ متحرک مستدیرنہ ہوا اور یہ باطل ہے لہٰذا مستلزم ہونے کے سبب میل مستدیر کا نہ ہونا باطل ہوگا اور ہونا ثابت ہوگا یہ وہ دلیل ہے جس پر فلاسفہ نے اپنے موقف کی صحت کا جزم کرلیا لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اسے بھی باطل فرمادیا اور انہیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا۔ اعلحضرت کی اس دلیل سے پہلے جسم طبعی اور میل مستقیم کی وضاحت

---

[1] ہدایت الحکمت صفحہ ۲۵ مطبع مجیدی۔

ضروری ہے۔

حیزِ طبعی اس کو کہتے ہیں جب جسم اس میں موجود ہو تو اس کی طبیعت اس میں قرار و سکون کی مقتضی ہو اور جب قاسر اس سے علیحدہ ہو تو وہ جسم اس کی طرف حرکت کرنا چاہے ۲؎

میل جسم کے ساتھ اس کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے جسم مبدأ سے منتہیٰ کی طرف حرکت کرنا چاہے اور خروج سے مانع اشیاء کی مدافعت کرے ۳؎

میل مستقیم اس سلسلے میں علامہ عبد الحق خیر آبادی اپنی تصنیف شرح ہدایت الحکمت میں ارشاد فرماتے ہیں۔ " فان کان الجسم مبدأ میل مستقیم جاز مفارقتہ للمکان الطبعی وتحرکہ من غیر المکان الطبعی الیہ بالاستقامۃ ۴؎

یعنی اگر جسم میں مبدأ میل مستقیم ہو تو یہ ممکن ہوگا کہ وہ جسم اپنا مکان طبعی چھوڑ دے اور غیر مکان طبعی سے مکان طبعی کی طرف رجوع بحرکۃ الاستقامۃ کرے" اس قول سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ میل مستقیم بھی بشرط خروج طالب عود ہوتا ہے اور یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس طرح حیز طبعی میں بشرط خروج طلب عود ضروری و لازم ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح میل مستقیم میں بھی بشرط خروج اقتضائے عود ہوتا ہے لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ حیز طبعی و میل مستقیم لازم و ملزوم ہیں کہ ہر حیز طبعی کے لئے میل مستقیم ضروری ہے اور جس مقام پر بھی حیز طبعی کا ثبوت ہوگا میل مستقیم کا بھی ثبوت ہوگا۔ اب جبکہ استلزام ثابت ہوگیا تو اعلیٰحضرت کی وہ دلیل سماعت فرمائیں۔ فرماتے ہیں۔

" فلک الافلاک میں میل مستقیم ہے یہ اسی حیز طبعی کی دلیل سے ثابت ہو کر فلسفہ کی عمارتیں ڈھا گیا۔ حیز طبعی نہیں مگر وہ کہ طبیعت جسم اس میں کون و سکون کی مقتضی ہو یعنی جسم اس میں ہے تو سکون چاہے اور باہر ہو تو عود۔

۲؎ حاشیہ ہدایت الحکمت صفحہ ۱۵ ۳؎ ہدایت الحکمت صفحہ ۴۹ مطبع غوثیہ پبلشر ۴؎ شرح ہدایت الحکمت صفحہ ۶۸

یہی مبدأ میل مستقیم ہے جس کا مقتضیٰ بشرط خروج طلب عود ـــــ کلام اس میں یہ ہے کہ اس کی طبیعت میں کوئی ایسی چیز ہے یا نہیں کہ بر تقدیر خروج اسے پھر یہاں لانا چاہے اگر نہیں تو حیز طبعی نہ ہوا اگر ہاں تو اسی کا نام مبدأ میل مستقیم ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اگر ہر جسم کے لئے حیز طبعی ضروری ہے تو ہر جسم میں مبدأ میل مستقیم ضرور ہے اور فلک بھی ایک جسم ہے تو ضرور وہ بھی مبدأ میل مستقیم رکھتا ہے“ [۱]

اس سے اعلیٰ حضرت یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب حیز طبعی اور مبدأ میل مستقیم میں لزوم ہے اور فلاسفۂ نے ہر جسم کے لئے حیز طبعی ثابت کیا ہے تو ہر جسم کے لئے مبدأ میل مستقیم بھی ضروری ہے اور فلک بھی ایک جسم ہے لہٰذا اس میں بھی مبدأ میل مستقیم ہے پوری دلیل اس طرح ہوگی۔

کل جسم لہٗ حیز طبعی، و کل مالہٗ حیز طبعی، فیہ مبدأ میل مستقید والفلک جسم ففیہ مبدأ میل مستقیم۔

فلسفیوں نے اپنے اس قاعدہ ”لکل جسم حیز طبعی“ کی اختراع کے وقت گمان تک نہ کیا ہوگا کہ کل یہی قاعدہ ہمارے مزعومات کے لئے وبال بنے گا اور اس تلوار کی ضرب ہماری گردنوں پہ بھی پڑے گی مگر سیدی اعلیٰ حضرت نے خود انہی کے قاعدہ سے ان کے قول کا فساد ثابت فرما کر انہیں ایسا زخم لگایا جو شاید کبھی نہ بھرے۔

”عقیدۂ ثالثہ“

ان کا ایک زعم یہ بھی ہے کہ فلک محدّد جہات ہے اور اسی کے ذریعے جہات کی تعین ہوتی ہے اور جب سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس مسئلہ پر اپنے قلم کو حرکت دی تو آپ نے فلک کے محدّد جہات ہونے کو باطل فرمادیا اس دلیل سے پہلے ایک مختصر سی تمہید سماعت فرمائیے حرکت مستقیمہ کے سلسلے میں ہدایت الحکمت میں ہے کہ ـــــ

---

[۱] شرح ہدایت الحکمت صفحہ ۲۵

"فلان کل ما یقبل الحرکۃ المستقیمۃ فانہ متجہ الیٰ جھۃ و

تارک لاخریٰ" لے

یعنی جو بھی حرکت مستقیمہ قبول کرتا ہے وہ ایک جہت سے دوسری جہت کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور جہت اول کا تارک ہوتا ہے" اور اس کے لئے این ومکان کی تبدیلی ضروری ہوگی کیونکہ مکان کی تبدیلی کے بغیر ایک جہت کی طلب اور دوسری جہت کا ترک ہو یہ محال ہے اور جس حرکت میں مکان کی تبدیلی نہ ہو وہ ایک کی طالب اور دوسری جہت کی تارک ہو یہ محال ہے اب چونکہ حرکت مستقیمہ میں تبدیلی جہت ہوتی ہے لہٰذا اس کے لئے تبدیلی مکان بھی ضرور ہوگا اس مختصر سی تمہید سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ حرکت مستقیمہ میں حرکت اینیہ ہوتی ہے۔ اب آئیے وہ دلیل ملاحظہ فرمائیں

"یہاں سے روشن ہوا کہ فلک مُحَدِّدِ جہات نہیں کہ جس میں مبدأ میل مستقیم ہے قابل حرکت اینیہ ہوتا ہے اور حرکت اینیہ نہ ہوگی مگر جہت سے جہت کو تو اس سے پہلے تحدّد لازم لہٰذا اس کا مُحَدِّد ہونا محال" لے اس دلیل کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ فلک میں مبدأ میل مستقیم ہے تو اس کا محدد جہات نہ ہونا بھی روشن ہوگیا بایں طور کہ فلک میں مبدأ میل مستقیم ہے اور جس میں مبدأ میل مستقیم ہوتا ہے وہ حرکت اینیہ کا قابل ہوتا ہے اور حرکت اینیہ میں ایک جہت سے دوسری جہت کی جانب حرکت ہوتی ہے اور جب فلک الافلاک حرکت اینیہ کے قابل ہے تو اس میں بھی ایک جہت سے دوسری جہت کو حرکت ہوگی اور ایسی صورت میں یہ ضروری ہوگا کہ جہات کا تعین اس سے نہ ہو بلکہ اس سے پہلے ہو چکا ہو لہٰذا وہ مُحَدِّدِ جہات نہ ہوگا۔ اور فلک کے مُحَدِّدِ جہات ہونے کے ابطال کی پوری دلیل اس طرح ہوگی ــــــــ

قیاس اوّل الفلک فیہ مبدأ میل مستقیم وکل ما فیہ مبدأ میل

لے شرح ہدایت الحکمت ص ۲۵۵

مستقیم قابل للحرکۃ الاینیۃ فالفلک قابل للحرکۃ الاینیۃ

قیاس ثانی الفلک قابل للحرکۃ الاینیۃ وکل ما قابل للحرکۃ الاینیۃ یکون تارکاً لجھۃ وطالباً لجھۃ اخریٰ فالفلک تارک لجھۃ وطالبٌ لجھۃ اخریٰ۔

قیاس ثالث الفلک طالبٌ لجھۃ وتارک لاخریٰ وکل ما یکون کذا یکون محدد الجہات قبلہ لا بہ فالفلک یکون محدد الجہات قبلہ لا بہ

:- عقیدۂ رابعہ :-

فلک پر خرق والتیام کے جواز کا مسئلہ اس قدر اہم اور مختلف فیہ ہے کہ عدم جواز کی صورت میں یہ فلاسفہ معراج پاک کی نفی کرتے ہیں جس کا ثبوت آیات کریمہ واحادیث طیبہ سے ظاہر وباہر ہے اور ان کے اس عقیدہ سے لوگوں کی غالب اکثریت گمراہی کے راستے پر چل پڑی اور ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جب فلک کا پھٹنا ناممکن ہے تو پھر نبی کریم علیہ افضل الصلوٰت والتسلیم معراج کے لئے آسمان کے اوپر کیسے تشریف لے گئے اس کے عدم جواز کے اثبات کی خاطر فلاسفہ نے جان توڑ کوشش کی اور کیسے کیسے نئے قواعد ڈھالے اس مسئلہ کے گمراہ کن ہونے کے سبب ہمارے اکثر علماء اس کی تردید میں مشغول ہوئے مگر اکثر دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکے کہ "جس رب قدیر نے اسے پیدا کیا ہے وہ اسے موصوف بالخرق بھی بنا سکتا ہے" بلاشبہ یہ باتیں اپنی جگہ پر حق اور مسلّم ہیں مگر عقل کے ان پجاریوں کے سامنے اس کی کیا حیثیت ؟ اس لئے ان کے دلائل وشبہات کی تردید کے لئے عقلی اور فلسفیانہ دلیل ہی اہم اور مفید ثابت ہوسکتی ہے سیّدی اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت قدس سرہ نے اس ضرورت کا احساس فرماتے ہوئے اس مسئلہ پر عقلی دلیلیں بھی پیش فرمائی ہیں۔

۵ے شرح ہدایت الحکمت صفحہ ۲۵

اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں فلاسفہ یہ شبہہ لاتے ہیں

"خرق والتیام صرف حرکت اینیہ سے ہوگا اور حرکت اینیہ نہ ہوگی مگر جہت سے جہت کو محدود دیا اس کے اجزاء حرکت اینیہ کریں تو محدد کے لئے جہت درکار ہوگی نہ کہ اس سے جہت کی حد بندی [1] اور چونکہ فلک کا محدد نہ ہونا باطل ہے۔ لہٰذا خرق والتیام کا ثبوت بھی باطل۔

اس دلیل کی تردید اعلیٰ حضرت عظیم البرکت یوں فرماتے ہیں،

ہم روشن بیانوں سے باطل کر چکے کہ فلک محدد جہات ہے تو وہ دریا ہی جل گیا جس پر یہ اور بیسیوں تفریعات باطلہ تھیں [2]

یعنی ان فلسفیوں نے امتناع خرق والتیام کی دلیل میں کہا تھا کہ لازم آئے گا کہ وہ مُحَدِّدِ جہات نہ ہو اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ہمیں استلزام تسلیم ہے لیکن لازم کا بطلان تسلیم نہیں ہے بلکہ اس کا مُحَدِّدِ جہات نہ ہونا ثابت ہے اور جس اینٹ پر سارے گھر کی بنیاد تھی وہی ریزہ ریزہ ہوگئی تو گھر کا کیا حال ہوگا؟۔ اور ان کی دلیل کے بطلان پر اعلیٰ حضرت یوں رقم طراز ہوئے۔

"ہم روشن بیانوں سے ثابت کر چکے کہ فلک میں میل مستقیم ہے تو ضرور اجزاء میں بھی ہے کہ طبیعت متحد ہے پھر عدم قبول اینیہ کیا معنیٰ؟ [3]

اس کا حاصل یہ ہے کہ ابھی دلیل سے ثابت ہوا کہ فلک میں مبدأ میل مستقیم ہے اور جسم اور اجزاء جسم کی طبیعت متحد ہوتی ہے تو اس کے اجزاء میں بھی مبدأ میل مستقیم ہوگا اور جس جسم میں مبدأ میل مستقیم ہوگا۔ وہ قابل حرکت اینیہ ہوگا لہٰذا فلک اور اس کے تمام اجزاء قابل حرکت اینیہ ہوں گے تو خرق والتیام کا ناممکن ہونا باطل اور اس کا جواز و امکان ثابت۔

ان دلائل کے اجمالی جائزہ ہی سے ہر ذی انصاف یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ وقت کے اس مجاہد اعظم مجدد دین وملت، پاسبان ناموس رسالت نے فلسفہ کے تمام مزعومات کو باطل کر کے ایک بڑی

---

[1] شرح ہدایت الحکمت صفحہ ۷۶ [2] ایضاً صفحہ ۴۷ [3] ایضاً صفحہ ۴۸

جماعت کو گمرہی کے عمیق غار سے بچا لیا ہے۔

ے ایں سعادت بزورِ بازو نیست ∴ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ ...

"عقیدۂ خامسہ"

اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ قدم نوعی ہے اور فلاسفہ اسے ثابت مانتے ہیں اور ان کا مفہوم ان کے وہاں یہ ہوتا ہے کہ اس کے تمام افراد حادث ہیں مگر اس کی طبیعت کلیہ قدیم ہے اور حرکت کی طبیعت کلیہ کے قدیم ہونے کا معنی ان کے نزدیک یہ ہوگا کہ اس کے افراد حرکت میں کوئی حرکت ایسی نہ ہوگی کہ اس سے پہلے غیر متناہی حرکات نہ پائی گئی ہوں اور اس کا کوئی خاص فرد ازلی نہیں مگر اس کی طبیعت ضرور ازلی ہے اسی مفہوم کے اعتبار سے وہ بہت سی چیزوں کو قدیم نوعی مانتے ہیں مثلاً حرکات فلک، ایام زمانہ، حالانکہ یہ خالص جنون ہے کیونکہ اہل عقل و دانش کے یہاں یہ امر مسلّم ہے کہ کسی بھی ماہیت و طبیعت کا وجود اس کے افراد خارجیہ کے ضمن میں ہوتا ہے اور یہ حضرات فلک کی تمام حرکتوں کو حادث ماننے کے باوجود طبیعت حرکت کے ازلی و قدیم ہونے کا ظن فاسد رکھتے ہیں آپ کی دلیل یہ ہے کہ۔

> "بدیہی ہے کہ قدیم ہر حادث پر مقدم ہے اس کے لئے ایک ایسا وقت ضروری ہے کہ وہ ہو اور کوئی حادث نہ ہو کہ اگر ہر وقت اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی حادث رہا تو اسے سب حوادث پر تقدم نہ ہوا حالانکہ بداہۃً سب پر ہے لیکن قدم نوعی کی حالت میں یہی بدیہی باطل لازم آتا ہے" [۱]

اعلیٰ حضرت اس دلیل سے اپنا یہ مقصد ظاہر کرنا چاہتے ہیں اگر قدم نوعی کو فرض کیا جائے تو اس کے ساتھ ایک حادث ہمیشہ ہوگا کیونکہ قدم نوعی کا مفہوم ہی یہی ہے کہ اس کا کوئی فرد حادث ضرور موجود ہو ازل میں بھی اور اگر قدیم کے ساتھ ایک حادث ہمیشہ ہو تو لازم آئے گا کہ وہ تمام حوادث پر مقدم نہ ہو کیونکہ وہ قدیم دیگر حوادث پہ تو مقدم ہوگا مگر وہ حادث جو اس کی معیت میں رہے

۱؎ الکلمۃ الملہمۃ صفحہ ۴۷

اس پر مقدم نہ ہوگا اور اگر مقدم ہو تو وہ حادث اس کے ساتھ نہ رہا کیونکہ معیت تقدم و تاخر کے منافی ہے لہٰذا لازم آئے گا کہ وہ قدیم جملہ حوادث مقدم حالانکہ قدیم کا تمام حوادث پہ مقدم ہونا بداہتہ ثابت ہے لہٰذا قدم نوعی محال ہے۔

نیز انہوں نے اپنے موقف کی وضاحت کے سلسلے میں قول کیا تھا کہ "کوئی حرکت ایسی نہ ملے گی جس کے پہلے غیر متناہی حرکات نہ پائی گئی ہوں" جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ ان کے نزدیک امور غیر متناہیہ کا وجود ممکن ہے۔ سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے برہان تضایف و تطبیق کے ذریعہ ان کے اس ظن فاسد کا بھی رد جمیل فرمایا ہے گویا کہ آپ نے تین دلیلوں سے قدم نوعی ثابت فرما دیا۔

عقیدۂ سادسہ :-

فلاسفہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ زمانہ موجود خارجی ہے مگر اہل سنت اس کے موجود خارجی کی تردید کرتے ہیں فلسفی اپنے دعویٰ کے اثبات میں یہ شبہہ لاتے ہیں (۱) باپ کا بیٹے پر وجود میں تقدم واقعی ہے اور بداہتہً زمانی ہے اگر زمانہ موہوم ہو تو اس کے اعتبار کا تقدم بھی موہوم حالانکہ واقعی ہے۔ اس دلیل کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ باپ کا بیٹے پر تقدم فی الوجود واقعی اور یقینی ہے اور ہر ذی ہوش آدمی اس کا اقرار کرے گا اور یہ امر بھی یقینی ہے کہ وہ تقدم زمانی ہے اب اگر زمانہ ہی موہوم ہو تو زمانی (تقدم) واقعی اور قطعی کیسے ہوگا؟ لہٰذا لازم آئے گا کہ وہ تقدم بھی موہوم ہو حالانکہ اس کا موہوم ہونا باطل اور قطعی اور واقعی ہونا ثابت ہے لہٰذا زمانہ بھی موہوم نہ ہوگا بلکہ موجود خارجی ہوگا ——

ان کی دلیل بادی النظر میں قرین قیاس معلوم ہوتی ہے اور اول نظر میں ہر شخص دھوکہ کھا سکتا ہے لیکن سیدی اعلیٰ حضرت کی نگاہ دوررس نے فکر و نظر کے کیسے کیسے باب وا کئے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد فرماتے ہیں ——

"حل یہ قیاس سابق ہے (دلیل) یہ قیاس مرکب ہے کہ زمانہ مابہ التقدم الواقعی ہے اور مابہ التقدم الواقعی موہوم نہیں اور جو موہوم نہیں موجود خارجی ہے مقدمۂ ثانیہ میں اگر موہوم سے مراد معدوم فی الخارج ہے تو مسلم نہیں بلکہ اوّل

نزاع ہے واقعی کے لئے خاص خارجی کیا ضرور ۔ اور اگر مخترع محض مراد اور مقدمۂ ثالثہ میں معدوم فی الخارج مراد اور مقصود تو یہ مقدمہ مردود ۔ عدم اختراع سے خارجیت کب لازم؟

اور اگر مطلق وجود مراد تو صحیح ہے ۔ اور اب اتنا ثبوت ہوا کہ زمانے کے لئے ایک نحو وجود ہے نہ کہ خاص خارجی ۔ [1]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی اس مجمل دلیل کا حاصل یہ ہے کہ تمہاری دلیل کے تین مقدمات یہ ہیں (اولیٰ) زمانہ مابہ التقدم الواقعی ہے (ثانیہ) مابہ التقدم الواقعی موہوم نہیں (ثالثہ) جو موہوم نہیں وہ موجود ہے (نتیجہ) زمانہ موہوم نہیں موجود ہے اب ہمارا یہ سوال ہے کہ مقدمۂ ثانیہ میں موہوم سے مراد کیا ہے اگر یہ مراد ہے کہ موہوم یعنی موجود فی الخارج نہیں بلکہ موجود خارجی ہے کیونکہ عدم وجود خارجی کی نفی اثبات وجود خارجی ہے ۔ اس صورت میں ہم تمہارا مقدمہ تسلیم نہ کریں گے ۔ بلکہ یہی تو اول نزاع ہے واقعی کے لئے خاص وجود خارجی کیا لازم ہے؟ وجود ذہنی بھی تو ممکن ہے لہٰذا تمہارا قول ۔ "مابہ التقدم الواقعی موجود خارجی" باطل ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس سے مراد مخترع محض ہو اور مقدمۂ ثالثہ میں لفظ موہوم سے مراد معدوم فی الخارج ہو تو حد اوسط مکرر نہ ہوگا کیونکہ اب تمہارے مقدمات یہ ہوں گے "ومابہ التقدم الواقعی لیس بمخترع ۔ ومالیس بمعدوم فی الخارج موجود" اس صورت میں لفظ "لیس بمخترع" جو حد اوسط تھا مکرر نہ ہوگا لہٰذا حد اوسط کی عدم تکرار کے سبب تمہاری دلیل باطل ہوگئی ۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مقدمۂ ثانیہ اور ثالثہ دونوں میں موہوم سے مراد مخترع محض ہے اور مقدمۂ ثالثہ میں لفظ موجود سے مراد موجود خارجی ہو تو اب دلیل یہ ہوگی ۔

"الزمان مابہ التقدم الواقعی ــــ ومابہ التقدم الواقعی لیس بمخترع وما ھو لیس بمخترع موجود خارجی فالزمان موجود خارجی ۔ بایں صورت ہم تمہارا مقدمہ

---

[1] صفحہ ۸۸

ثالثہ تسلیم نہ کریں۔ کیا اختراع کی نفی سے وجود خارجی لازم ہے؟ نہیں! اور بلاشبہ نہیں! بلکہ موجود ذہنی بھی ممکن ہے اور اس سے تمہارا دعویٰ ثابت نہ ہوگا کیونکہ تمہارا مقصود اثبات وجود خارجی تھا نہ کہ وجود ذہنی چوتھی صورت یہ ہے کہ ثانیہ اور ثالثہ میں موہوم سے مخترع محض مراد ہو اور ثالثہ میں موجود سے مراد وجود مطلق ہو تو اب تمہاری دلیل یہ ہوگی۔

"الزمان مابہ التقدم الواقعی۔ وکل مابہ التقدم الواقعی لیس بمخترع وکل ماھو لیس بمخترع موجود (مطلقاً)

اس صورت میں تمہاری دلیل ہمیں تسلیم، مگر تقریب تام نہ ہوگی۔ تمہارا دعویٰ تھا کہ زمانہ موجود خارجی ہے اور اس دلیل سے صرف اتنا ثابت ہوگا کہ زمانہ مطلقاً موجود ہے نہ کہ خاص موجود خارجی ـــــ اس دلیل کے تمام اجزاء پر نظر ڈالتے جائیے اور امام احمد رضا کے تعمق نظر اور ژرف نگاہی کی داد دیتے جائیے کہ وہ فلسفہ کے مزعومات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں اور ان کی دلیل کا کوئی مقدمہ صحیح وسالم نہ چھوڑا۔ (۲) اس سلسلے میں فلسفیوں کی دوسری دلیل یہ ہے کہ

"نافین زمانہ زبان سے انکار کرتے اور دل میں خوب جھوٹے مانتے ہیں اسے دنوں، مہینوں، برسوں کی طرف تقسیم کرتے ہیں وقائع معاملات کی تاریخیں اس سے منضبط کرتے ہیں اپنی عمریں دراز اعداء کی کوتاہ چاہتے ہیں"

اس دلیل کے انداز بیان کو ذہن میں رکھتے ہوئے امام اہل سنت کی جوابی کارروائی کا بھی پُر لطف منظر ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں۔

"گرفتاران زمانہ زبان سے موجود خارجی کہتے ہیں اور دل سے خود اس سے منکر ہیں کہ اسے غیر قار، مقتضی، منصرم مان رہے ہیں"

یعنی یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ موجود خارجی دائما متجدد و منصرم نہیں رہ سکتا اور زمانہ کے موجود خارجی ہونے کے قائلین اسے موجود خارجی تو کہتے ہیں مگر اسے منصرم و متجدد مانتے ہیں تو گویا کہ یہ لوگ اسے صرف زبان سے موجود خارجی کہتے ہیں دل سے نہیں ورنہ اسے متجدد و منصرم نہ مانتے، غور فرمائیے کس قدر پُر لطف انداز سے اعلیٰ حضرت نے ان کی تردید کی ہے انہوں نے کہا تھا کہ یہ نافین زمانہ

زبان سے انکار کرتے ہیں اور دل سے تسلیم کرتے ہیں اور اس کی تردید میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ یہ گرفتاران زمانہ زبان سے اقرار کرتے اور دل سے انکار کرتے ہیں۔

اس دلیل کا اس سے پر لطف جواب اور کیا ہو سکتا ہے؟ فالحمد للہ علیٰ ذالک

مندرجہ بالا گفتگو سے آپ کو ان کی فلسفیانہ صلاحیتوں کا بھرپور اندازہ ہو گیا ہو گا کہ فلسفہ قدیمہ کے مزعومات باطلہ پر آپ کی گرفتیں اتنی سخت ہیں اور اپنے اندر اس قدر قوت واستحکام رکھتی ہیں کہ ان کا جواب حزب مخالف کے پاس سوائے خموشی کے اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا آپ کے اعتراضات ومواخذات جس وقت نظر پر مبنی ہیں وہ واقعی قابل ستائش ولائق صد آفریں ہیں آپ نے چند مسائل مختلف فیہ میں اس قدر معرکۃ الآراء بحثیں کی ہیں جو ماضی میں بھی نظر نہیں آئیں اتنی معیاری بحث کرنا خاص آپ ہی کا حصہ ہے اس بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ــــــ آپ کا فلسفیانہ رنگ بھی فقہی صلاحیتوں سے کچھ کم نہ تھا البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی یہ صلاحیت آپ کی فقہی کتابوں کی عظمت سے دب کر رہ گئی اگر آپ کا حقیقت پسندانہ اور صحیح تعارف کرایا جائے تو بجا طور پر یہ کہنا پڑے گا کہ فاق اقرانہ فی کل فن من المعقول والمنقول بل سبق کثیرا ممن سبقہ من الاجلۃ والفحول ــــــ

حرفِ آغاز

راقم السطور نے ۱۹۷۰ء میں امام احمد رضا (۱۸۵۶ء۔ ۱۹۲۱ء) کے حالات وافکار کی طرف توجہ اور امام احمد رضا کے سیاسی افکار پر پہلی کتاب فاضل بریلوی اور ترک موالات پیش کی جو ۱۹۷۱ء میں مرکزی مجلس رضا لاہور، پاکستان، نے شائع کی؛ اس کے بعد اس کے پانچ ایڈیشن اور شائع ہوئے۔ امام احمد رضا کے حالات وافکار سے متعلق دوسری کتاب فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں پیش کی جو ۱۹۷۳ء میں مرکزی مجلس رضا لاہور نے شائع کی اس کے بعد چار ایڈیشن لاہور سے شائع ہوئے۔ اور چھٹا ایڈیشن المجمع الاسلامی (مبارک پور، بھارت) نے شائع کیا۔

ان دونوں کتابوں کی اشاعت کے بعد پاک وہند اور بیرون ممالک کے دانشوروں کی طرف سے پے در پے تقاضے آنے لگے کہ امام احمد رضا کی جدید انداز پر ایک مبسوط سوانح لکھی جائے۔ راقم السطور نے اس مہم کو سر کرنے کا وعدہ کر لیا اور مواد کی فراہمی شروع کر دی جس کو اب دس برس ہوتے ہیں۔ ابتدا میں یہ اندازہ نہ تھا کہ امام احمد رضا کی شخصیت اتنی ہمہ گیر ہے اور اس کے لئے اتنی وافر مقدار میں مواد مل جائے گا جس کا سنبھالنا مشکل اور سمیٹنا اس سے زیادہ مشکل ہو جائے گا۔ خیال یہی تھا کہ زیادہ سے زیادہ ایک ہزار صفحات پر سوانح لکھ لی جائے گی۔ لیکن مسلسل دس برس تلاش وجستجو کے بعد اب یہ انکشاف ہوا کہ جس کام کو اتنا آسان سمجھتا تھا۔ وہ اتنا آسان نہیں تھا۔

بہر کیف مواد کی فراہمی کے ساتھ ساتھ مطالعہ جاری رکھا۔ امام احمد رضا کی شخصیت اور عہد کے جس پہلو پر نظر جاتی ہے۔ وہ اپنی طرف کھینچتا ہوا معلوم ہوتا۔ چنانچہ ایک سوانح کی جستجو میں مطالعہ کے دوران کئی کتابیں مقالات اور مضامین قلمبند کیے جو شائع ہو چکے۔

مذکورہ بالا دو کتابوں اور مضامین کے علاوہ امام احمد رضا اور ان کے متوسلین و خلفاء وغیرہ سے متعلق مندرجہ ذیل کتابیں اور مقالات بھی شائع ہو چکے ہیں۔

۱ رضا بریلوی، مقالہ، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد دہم، پنجاب یونیورسٹی لاہور

۲ عاشق رسول، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء۔

۳ کلام الامام، مرتبہ ۱۹۷۸ء (غیر مطبوعہ)

۴ عبقری الشرق (انگریزی) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء

۵ عاشق الرسول مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء

۶ حیات فاضل بریلوی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء

۷ تقسیم ہند کی پہلی مفصل تجویز اور اس کا مصنف، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۰ء

۸ اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء۔

۹ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، مطبوعہ لاہور۔

۱۰ حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، لاہور ۱۹۸۱ء

۱۱ گناہ بے گناہی، لاہور ۱۹۸۱ء

۱۲ امام احمد رضا اور عالم اسلام۔ کراچی ۱۹۸۱ء

۱۳ عالمی جامعات اور امام احمد رضا۔ کراچی ۱۹۸۱ء

امام احمد رضا کی سوانح کے مختلف پہلو مستقل کتابوں کے مقتضی ہیں۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں محمد صادق قصوری نے خلفائے اعلیٰحضرت کے عنوان سے امام احمد رضا کے خلفاء کے حالات دو جلدوں میں مرتب کئے ہیں۔ اسی طرح مولانا محمد مرید احمد چشتی نے صرف پاکستان کے دانشوروں کے تاثرات خیابان رضا اور جہان رضا کے عنوانات سے دو جلدوں میں مدوّن کئے ہیں۔ پروفیسر بشیر احمد قادری نے امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر جو تحقیقی مقالہ پنجاب یونیورسٹی (لاہور پاکستان) میں پیش کیا تھا۔ وہ تقریباً ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر حسن رضا خاں نے امام احمد رضا کی فقاہت پر پٹنہ یونیورسٹی (بھارت) میں جو مقالہ ڈاکٹریت پیش کیا تھا وہ ۱۹۸۱ء میں پٹنہ سے شائع ہو گیا ہے۔

اور ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا محمود احمد قادری (بھارت) نے امام احمد رضا کے ۵۰۰ مکتوبات اور ۱۴۵۵ عربی اشعار جمع کئے ہیں۔ اور ایسے اور بہت سے نظائر ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کی شخصیت کا ہر پہلو وسیع اور ہمہ گیر ہے۔

بہرحال حیات امام احمد رضا کے لئے راقم السطور نے جب خاکہ مرتب کرنا چاہا تو محسوس ہوا کہ یہ حیات ایک انسائیکلوپیڈیا کی شکل اختیار کر جائے گی چنانچہ یہی ہوا اور پندرہ ۱۵ مجلدات کا خاکہ مرتب ہوا۔ جو اس وقت پیش کیا جارہا ہے۔ عالمی پیمانے پر اس کے انگریزی اور عربی ترجمے بھی شائع کئے جائیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ پیش نظر خاکہ دس سال مسلسل مطالعہ کے بعد ذہن میں آیا۔ مزید مطالعہ و تحقیق سے افق پھیلتا جائے گا اور امکانات بڑھتے جائیں گے۔ مجوزہ ۱۵ مجلدات میں بعض مجلدات تو ایسی ہیں کہ اگر ان کو وسعت دی جائے۔ تو ایک جلد کی کئی کئی جلدیں بن جائیں گی۔ مگر سردست اختصار و اجمال کو پیش نظر رکھا ہے۔ راقم نے ابواب کی جلی اور بعض مقامات پر ذیلی عنوانات بھی دے دیئے ہیں۔ مزید عنوانات محققین اپنی صوابدید کے مطابق خود قائم کرسکتے ہیں۔ اور چاہیں تو ترمیم و اضافہ بھی کرسکتے ہیں۔

پندرہ مجلدات کو مرتب کرنے کے لئے ایک زمانہ چاہیئے، یہ کام کوئی فرد نہیں بلکہ ادارہ ہی کرسکتا ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری مصروفیات کی وجہ سے منصوبے کی تکمیل راقم کے لئے ممکن نہیں۔ اس لئے اس وقت یہی مناسب خیال کیا کہ اس منصوبے کا خاکہ محققین کے لئے شائع کردیا جائے۔ راقم نے حیات امام احمد رضا ارتقائی صورت میں پیش کی ہے؛ پہلے پہل ایک مختصر سوانح حیات فاضل بریلوی کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اور ایک متوسط سوانح حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے عنوان سے شائع ہوئی ——— اس کے بعد بسیط سوانح پیش کی جائے گی۔ جو تقریباً ہزار صفحات پر مشتمل ہوگی۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

امام احمد رضا کی متعدد سوانح شائع ہوئیں مثلاً۔

۱۔ مولانا محمد ظفرالدین بہاری۔ حیاتِ اعلیٰحضرت (۱۹۳۸) چار مجلدات جلد اوّل؛ (مطبوعہ کراچی)

۲ مولانا محمد صابر قادری نسیم بستوی: مجدّد اسلام، مطبوعہ کان پور ۱۹۶۱ء
۳ مولانا بدرالدین احمد قادری: سوانح اعلحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی ۱۹۶۳ء
۴ شاہ مانا میاں قادری، سوانح حیات اعلحضرت بریلوی ۱۹۷۰ء کراچی (مطبوعہ لاہور)
۵ مفتی غلام سرور قادری: الشاہ احمد رضا خاں بریلوی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء
۶ ابوالمنصور حافظ انور قادری: اعلحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء
۷ مفتی سید شجاعت علی قادری: مجدد الامۃ (عربی) مطبوعہ کراچی ۱۹۷۹ء۔

ان کتب سوانح میں کوئی بھی ایسی نہیں جس کو فنی اعتبار سے امام احمد رضا کی مکمل سوانح کہا جا سکے۔ امام احمد رضا کی شخصیت جتنی عظیم ہے، اتنی عظیم کوئی سوانح شائع نہیں ہوئی۔ ضرورت ہے کہ اس جامع منصوبے پر عمل کیا جائے جو اس وقت پیش کیا جا رہا ہے اس پر عمل کے لئے، مندرجہ ذیل مختلف طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں:۔

۱۔ پاکستان اور ہندوستان کی جامعات باہمی تعاون سے اپنے اپنے ریسرچ اسکالرز سے ایک ایک جلد بطور مقالۂ ڈاکٹریٹ لکھوائیں۔ اس سلسلے میں پٹنہ یونیورسٹی (بھارت) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (بھارت) جبل پور یونیورسٹی، جبلپور (بھارت)، پنجاب یونیورسٹی لاہور (پاکستان) سندھ یونیورسٹی (پاکستان) وغیرہ میں کام ہوا ہے اور بعض یونیورسٹیوں میں ہو رہا ہے۔

۲۔ پاکستان اور ہندوستان اور یورپ و امریکہ وغیرہ کے جو فضلاء انفرادی طور پر کام کر رہے ہیں وہ منتشر موضوعات پر کام کرنے کے بجائے ان مجلدات کو اپنا موضوع تحقیق بنائیں۔ اس سلسلے میں کسی علمی ادارے کو فضلاء کے درمیان رابطہ کے فرائض انجام دینے چاہئیں۔

۳ پاکستان اور ہندوستان کے جو ادارے امام احمد رضا پر کام کر رہے ہیں، وہ باہمی تعاون سے ان مجلدات کو آپس میں تقسیم کر کے اپنے اپنے محققین کے ذریعہ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنائیں۔

۴۔ حکومت پاکستان اور حکومت ہند سرکاری سطح پر اپنے تحقیقی اداروں میں اسکالرز کا تقرر کریں اور اس منصوبے کو مکمل کرائیں۔ اس سلسلے میں ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد (پاکستان) اور انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک، اسٹیڈیز نئی دہلی، (بھارت) کو پیش قدمی کرنی چاہیئے اور سردست کم از کم امام احمد رضا کی قلمی تصانیف کے عکس اپنے ہاں محفوظ کر لینے چاہیئیں۔

مجوزہ مجلدات میں بعض مجلدات تو آسانی سے مرتب ہو سکتی ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ اب تک امام احمد رضا پر جو کتابیں اور مقالات شائع ہوئے ہیں۔ ان میں جو تحقیقی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ ان کو کسی نہ کسی جلد کا جز بنا دیا جائے۔ بہر کیف جو ادارہ یا جامعہ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانا چاہیئے راقم السطور علمی مواد کی فراہمی میں اس سے تعاون کرے گا، ایسے حضرات یا ادارے جو تعاون کے خواہشمند ہوں اور وہ حضرات جن کے پاس امام احمد رضا کی قدیم مطبوعات، رسائل یا نوادرات ہوں وہ مندرجہ ذیل پتے پر راقم سے رجوع فرمائیں۔

آج ہماری ہمتیں اتنی پست ہیں کہ پندرہ مجلدات پر مشتمل امام احمد رضا کا سوانحی انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنا دشوار نظر آ رہا ہے لیکن امام احمد رضا کی ہمت بلند کو مرحبا کہیئے کہ انہوں نے صرف فتاویٰ کی جہازی سائز کی بارہ جلدیں مرتب کر ڈالیں اور ان کے حوصلے کو حبذا کہیئے کہ پچاس سے زیادہ علوم و فنون پر ہزار سے زیادہ کتب و رسائل لکھ ڈالے۔

تحقیقی اور تاریخی نقطۂ نظر سے چودھویں صدی ہجری میں عالم اسلام میں امام احمد رضا کی نظیر نہیں ملتی۔

عقیدت کی بنا پر جسے چاہیئے بڑا کہہ دیجیئے اور جس کے ساتھ چاہیئے۔ مبالغہ آمیز جھوٹی سچی باتیں منسوب کر دیجیئے۔ مگر تاریخ و تحقیق میں عقیدت کا گذر نہیں، یہاں سنی سنائی باتوں پر بھروسہ نہیں کیا جاتا۔ یہاں دیکھا جاتا، یہاں پرکھا جاتا ہے۔ تو جب دیکھنے اور پرکھنے کی بات آتی ہے۔ تو وہی کھرا نظر آتا ہے اور اپنے معاصرین کا امام معلوم ہوتا ہے

اس کی بیشتر نگارشات کے مخطوطات موجود ہیں۔ اس لیے کوئی عقیدت مند شوقِ مسابقت میں کوئی کتاب لکھ کر ان سے منسوب کرنے کی طفلانہ حرکت نہیں کر سکتا اور مصنفات پر تحقیق کرنے والا کوئی محقق، تلاش و جستجو میں اصل متون سے مایوس و محروم نہیں رہ سکتا۔ اس کو امام احمد رضا کے ہاں اہتمام سنین کے ساتھ مخطوطات کا ایک عظیم ذخیرہ نظر آئے گا۔ جو ان کے معاصر کسی بھی عالم کے ہاں شاید ہی نظر آئے۔ المختصر اہل تحقیق متوجہ ہوں گے تو قدم قدم پہ تہ عالم پائیں گے۔ ع

مجبور اک نظر آ، مختار صد نظر آ۔

احقر محمد مسعود احمد
پرنسپل
گورنمنٹ ڈگری کالج، ٹھٹھہ
(سندھ، پاکستان)

پیغامِ رضا کے نمبرات
دار العلوم غوثیہ

مرغیا چک سیتامڑھی سے حاصل کریں۔

دائرہ معارفِ امام احمد رضا

مرتبہ:
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مشمولات

پہلی جلد

(حالات)

پہلا باب

- حسب و نسب
- اسلاف و اجداد
  - شاہان مغلیہ سے تعلق
  - شاہی خلعتیں اور جاگیریں
- مولانا کاظم علی خاں
- مولانا رضا علی خاں
- مولانا نقی علی خاں

دوسرا باب

- ولادت
- تعلیم و تربیت
- اساتذہ
  - فیض سماوی
  - علم لدنی
  - قوت حافظہ

تیسرا باب

- تبحر علمی ــــ علوم نقلیہ
- قرآن
- تفسیر

- اُصولِ تفسیر
- حدیث
- اُصولِ حدیث
- فقہِ حنفی
- فقہِ شافعی
- فقہِ حنبلی
- فقہِ مالکی
- اُصولِ فقہ
- عقائد
- کلام
- قراءت
- تجوید
- حفظ
- صَرف
- نحو
- فرائض
- تصوّف
- سُلوک
- اَخلاق
- تاریخ
- سِیَر
- اَدَب

- لُغت
- فنِ تاریخ
- اَسماءُ الرِّجال
- عُروض و قوافی
- مَعانی
- بَیان
- مُناظَرہ
- نظم و نثرِ عَرَبی
- نظم و نثرِ فارسی
- نظم و نثرِ اُردو
- نظم و نثرِ ہندی
- خطِ نسخ
- خطِ نستعلیق

چوتھا باب

تبحرِ علمی — عُلومِ عقلیہ

- مَنطِق
- فلسفہ
- تکسیر
- ہیأۃ
- حساب
- ہندسہ
- اَرثما طیقی

- جبر و مقابلہ
- حساب سِتّینی
- اُکر
- اَوفاق
- مَناظر و مَرایا
- زیجات
- مثلث کُروی
- مثلث مُسطّح
  - ہیأۃِ جدیدہ
  - جَفر
  - زائچہ
  - مُربّعات
  - نُجوم
  - جَدل

پانچواں باب

- سلاسلِ حدیث و فقہ
  - پہلا سلسلہ ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
  - دوسرا سلسلہ ، محمد عبدالعلی لکھنوی
  - تیسرا سلسلہ ، شیخ عثمان الدمیاطی
  - چوتھا سلسلہ ، شیخ عبدالرحمٰن سراج المکی
  - پانچواں سلسلہ ، شیخ عابد السندی المدنی
  - چھٹا سلسلہ ، شیخ ابوالحسین احمد النوری

چھٹا باب

- حج بیت اللہ شریف و زیارت حرمین شریفین
  - پہلا سفر
  - دوسرا سفر

ساتواں باب

- خلافت و اجازتِ سلاسلِ طریقت
  - سلسلۂ قادریہ
  - سلسلۂ چشتیہ
  - سلسلۂ نقشبندیہ
  - سلسلۂ سہروردیہ
  - دیگر سلاسل

آٹھواں باب

- شمائل و خصائل
  - اتباعِ سنّت
  - تقوٰی شعاری
  - حق گوئی و بیباکی
  - عشقِ رسول
  - خود سپردگی و خود باختگی
  - محبّتِ سادات
    - حسنِ اخلاق
    - حسنِ سلوک
    - اخلاص و ایثار

- دیانت داری
- جلالِ شریعت
- جمالِ طریقت
- دوست نوازی
- استغنا و بے نیازی
- سخاوت و فیاضی
- آئینۂ قرآن

نواں باب

- شب و روز و ماہ و سال
- باجماعت نمازِ پنجگانہ
- اَوراد و وظائف
- طعام و آرام
- اوقاتِ تصنیف و تالیف
- اوقاتِ فتویٰ نویسی
- اوقاتِ تعویذ نویسی
- اوقاتِ ملاقاتِ خاصّہ
- اوقاتِ ملاقاتِ عامّہ
- اَعراس میں شرکت
- سالانہ محفلیں

دسواں باب

- اَسفار
- اجمیر شریف

- امرتسر
- بمبئی
- بھوالی
- بیسل پور
- پٹنہ
- پیلی بھیت
- جبل پور
- رام پور
- کانپور
- کراچی
- کلکتہ
- لاہور
- مارہرہ شریف
- مرادآباد

گیارہواں باب

- سانحۂ ارتحال
- سراپائے امام احمد رضا

دوسری جلد

(مذہبیات)

پہلا باب

پس منظر

- دورِ اکبری
- خواجہ محمد باقی باللہ
- حضرتِ مجددِ الفِ ثانی
- شیخ عبدالحق محدث دہلوی
- دورِ جہانگیر
- شیخ فرید بخاری
- نفاذِ شریعت
- دورِ عالمگیری
- خواجہ محمد معصوم
- خواجہ محمد سعید
- خواجہ سیف الدین
- فتاوٰی عالمگیری

دوسرا باب

- ابنِ تیمیہ
- ابنِ عبدالوہاب نجدی
- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
- شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلوی

- خواجہ احمد سعید دہلوی
- سید احمد بریلوی
- اسمٰعیل دہلوی

تیسرا باب

- عہدِ امام احمد رضا بریلوی کا مذہبی ماحول
- عہدِ امام احمد رضا بریلوی کی مذہبی تحریکیں
- شرعی ایمرجنسی اور امام احمد رضا
- جذباتیت وحدّتِ مزاج
- مذہبی افکار وعقائد
- متصوفانہ افکار وعقائد
- رَدِّ بدعات ومنکرات
- رَدِّ فرقِ باطلہ
- طریقۂ تبلیغ وارشاد
- حفاظتِ حنفیّت

چوتھا باب

- فقہائے سلف سے اختلاف اور اس کی نوعیّت
- امام نووی (حافظ ابوزکریا بن یحییٰ شرف)
- امام طحاوی (ابوجعفر احمد بن محمد الحنفی)
- ابنِ نجیم (زین العابدین بن ابراہیم الحنفی المصری)
- ابنِ ہمام (کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی)
- ابنِ عابدین (محمد امین بن عمر الشامی)
- حسن بن شرنبلالی (حسن بن عمار شرنبلالی)

امام غزالی (ابو حامد محمد بن محمد غزالی)

پانچواں باب

علمائے سلف سے اختلاف اور اس کے اسباب

ابن تیمیہ

ابن عبد الوہاب نجدی

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

سید احمد بریلوی

اسمٰعیل دہلوی

چھٹا باب

معاصر علماء ودانشوروں سے اختلاف اور اس کے اسباب

مولوی نذیر حسین دہلوی

مولوی محمد قاسم نانوتوی

مولوی رشید احمد گنگوہی

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی

مولوی اشرف علی تھانوی

سر سید احمد خاں

مولوی شبلی نعمانی

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی

مولوی محمد علی مونگیری

مولوی محمود حسن دیوبندی

مولوی ابو الکلام آزاد

مولوی عبد الماجد دریا آبادی

مولوی طیب عرب (پرنسپل مدرسہ عالیہ، رام پور)

ساتواں باب

معاصر علماء سے اختلاف رائے اور اس کے اسباب

مولانا عین القضاۃ لکھنوی

مولانا عبدالحی فرنگی محلی

مولانا شاہ سلیمان پھلواروی

مولانا محمد انوار اللہ حیدر آبادی

مولانا عبدالمقتدر بدایونی

مولانا عبدالباری فرنگی محلی

مولانا لطف اللہ علیگڑھی

مولانا معین الدین اجمیری

مولانا نثار احمد کانپوری

مولانا عبدالغفار رام پوری

مولانا عبدالماجد بدایونی

مولانا محمد علی جوہر

آٹھواں باب

امام احمد رضا کے متعاقبین

مولوی حسین احمد دیوبندی

مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگوی

مولوی بشیر الدین قنوجی

مولوی محمد منظور نعمانی

نواں باب

- بریلوی اور دیوبندی امتیازات
- اہل سنت ــــ ایک اساسی جماعت

دسواں باب

- فرقِ باطلہ امام احمد رضا کی نظر میں
- نصرانی شعار امام احمد رضا کی نظر میں
- مشرکانہ شعار امام احمد رضا کی نظر میں
- یہود و ہنود اور نصاریٰ امام احمد رضا کی نظر میں

گیارہواں باب

- عہدِ امام احمد رضا کے مسلم مذہبی ادارے
- عہدِ امام احمد رضا کے سُنّی مذہبی ادارے
- دار العلوم منظرِ اسلام، بریلی
- جماعت اہلِ سنّت، بریلی
- جماعت رضائے مصطفےٰ، بریلی

تیسری جلد

(فقہیات)

پہلا باب

فتاوٰی رضویہ ——— ایک فقہی شہ کار

دوسرا باب

امام احمد رضا کے عربی فتوے

تیسرا باب

امام احمد رضا کے فارسی فتوے

چوتھا باب

امام احمد رضا کے اردو فتوے

پانچواں باب

امام احمد رضا کے انگریزی فتوے

چھٹا باب

امام رضا کے منظوم فتوے

ساتواں باب

خصائص فتاوٰی

پاسِ روایت

پاسِ درایت

طریقۂ استدلال

طریقۂ استنباط

طریقۂ استخراج

- معیارِ تحقیق
- اندازِ تحقیق
- کثرتِ دلائل وشواہد
- کثرتِ حوالہ جات
- وسعتِ نظری
- دقتِ نظری
- اندازِ نقد ونظر
- ضمنی مسائل پر بحث
- احاطۂ سوال
- فقیہانہ جواب
- تفصیل وتفہیم
- اقوالِ متباینہ میں ترجیح
- دلائلِ متعارضہ میں تطبیق
- مذاہبِ اربعہ پر عبور
- تنقیحِ مسائل
- تطفلات ومعروضات
- مسائلِ جدیدہ
- مجتہدانہ شان
- حکیمانہ شان
- مفتیانہ شان
- پایۂ تحقیق
- قوتِ فیصلہ

اٹھواں باب

- فتاویٰ رضویہ ——— اور
- علمِ قرآن
- علمِ تفسیر و اصولِ تفسیر
- علمِ فقہ و اصولِ فقہ
- علم الفرائض
- قرأت و تجوید
- لغت و علم الحروف
- تصوف
- سیر و تاریخ
- اسماء الرجال
- معانی بیان

نواں باب

- فتاویٰ رضویہ ——— اور
- فلسفہ و منطق
- علمِ کلام
- علمِ توقیت
- علمِ ہندسہ
- علمِ ہیأۃ
- علمِ نجوم
- علمِ ارثماطیقی
- علمِ طبیعیات

- علم طبقات الارض
- علم فلکیات
- علم مناظر و مرایا
- علم جغرافیہ
- جبر و مقابلہ
- علم طب

دسواں باب

امام احمد رضا کے مستفیدین

- مولانا عبد اللہ میرداد (امام مسجد حرام، مکہ معظمہ)
- مولانا حامد احمد جداوی (استاد عبد اللہ میرداد، مکہ معظمہ)
- مولانا اسمٰعیل خلیل مکی (حافظ کتب الحرم، مکہ معظمہ)
- مولانا وصی احمد محدث سورتی
- مولانا شاہ کرامت اللہ دہلوی
- مولانا انور شاہ کشمیری
- مولانا ہدایت رسول رام پوری
- مولانا سراج احمد خانپوری
- مولانا محمد میاں مارہروی
- مولانا سید محمد آصف کانپوری
- مولانا فضل احمد لدھیانوی
- مولانا عبد الغنی امرتسری
- مفتی محمد برہان الحق جبلپوری
- مولانا حبیب اللہ میرٹھی

- مولانا محمد صدیق سندھی
- مولانا محمد عبدالکریم درس سندھی
- مولانا محمد ظفرالدین بہاری
- مولانا عرفان علی بیسل پوری
- پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری
- مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی
- مولانا محمد نعیم الدین مرآبادی
- مولانا محمد امجد علی اعظمی
- مولانا محمد دیدار علی شاہ الوری

گیارہواں باب

- فتاوٰی رضویہ کا معاصر مجموعہ ہائے فتاوٰی سے تقابل
- فتاوٰی مولوی نذیر حسین دہلوی
- فتاوٰی شاہ محمد مسعود دہلوی
- فتاوٰی مولوی ارشاد علی رام پوری
- فتاوٰی مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری
- فتاوٰی مولانا عبدالحی فرنگی محلی
- فتاوٰی مولانا شاہ کرامت اللہ دہلوی
- فتاوٰی مولوی رشید احمد گنگوہی
- فتاوٰی مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی
- فتاوٰی مولوی اشرف علی تھانوی
- فتاوٰی مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی
- فتاوٰی مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی
- فتاوٰی مولانا سراج احمد خانپوری
- فتاوٰی مولانا عبدالغفور ہمایونی سندھی

چوتھی جلد

(سیاسیات)

پہلا باب

دورِ اکبری اور حضرت خواجہ باقی باللہ

دوسرا باب

دورِ جہانگیری اور حضرت مجدد الفِ ثانی

تیسرا باب

دورِ عالمگیری اور نفاذِ شریعت اسلامیہ

چوتھا باب

زوالِ سلطنتِ مغلیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

پانچواں باب

سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل دہلوی کی تحریک

چھٹا باب

انقلاب ۱۸۵۷ء اور علمائے اہلِ سنت

- پیر احمد اللہ شاہ مدراسی
- مولانا فیض احمد بدایونی
- مولانا فضلِ حق خیرآبادی
- مولانا کفایت علی کافی
- مفتی صدر الدین آزردہ
- مفتی عنایت احمد کاکوروی
- مولانا امام بخش صہبائی

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

فقیر عبد المصطفی احمد رضا قادری بریلوی غفر اللہ تعالی لہ وحقق املہ گوید این
رسالہ ایست در تفصیل استخراج تقویم وغیرہ کواکب رصیدیہ میل و مطالع مر آنہا کہ
طریق سوم ست از طرق اربعہ او در آنکہ تقویم کردہ رسالہ خود مسمی المطالع
للتقویم والطالع آوردہ ایم می خواہیم کہ از صور ممکنہ را احاطہ کنیم و بر ہر صورت
برہان ہندسی آریم تا بیان مفصل مدلل شود و با ستیعاب ہمہ اختلافات الوقوع
کامل و باللہ الاستعانة ومنہ الاعانة وصلی اللہ تعالی وبارک و
سلم علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ وعظم وکرم
بدانکہ مطالع طرح آغاز و سر ہر یکے از ارباع معدل باشد یا غیر آنست علی الاول
اخذ الاعتدالین راس الحمل و راس المیزان بود کہ منجمان بتحویل ساعات صفر و دوازدہ
ساعت خوانند یا نظیرہ احد الانقلابین راس السرطان و راس الجدی کہ شش
و ہژدہ ساعت عبارت کنند علی الثانی کوکب بےمیل باشد یا غیر علی الاول میل در
جہت میل غیر باشد اعنی مطالع از نصف اول معدل صفر تا ۱۲ بود و میل کوکب
شمالی خواہ مطالع از نصف آخر و میل جنوبی یا خلاف جہتش باشد کہ مطالع از
نیم پیشین و میل جنوبی یا از نیم دوم و میل شمالی بہر تقدیر موسوے از اعتدال قرب
بہ سر کوکب گذرانیم و زاویہ حادثہ میان او و منطقہ معدل زاویہ راس خوانیم بحال توافق
جہت میل این زاویہ برابر زاویہ میل کلی ست یا کم یا بیش و بحال تخالف مشارکہ
تام از وسط یا اقل یا اکثر این ہمہ صور مختلفة الاحکام شد و بہ بسط گذارد و فہرست

ملہ بعض تقدیر تقاطع کہ بجہت اتحاد بہ ہر دو سمت تعبیر شد ورنہ آن نقطہ عبارت ہمیشہ بہ منطقہ گذشتہ تا نہ از ابروار سمت کہ
نوشتہ و از منطقہ ساعت لحرکة المنطقة الذاتیة ۱۲ منہ غفر لہ

- منشی رسول بخش کاکوروی
- مولوی عبدالجلیل شہید علی گڑھی
- مولانا وہاج الدین
- مولانا رضا علی خاں بریلوی

ساتواں باب

- انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد کی سیاسی تحریکیں
- مسلمانوں کے خلاف نصاریٰ و ہنود کا متحدہ محاذ
- مولوی محمود حسن کی قوم پرستانہ تحریک
- قوم پرست علماء اور مسلم مفادات
- مخالفین امام احمد رضا کا جذبۂ مسابقت

آٹھواں باب

- امام احمد رضا کا سیاسی ماحول
- عہد امام احمد رضا کی سیاسی تحریکیں
- تحریکِ تقلیدِ مغرب
- تحریکِ حلتِ ربٰو
- تحریکِ فتوائے دار الحرب
- تحریکِ انسدادِ گاؤکشی
- تحریکِ ترکِ حیوانات
- تحریکِ ہجرت
- تحریکِ کھدر
- تحریکِ خلافت
- تحریکِ ترکِ موالات

نواں باب

- کانگریسی سیاست اور امام احمد رضا
- امام احمد رضا اور ہنود
- امام احمد رضا اور نصاریٰ
- امام احمد رضا اور ملتِ مسلمہ
- تحریکِ آزادئ ہند اور امام احمد رضا

دسواں باب

- معاصر سیاست دانوں سے امام احمد رضا کے نظریاتی اختلاف
- مولانا عبدالباری فرنگی محلی
- علامہ معین الدین اجمیری
- مولوی محمود حسن دیوبندی
- مولوی ابوالکلام آزاد
- مولانا محمد علی جوہر
- مولانا شوکت علی
- مسٹر گاندھی

گیارہواں باب

- اسلامی سیاست میں حُبِ رسول کی اہمیت اور امام احمد رضا کا کردار
- وقت کی پکار اور امام احمد رضا
- امام احمد رضا کی سیاسی بصیرت
- امام احمد رضا کے سیاسی افکار
- امام احمد رضا کی اصلاحی تحریک
- امام احمد رضا کی اصلاحی تجاویز

امام احمد رضا کے سیاسی کارنامے
امام احمد رضا بحیثیت سیاست دان
امام احمد رضا اور معاصر مسلم سیاست دانوں کے افکار کا تقابلی جائزہ

بارہواں باب

امام احمد رضا کے معاصر علما اور مسلم سیاست دانوں پر اثرات
سر سید احمد خاں
ڈاکٹر محمد اقبال
محمد علی جناح، قائد اعظم
مولوی اشرف علی تھانوی
مولوی شبیر احمد عثمانی
مولوی ظفر احمد عثمانی
مفتی محمد شفیع دیوبندی
مولانا محمد علی جوہر
مولانا عبد الباری فرنگی محلی
مولانا محمد عبد العلیم صدیقی
مولانا عبد الحامد بدایونی

بارہواں باب

تحریک آزادی ہند میں امام احمد رضا کا کردار
اولاد کا کردار
مولانا حامد رضا خاں
مولانا مفتی محمد مصطفٰے رضا خاں
خلفاء کا کردار

- مولانا سید سلیمان اشرف بہاری
- مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی
- مولانا محمد امجد علی اعظمی
- مولانا محمد عبد العلیم میرٹھی
    - مولانا احمد مختار صدیقی
    - مولانا محمد ظفر الدین بہاری
    - مولانا عبد السلام جبل پوری
    - مولانا محمد شریف کوٹلوی
    - مفتی محمد برہان الحق جبلپوری
- تلامذہ کا کردار
    - مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی
    - سیف الاسلام مولانا منور حسین
    - مولانا نواب الدین
- تحریک آزادی ہند میں علماء اہل سنت اور متبعین امام احمد رضا کا کردار
- مولانا محمد حسن جان مجددی
- مولانا محمد حسین جان مجددی
- ملا شور بازار کابلی مجددی
- مولانا محمد ہاشم جان مجددی
- مولانا محمد اسمٰعیل جان مجددی
- مفتی محمد مظہر اللہ مجددی
- پیر غلام مجدد سرہندی
- پیر زین الحسنات مانکی شریف

- پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف
- مولانا ابوالحسنات محمد احمد
- مولانا ابوالبرکات سیّد احمد
- خواجہ محمد قمر الدین سیالوی
- مولانا عبدالحامد بدایونی
- مولانا تقدس علی خاں قادری
- مولانا سیّد احمد سعید کاظمی
- مولانا محمد اسحاق جان مجدّدی
- پیر عبدالرحیم بھرچونڈی شریف
- مولانا ظہور الحسن درس
- دیوان سیّد آلِ رسول علی خاں
- مفتی محمد عمر نعیمی
- مولانا شاہ محمد عارف اللہ میرٹھی
- مفتی محمد مظفر احمد دہلوی
- مولانا شاہ احمد نورانی
- مولانا عبدالستار خاں نیازی
- مولانا غلام معین الدین مراد آبادی
- مفتی اعجاز ولی خاں
- پیر محمد کرم شاہ ایم اے الازہری

پانچویں جلد

ادبیات

پہلا باب

- امام احمد رضا ــــ ایک نثر نگار
- عربی داں
- فارسی داں
- اردو داں
- ہندی داں

دوسرا باب

- امام احمد رضا ــــ ایک نظم نگار
- عربی شاعری
- فارسی شاعری
- اردو شاعری
- ہندی شاعری

تیسرا باب

- اصنافِ سخن
- حمد
- نعت
- منقبت
- قصیدہ
- ہجو

- مرثیہ
- تاریخ گوئی
- سلام

چوتھا باب

- اصنافِ سخن
- مثمن
- مسبع
- مسدس
- مخمس
- دوبیتی
- رباعی
- قطعہ
- مستزاد

پانچواں باب

- محاسن لفظی و معنوی
- لطافتِ زباں
- پاکیزگیٔ بیاں
- بلند پروازی
- محاکات آفرینی
- سادگی و سلاست
- ترنم آفرینی
- معنی آفرینی

- مضمون آفرینی
- شکوہ الفاظ
- بندش کی چستی
- محاورہ بندی
- روزمرہ

چھٹا باب

- صنائع و بدائع
- صنائع معنویہ
- تجاہلِ عارفانہ
- تلمیح
- لف ونشر
- مراعاۃ النظیر
- حسنِ تعلیل
- طباق
- تاکیدِ مدح بصورتِ ذم
- تاکیدِ ذم بصورتِ مدح
- مقابلہ
- مشاکلت
- مزاوجہ
- ارصاد
- عکس و تبدیل
- ایہام

- استخدام
  - تجرید
  - مبالغہ
  - الہزل الذی یُراد بہا الجد
  - استعجاب
  - قول بالموجب
- جمع
- تفریق
- تقسیم
- صنائع لفظیہ
- تجنیس
- اقتباس
- سیاقۃ الاعداد
- لزوم مالایلزم
  - تضاد
  - تنسیق الصفات
  - اتصالِ تربیعی
  - ردّ العجز علی الصدر
- ترصیع
- تسجیع
- موازنہ
- توشیح

ساتواں باب

- امام احمد رضا ــــــــــ شارحِ ادب
- امام احمد رضا ــــــــــ ناقدِ ادب
- امام احمد رضا ــــــــــ خالقِ ادب
- امام احمد رضا ــــــــــ امامِ ادب

چھٹی جلد

(فلسفہ و سائنس)

پہلا باب

- امام احمد رضا کا سائنسی ماحول

دوسرا باب

- امام احمد رضا کے سائنس دانوں اور علماء ہیأۃ سے نظریاتی اختلافات اور تنقیدات
- کاپرنیکس
- آئزک نیوٹن
- البرٹ آئین اسٹائن
- البرٹ الیف، پورٹا

تیسرا باب

- امام احمد رضا کے فلاسفہ اور علماء ہیأۃ سے نظریاتی اختلافات اور تنقیدات
- ملا محمد جونپوری
- نجم الدین علی محمد القزوینی
- شمس الدین بن مبارک میرک بخاری
- شیخ ابو علی ابن سینا
- عبد الرحمٰن بن احمد الایجی
- سعد الدین مسعود بن محمد تفتازانی
- نصیر الدین بن جعفر بن محمد طوسی
- عبد اللہ بن محمد بیضاوی

چوتھا باب

- امام احمد رضا ——— واضع قواعد و اصول

پانچواں باب

- امام احمد رضا کے فلسفیانہ اور سائنسی افکار

چھٹا باب

- امام احمد رضا کے مستفیدین
- ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، بھارت)
- پروفیسر حاکم علی (پرنسپل اسلامیہ کالج، لاہور، پاکستان)

ساتویں جلد

(اوّلیات وغیرہ)

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

آٹھویں جلد

(احباب و اولاد، خلفاء و تلامذہ وغیرہ)

پہلا باب

○ ——— مشفقین و محسنین

دوسرا باب

○ ——— اولاد و اخلاف

تیسرا باب

○ ——— خلفاءِ عرب

چوتھا باب

○ ——— خلفاءِ عجم

پانچواں باب

○ ——— تلامذہ

چھٹا باب

○ ——— متوسلین و احباب

ساتواں باب

○ ——— ممتاز شبعین و معتقدین

آٹھواں باب

○ ——— معاصرین علماء و صوفیاء

نویں جلد

(مصنفات و مؤلفات وغیرہ)

پہلا باب

عربی تصانیف

دوسرا باب

فارسی تصانیف

تیسرا باب

اردو تصانیف

چوتھا باب

شروح

پانچواں باب

حواشی

چھٹا باب

تراجم

ساتواں باب

دواوین

آٹھواں باب

مقالات و مضامین

نواں باب

فتاوٰی

دسویں جلد

(مکتوبات و خطبات وغیرہ)

پہلا باب

مکتوبات

دوسرا باب

خطبات

تیسرا باب

ملفوظات

چوتھا باب

مواعظ

پانچواں باب

اوراد و وظائف

چھٹا باب

عملیات و تعویذات

ساتواں باب

وصایا

آٹھواں باب

مراجعِ مصنفاتِ امام احمد رضا

نواں باب

رجالِ مصنفاتِ امام احمد رضا

گیارہویں جلد

تاثرات

پہلا باب
امام احمد رضا علمائے عرب کی نظر میں

دوسرا باب
امام احمد رضا علمائے ہند کی نظر میں

تیسرا باب
امام احمد رضا علمائے پاکستان کی نظر میں

چوتھا باب
امام احمد رضا اساتذۂ فن کی نظر میں

پانچواں باب
امام احمد رضا اساتذۂ جامعات و کلیات کی نظر میں

چھٹا باب
امام احمد رضا دانشوروں کی نظر میں

ساتواں باب
امام احمد رضا مخالفین کی نظر میں

بارہویں جلد

(حیثیات)

پہلا باب

- بحیثیتِ مجدد
- بحیثیتِ مرشد
- بحیثیتِ مصلح
- بحیثیتِ مبلغ
- بحیثیتِ پاسبانِ ملت

دوسرا باب

- بحیثیتِ شیخ الاسلام
- بحیثیتِ مفکرِ اسلام
- بحیثیتِ شیخ الہند
- بحیثیتِ امام الہند

تیسرا باب

- بحیثیتِ حکیم الامت
- بحیثیتِ قائدِ ملت
- بحیثیتِ رئیس الاحرار

چوتھا باب

- بحیثیتِ فقیہ النفس
- بحیثیتِ مفتیٔ اعظم
- بحیثیتِ امیرِ شریعت

بحیثیت امام اہل سنت

پانچواں باب

بحیثیت مفسر قرآن

بحیثیت مترجم قرآن

بحیثیت محدث

بحیثیت فقیہ

بحیثیت محقق

بحیثیت منطقی و فلسفی

چھٹا باب

بحیثیت شاعر مشرق

بحیثیت سحبان الہند

بحیثیت ناقد دہر

ساتواں باب

بحیثیت مدرس

بحیثیت واعظ

بحیثیت حافظ

بحیثیت قاری

بحیثیت طبیب

بحیثیت عامل

بحیثیت مبصر

بحیثیت مدبر

بحیثیت مذکر

تیرھویں جلد

(امام احمد رضا پر تحقیقات وغیرہ)

پہلا باب

برّ اعظم امریکہ، افریقہ، یورپ، ایشیا اور امام احمد رضا

دوسرا باب

صوبہ جات پاک و ہند اور امام احمد رضا

تیسرا باب

عالمی جامعات میں امام احمد رضا پر کام کی رفتار

چوتھا باب

امام احمد رضا پر دوسرے اداروں اور اشخاص کی تحقیق

پانچواں باب

امام احمد رضا پر مزید تحقیق کی ضرورت اور طریقِ کار

چھٹا باب

امام احمد رضا کے اپنے اور مابعد عہد پر اثرات

ساتواں باب

امام احمد رضا دنیائے صحافت میں

آٹھواں باب

امام احمد رضا کے نام دینی مدارس اور ادارے

نواں باب

اشاریۂ امام احمد رضا

چودہویں جلد

(شجرات و سندات وغیرہ)

- **شجرۂ نسب**
  - پدری
  - مادری
- **شجرۂ طریقت**
  - قادریہ
  - چشتیہ
  - نقشبندیہ
  - سہروردیہ
  - دیگر سلاسل
- **سنداتِ فراغت و اجازت**
  - سنداتِ حدیث
  - سنداتِ فقہ
  - متفرق سندات
- اشاریۂ رجال
- اشاریۂ اماکن
- اشاریۂ کتب
- مآخذ و مراجع
- اختتامیہ

پندرہویں جلد

(عکس نوادرات و مرقعات)

پہلا باب

- سندات شاہان مغلیہ
- سندات علمائے عرب و عجم
- سندات اساتذۂ امام احمد رضا

دوسرا باب

- تصانیف
- شروح
- حواشی
- تراجم

تیسرا باب

- مکتوبات
- ملفوظات
- سندات امام احمد رضا

چوتھا باب

- قطعات
- قصائد
- نعت و منقبت

پانچواں باب

- سوانحی نوادر

چھٹا باب

احقر محمد مسعود احمد
پرنسپل
گورنمنٹ ڈگری کالج،
ٹھٹھہ (سندھ، پاکستان)

۱۱ ر ذیقعد ۱۴۰۱ھ
۱۱ ر ستمبر ۱۹۸۱ء
یوم جمعۃ المبارکہ

رضا بریلوی کی شخصیت

اور

اُن کا فارسی کلام

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق ابرو (سابق ناظم تعلیمات برائے کالجز، حیدر آباد، سندھ)

مسلمانانِ برصغیر کو بیدار کرنے اور انکی دینی تربیت کرنے والی جامع الصفات شخصیت امام احمد رضا خاں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ اپنی ذات میں ایک تحریک تھے اور ساری عمر سنت کی اشاعت اور بدعت کی رد میں مصروف رہے۔ علمی اور روحانی لحاظ سے آپ کے بلند مقام کی وجہ سے آپ کو "اعلیٰ حضرت" کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ آپ نے اپنی سینکڑوں تصانیف اور بلند پایہ مذہبی اور علمی مضامین سے مسلمانوں کو بہت متاثر کیا۔ آپ کی ذات ایک روشن چراغ کے مانند تھی جس کی روشنی برصغیر کے گوشہ گوشہ میں پھیلی۔ آپ کے جانشینوں، طلبا اور خلفاء نے بڑے خلوص کے ساتھ آپ کی تعلیمات کو متعارف کرایا اور آپ کے مشن کو جاری رکھا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں ۱۴ ارجون ۱۸۵۶ء میں بریلی کے مردم خیز شہر بریلی میں پیدا ہوئے اور یہیں سنہ ۱۹۲۱ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر کے اپنے معبودِ حقیقی سے جا ملے۔

تذکرۂ علمائے ہند کے بیان کے مطابق آپ کے والد مولانا نقی علی بریلوی جید عالم تھے اور شاہ آلِ رسول سے تمام سلسلوں کی بیعت کی۔ ان کے نامور فرزند اعلیٰ حضرت مولانا احمد

رضا خاں بریلوی نے بھی سلوک و طریقت میں سید آلِ رسول سے فیض حاصل کیا اور سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ یہ خاندان علم و فضل کے اعتبار سے نہایت ممتاز تھا۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں نے علوم دینی کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی۔ اعلیٰحضرت بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ اخلاق میں بزرگانہ شان تھی۔ آپ جیسے درویش صفت انسان صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، شاعر، ادیب، فقیہہ، مفتی، مفسر، مردِ مومن، سادگی اور خلوص کے یہ پیکر بنی نوع انسان کی کھلے دل سے خدمت کرتے اور لوگوں کے ساتھ خلق، تواضع اور کشادہ پیشانی سے پیش آتے۔ آپ کے علمی اور اصلاحی، دینی اور روحانی فیوض و برکات پر ہمیں بجا طور پر ناز ہے۔ آپ قرآن پاک کے مترجم اور متعلقہ علوم کے شارح ہیں۔ آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے۔ آپ کی تعلیم و تربیت، تصنیف و تالیف، مواعظ و ملفوظات کی بدولت برصغیر میں دینی تعلیم کا بندوبست ہوا۔ سنن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء ہوا، غافلوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا درس دیا۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سینے گرمائے اور حنفیت کی تبلیغ و اشاعت کا اہتمام ہوا۔ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ لکھتے ہیں کہ ان کی تالیفات اور کتب دینیہ پر ان کے حواشی بڑی تعداد میں ہیں بیشتر دینی تصانیف عربی یا اردو میں ہیں جن کی فہرست "حیات اعلیٰ حضرت" میں دی گئی ہے۔ فارسی کی کتابیں زیادہ تر علوم ریاضی وغیرہ سے متعلق ہیں جن میں ان کی دسترس غیر معمولی تھی۔ عربی، اردو کتابیں متعدد موضوعات پر ہیں مثلاً تفسیر، حدیث، حواشی حدیث، عقائد و کلام، فقہ، تجوید، تصوّف، اذکار، اوفاق تعبیر، تاریخ سیرت، مناقب، ادب، نحو، لغت، عروض، علم زیجات، جفر، تکسیر، جبر و مقابلہ، علم مثلث، لوگارثم توقیت، نجوم، حساب، ہیئت، ہندسہ، ریاضی، فلسفہ اور منطق"۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کے متعلق حضرت شمس بریلوی لکھتے ہیں کہ "اعلیٰ حضرت کے فضل و کمال کا شہرہ صرف اس برصغیر ہند و پاک تک ہی نہ تھا بلکہ حرمین شریفین کے محدثین اور فقہا نے بھی ان کے کمال کا اعتراف کرتے ہوئے سند اعتبار عطا کی تھی"۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں کہ "اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو پچپن علوم و فنون میں مہارت حاصل تھی۔ انھوں نے ہر فن میں علمی یادگار چھوڑی ہے۔ ان

ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے ۔ ان کا ترجمۂ قرآن اردو تراجم کے سارے ذخیرے میں امتیازی شان رکھتا ہے ۔ تفسیر میں امام احمد رضا کی شان یہ تھی کہ صرف سورۂ والضحیٰ کی چند آیتوں کی تفسیر ۶۰۰ صفحات سے بھی تجاوز کر گئی ۔ ان کا تحقیقی معیار دور جدید کے تحقیقی معیار سے بھی بلند ہے ۔ وہ اپنے علمی مقالات و رسائل اور کتب کو عقلی اور نقلی دلائل و شواہد سے ایسا مزین کرتے ہیں کہ قاری مطمئن ہو جاتا ہے اور تشنگی محسوس نہیں کرتا ۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علمی فضیلت کے لحاظ سے اعلیٰ حضرت کی طبیعت ہمہ گیر تھی ۔ اور علم کے ہر شعبے سے ان کو گہری دل چسپی تھی ۔ آپ ایک بڑے مفکر اور جید عالم ہی نہ تھے بلکہ ساتھ ساتھ قلندر صفت انسان بھی تھے ۔ آپ کی تمام عمر فقیرانہ طریقے پر بسر ہوئی ۔ طبیعت میں خودداری اور بلند ہمتی کے ساتھ انکسار تھا ۔ فروتنی حد سے زیادہ تھی ۔ نیکی اور خیر کا یہ پیکر ایک ایسا عظیم انسان تھا جس کا سر خداوند قدوس کے سوا کسی فانی ہستی کے سامنے کبھی نہیں جھکا ۔ وہ بطل حریت جس نے برطانوی سامراج سے نفرت کی اور ہنود و قیادت کو للکارا وہ امام احمد رضا تھے جن کے رگ و پے میں حسن عمل کی بجلیاں جاری و ساری تھیں ۔ الغرض وہ ایک دلآویز شخصیت کے حامل ایک خوددار فقیر، مرد مومن اور سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے ۔

برصغیر پاک و ہند میں انگریز سامراج کے دور حکومت میں جب انگریزی تہذیب و تمدن نے زور پکڑا تو اعتزالی تحریکوں نے جنم لیا جس سے مسلمانوں کے دینی جذبہ میں کمی واقع ہونے لگی ۔ اعلیٰحضرت احمد رضا خاں نے اس موقع پر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی زور دیا ۔ چنانچہ جب مسلمان علماء اور سیاست دان ہندؤں سے ترک موالات کے سلسلہ میں اتحاد کرنے لگے تو اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں نے اس اتحاد کی سختی سے مخالفت کی اور ایسے لوگوں کو "فرقہ گاندھیہ" کے حواری کہا ۔ اسی طرح جب مسلمان اپنے کاشانہ کو چھوڑ کر ہندوستان سے ہجرت کر کے افغانستان کو جانے لگے تو ہمارے رہبر و رہنما مولانا احمد رضا نے مسلمانوں کو ہندؤں کی چال سے آگاہ کیا ۔ اسی مسلک پر مولانا بریلوی شدت سے قائم رہے ۔ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں " علمائے دیوبند اور علمائے اہل حدیث سے مناظرانہ انداز سے نزع کا سلسلہ جاری رہا ۔

اس مناظرانہ انداز میں مولانا احمد رضا کی سخت گیری اور شدت کی پالیسی بڑی شہرت رکھتی ہے حتیٰ کہ مولانا احمد رضا کی طرف بعض ایسے عقائد منسوب کر دیئے گئے جن کا انہوں نے خود اپنی تالیفات میں رد کیا ہے۔"

اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بلند پایہ شاعر اور نعت گو بھی تھے۔"رضا" تخلص کرتے تھے۔ ان کا اردو کلام بڑا پُر تاثیر ہے۔ ان کے کلام میں اخلاص ہے، درد ہے، سوز و گداز ہے۔ جرأت دلے باکی کی ایک بنیاد ہے۔ "رضا" نہ صرف شاعر ہے بلکہ مفکر بھی۔ انہوں نے اپنے افکار عالیہ سے کلام میں انسان سازی کا کام کیا ہے۔ جس کی مثال بمشکل ملے گی۔ ان کے اذکار میں ذکر و فکر اور نظر و خبر کا بہترین امتزاج ہے۔ الغرض ان کے کلام کے موضوعات دینی ہیں اور ان کی شاعری کا مقصد دینی تعلیم، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ارتقاء بشریت ہے۔ فارسی میں بھی منظوم کلام کا ایک بڑا حصہ موجود ہے جو رباعیات، قصائد، قطعات اور مثنویوں پر مشتمل ہے۔ آپ کا دیوان " حدائق بخشش "کے نام سے مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی نے بڑے اہتمام صحت کے ساتھ شائع کیا ہے۔ ہم علامہ حضرت شمس بریلوی کے ممنون ہیں جنہوں نے بڑی ادبی کاوش کے ساتھ نہ صرف ۲۳۰ صفحات پر کلام رضا کا تحقیقی اور ادبی جائزہ پیش کیا ہے بلکہ ان صدہا اغلاط سے کلام کو پاک و صاف کر کے صحت و ترتیب نو سے آراستہ کیا ہے جن کی طرف اب تک ناشرین کلام رضا نے توجہ نہیں کی تھی۔ یہ بے انصافی ہو گی اگر دینی کتب کے ناشرین مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی کے ارباب اختیار فرید الدین اور محمد مبین کی ان مساعی جمیلہ کا اعتراف نہ کیا جائے جو انہوں نے اعلیٰحضرت کی کتب کی طباعت کے لیے کیں۔ ان مساعی کی بدولت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کے کچھ شاہکار ہم تک پہنچے ہیں جنہیں حدائق بخشش اور فتاویٰ رضویہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کتب کی طباعت کا انتظام علامہ حضرت شمس بریلوی کی زیر نگرانی کیا گیا جنہوں نے قارئین کے مطالعہ کے لیے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں کی علمی اور مذہبی خدمات کا مفید مواد پیش کیا ہے۔

امام احمد رضا خاں کی امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے نظم و نثر کی ہر صنف سے کام لیا اور ہر صنف میں ان کا پایہ سب سے برتر نہیں تو کسی سے کمتر بھی نہ رہا۔ لیکن ان کی نعتیہ

شاعری بے مثال ہے اور اس ضمن میں ان کا پایا بہت بلند ہے۔ جس فصاحت و بلاغت کیساتھ آپ نے اردو، فارسی اور عربی میں شاعری کی وہ حقیقت میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سر مستیوں اور رعنائیوں کا نتیجہ ہے۔ اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ ان کا فارسی کلام حسن بیان، معنی پرور اور پختگیٔ ذوق کے لحاظ سے بہت بلند پایہ کا ہے۔ ان کے فارسی کلام میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تصوف، اخلاق، حرکت و عمل کی دعوت، اسلامی تعلیمات، حقائق حیات منظر نگاری، سیاست اور اپنے جذبات و احساسات کا ذکر ہے۔

اگرچہ اعلیٰ حضرت، ان کے خاندان اور دیگر بہی خواہان ملت نے مسلمانوں کی زندگی میں ایک نئی لہر پیدا کر دی تھی مگر خود غرض اور فتنہ پرور لوگوں نے اپنی خواہشات کو دین سمجھ لیا اور اسی راستہ میں ہزاروں رخنے ڈال دیئے۔ لہٰذا راہِ نجات ابھی دور نظر آ رہی تھی۔ چونکہ مسلمانوں اور دین اسلام کے لیے اعلیٰ حضرت کے دل میں زندگی بخش تڑپ موجود تھی اسی لیے انہوں نے خود ساختہ دینی رہنماؤں کے لیے عالم مایوسی میں کہا ؎

آہ آہ از ضعف اسلام آہ آہ
آہ آہ از نفس خود کام آہ آہ
مردمان شہوات را دین ساختند
صد ہزاران رخنہا، انداختند
ہر کہ نفس رفت راہی از ہوا
ترک دین گفت و نمودش اقتدا

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس مردِ مومن کو نظم و نثر کی ہر صنف میں دستگاہ کامل سے نوازا تھا۔ انہوں نے فارسی کلام میں واضح و صریح اور ساتھ ہی فصیح و بلیغ اور مؤثر اسلوب میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی اور ایسے متاثر شعرا بہت قلیل ہیں جنہیں تمام اصناف سخن میں نشان امتیاز حاصل ہو۔ انہوں نے تضمین و تنقید، لفظ و معنی، فکر و نظر، بیان و اقتباس غرض کہ ہر معاملے میں ایک خاص انداز اپنایا ہے۔ ان کے کلام میں رومی اور

عطار کے عمق کا بھی احساس ہوتا ہے تو سعدی اور حافظ کی حلاوت بھی محسوس ہوتی ہے۔
وہ کسی خاص صنف کے قائل نہیں تھے بلکہ یہ چاہتے تھے کہ اپنا پیغام بصیرت افروز اور اثر انگیز طریقے سے تمام رعنائیوں اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ لوگوں تک پہنچائیں۔
ذرا دیکھئے کس طرح ان کے کلام میں اصلیت اور صداقت جھلکتی نظر آتی ہے۔ یہ روایتی شاعری نہیں دلی کیفیت کا اظہار ہے۔ چونکہ ان کے کلام میں نہ دور از کار تشبیہات اور استعارے ہیں نہ مشکل تراکیب والفاظ۔ ان کے خیالات کے اظہار میں بڑی روانی ہے، سلاست ہے، صداقت ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

ای خدا ای مہربان مولائی من
ای انیس خلوت شبہائی من
ای بیادت نالۂ مرغ سحر
ای کہ ذکرت مرہم زخم جگر
ای کہ نامت راحت جان و دلم
ای کہ فضل تو کفیل مشکلم
ما خطا آریم و تو بخشش کنی
نعرۂ "انی غفور" می زنی
اللہ اللہ زین طرف جرم و خطا
اللہ اللہ زان طرف رحم و عطا
از طفیل آن صراطِ مستقیم
قوتی اسلام راہ دہ ای کریم
بہر اسلامی ہزاران فتنہا
یک مہہ و صد داغ فریاد ای خدا
ای خدا بہر جناب مصطفےٰ

چار یارِ پاک آلِ باصفا
پر کن از مقصد تہی دامان ما
از پذیرفتن زما کردن دعا
کیست مولائی بہ از ربِّ جلیل
حَسْبُنَا اللّٰہُ رَبُّنَا نِعْمَ الْوَکِیل

اعلیحضرت، حافظ شیرازی کے اسلوب میں بھی لکھتے ہیں، چنانچہ فارسی کی پہلی غزل میں دیوان حافظ کی پہلی غزل کا تتبع کیا ہے۔ حافظ شیرازی کی پہلی غزل اس طرح ہے ؎

الا یا ایھا الساقی ادر کاسا وناولھا
کہ عشق آسان نمود اول ولی افتاد مشکلھا

اعلیٰ حضرت، حافظ شیرازی کا تتبع کرتے ہوئے "وہابیہ کا اظہار کرتے ہیں ؎

الا یا ایھا الساقی ادر کاسا وناولھا
کہ بریاد شہ کوثر بہا سازیم محفلھا
بلا بارید حب شیخ نجدی بر وہابیہ
کہ عشق آسان نمود اول ولی افتاد مشکلھا
وہابی گرچہ اخفا می کند بغض نبی لیکن
نہان کے ماند آن رازی کزو سازند محفلھا
توھب گاہ ملک ہند اقامت رانمی شاید
جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملھا

احمد رضا خان کی رباعیوں میں تصوف کا رنگ نظر آتا ہے۔ بعض رباعیاں جو سیدنا عبدالقادر جیلانی کے متعلق ان کے تاثرات کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ذکر ہے۔ اسی چیز نے ان کے کلام کو آفاقیت

کا جوہر عطا کیا۔ ان میں فن رباعی نگاری کی جملہ خصوصیات موجود ہیں چاروں مصرعوں کا ربط اور مصرع بہ مصرع خیال کی چڑھتی ہوئی لے اور آخری مصرعے میں خیال کا نقطۂ عروج، اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ ان کی رباعیات کی خاص اہمیت ہے۔ نمونے کے طور پر دو رباعیاں پیش کرتا ہوں ؎

بارد ز خدا بر جد عبد القادر
محمود خدا حامد عبد القادر
باران درودے کہ چکیدہ ز رخش
بارد بر سید عبد القادر

ردیف میم میں یہ رباعی سیدنا عبد القادر جیلانی کی شان میں کہی گئی ؎

صدیق صفت حلیم عبد القادر
فاروق نمط حکیم عبد القادر
مانند غنی کریم عبد القادر
در رنگ علی علیم عبد القادر

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت اہل بیت آپ کا شعار زندگی تھا۔ اس لیے آپ نے اپنے کلام میں امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سید الشہداء کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا کثرت سے ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ لکھتے ہیں کہ "تزک مرتضوی" کے نام سے فارسی زبان میں آپ نے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب وخصائل بیان کئے ہیں اور ان میں جناب امیر کے زمانۂ خلافت کے فیصلہ جات بھی شامل کر دیئے۔ کتاب غیر مطبوعہ ہے اور تقریباً دو سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔"

اپنے کلام میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی محبت میں سرشار ہو کر اعلیٰ حضرت نے کہا ؎

مرتضیٰ شیر خدا مرحب کشا خیبر کشا

سرورِ لشکر کشا مشکل کشا امداد کن
ای تنت در راہِ مولیٰ خاک و جانت عرش پاک
بوتراب ای خاکیان را پیشوا امداد کن
ای شب ہجرت بجائی مصطفیٰ بر رخت خواب
ای دم شدت فدائی مصطفیٰ امداد کن

مولانا احمد رضا خان بریلوی نے کربلا کے میدان میں آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا ذکر اپنے فارسی کلام میں بڑے درد انگیز انداز میں کیا ہے۔ جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل قربانی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں " وہ حسین رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر سوار ہوئے تھے اسے لعینوں نے گھوڑوں کے سموں سے پامال کیا، وہ حسین جس کے ہونٹوں اور گردن کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ گاہ بنایا اسے ظالموں نے لہولہان کردیا۔" دیکھئے اس واقعہ جانسوز کا کس درجہ آہ وفغاں اور رنج والم سے ذکر کیا جاتا ہے ۔

یا شہیدِ کربلا یا دافع کرب و بلاء
گلرخا شہزادۂ گلگوں قبا امداد کن
ای گلو بیت کہ لبان مصطفیٰ را بوسہ گاہ
گرلبِ تیغِ لعین را حسرتا امداد کن
ای تن تو کہ سوارِ شہسوارِ عرش ناز
گرچناں پامال خیل اشقیا امداد کن

" رضا " کی عظمت کی حقیقی بنیاد دراصل عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس لیے ان کے کلام میں نعتوں کا خاص مقام ہے۔ اردو، عربی اور فارسی میں نعتوں کا بڑا ذخیرہ ہے۔ اور بڑے بڑے شاعروں نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تحت اس صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے مگر " رضا " کی شاعری کا ایک خاص رنگ ہے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو کر بارگاہ شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح گلہائے نذرانۂ عقیدت پیش کرتے

ہیں ؎

یا خدا بہرِ جناب مصطفیٰ امداد کن
یا رسول اللہ از بہرِ خدا امداد کن
یا شفیع المذنبین یا رحمۃ للعالمین
یا امان الخائفین یا ملتجی امداد کن
نیر نور الہدیٰ بدر الدجیٰ شمس الضحیٰ
ای رخت آئینہ ذات خدا امداد کن

=•=

فاضلِ بریلوی
عربی شاعری کی حیثیت سے

ڈاکٹر محمد اسحق قریشی
(صدر شعبہ عربی۔ گورنمنٹ کالج، فیصل آباد۔)

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ایک مستند عالم دین، صاحب نسبت صوفی، قابل اعتماد فقیہہ اور لائق اتباع راہنما تھے۔ جن کے علم و فضل نے اک عالم کو یقین کی نعمت عطا کی۔ اور جن کے دل زندہ نے ہر قلب سلیم کو جذب و کیف کی لذت سے آشنا کیا۔ جن کی فقاہت نے دور جدید کے چیلنج کو قبول کیا اور جن کی بصیرت و مستقبل بینی نے ملت کو اپنے اور پرائے میں پہچان کرنے کی صلاحیت بخشی۔ آپ کے ہمہ جہتی کردار نے ہر انسان کو متاثر کیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ اثر آفرینی دو آتشہ ہوتی جا رہی ہے۔ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ مستقبل قریب میں اس محسن کے احسانات کا ادراک تیز تر ہو جائے گا۔ متنوع اوصاف کی حامل یہ ذات ہر کسی کو دعوت نظارہ دے رہی ہے۔ شرط صرف حوصلے اور صلاحیت کی ہے آج یہ کیفیت ہے کہ علما اساتذہ اور محققین کی ایک کثیر جماعت آپ کے علمی شہ پاروں کا کھوج لگانے میں مصروف ہے، جسے جو پہلو پسند ہے وہ اسے ہی مقصود نظر بنا رہا ہے۔ اس تمام بوقلمونی کے باوجود جب آپ کی شخصیت کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو ایک حقیقت نمایاں طور پہ سامنے آتی ہے کہ اس تنوع

یں ایک وحدت ہے اس ہمہ جہتی کا ایک مرکز ہے اور اس ذات کا ایک ہی حوالہ ہے۔ مظاہر کثیر ہیں مگر داخل کے آئینہ خانے میں ایک ہی وجود جلوہ ریز ہے وہ وجود ایک ہے مگر اس کی جہتیں لا محدود ہیں جلوہ ایک ہے مگر جلوہ ریزیاں بے حساب ہیں۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ بہر رنگ ایک ہی کی بات کرتے ہیں۔ آپ کے تفسیری استخراج یا فقہی استدلالات، گفتگو کا کلامی پہلو ہو یا نگارشات کا جدلیاتی رخ، آپ کے نثری کارنامے ہوں یا شعری جواہر پارے ایک لگن ایک خیال اور ایک کیف ہے جو قارئین اور سامعین کے دلوں کو ایک سمت کھینچے چلا جا رہا ہے۔ منزل ایک ہے راستے مختلف، محبوب ایک ہے اظہار کے پیرائے متعدد، یہ منزل، یہ محبوب وہ ذات ہے جو ساری کائنات کی تخلیق کا سبب اور ہر ایک کی توجہ کا مرکز ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی تعلیمات کا قاری ایک لمحہ بھی اس وجود سے غافل نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ نثر و نظم کا ہر اسلوب اور بیان و کلام کا ہر اشارہ مدینہ منورہ کی جانب رخ کئے ہوئے ہے۔ یہ قاری کی خوش بختی ہے کہ وہ ہر لمحہ دربار گہر بار میں حاضر رہتا ہے علم کے ساتھ یقین کی منزل اسے آسودگی عطا کرتی ہے۔ لفظوں میں نہاں جذبے اور حرفوں سے لپٹی ہوئی محبت اس کے قلب و نظر کو بالیدگی عطا کرتی ہے اور وہ اس کیف مسلسل میں اپنے آقا کی حضوری میں ہوتا ہے یہ لمحات زندگی کی معراج اور عمل کا حاصل ہیں۔

مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی محبت و عقیدت

ان کی ہر تحریر میں نمایاں ہے۔ مگر ان کی شاعری میں اس کا اظہار نمایاں تر ہے۔ اور مسحور کن بھی کہ اس سے دل چیدہ کو جلا ملتی ہے۔ عشق و محبت کے یہ زمزمے کوثر و تسنیم کی پھلوار کی طرح شعور و آگہی کو معطر کر دیتے ہیں۔ نعت کہنے والوں کی کمی نہیں۔ بہت سے خوش نصیب ایسے ہیں جنہوں نے مدح رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کا محور بنا لیا ہے، ہر مدح نگار محترم ہے کہ وہ ایک عظیم مشن میں شریک ہے۔ لیکن امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی نعت میں جو جاذبیت اور کشش ہے وہ آپ ہی کا حصّہ ہے۔ آپ کا کوئی شعر یا مصرعہ جب کہیں سے گوش نواز ہوتا ہے۔ تو سامع اس کی شناخت میں غلطی نہیں کرتا اس لیے کہ ہر مصرعہ مہکتا ہے۔ اور شعر صاحب شعر کی طرف توجہ دلاتا ہے، یہ منفرد انداز لفظی حسن کا مرہون منت نہیں اس باطنی کیف کا غماز ہے۔ جو صاحب کلام کے دل میں موجزن ہے۔ باطن کی سرمستی لفظوں میں تحلیل ہو گئی ہے۔ اور شعر دل کے جذبوں کا امین اور باطن کا عکاس بن گیا ہے۔ ماہرین فن کہتے ہیں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے ہر شعر میں سوز و محبت کے ساتھ شریعت اسلامیہ کی پاسداری کا خصوصی اہتمام ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اہتمام داخل کا پرتو ہے جب دل میں محبوب مسند نشیں ہوا اور ذات محبوب دل کی دھڑکنوں میں جاگزیں ہو تو آداب محبت سکھائے نہیں جاتے۔ محبت کی پختگی اور عشق کا کمال خود راہبری کرتا ہے۔ شاعر پھر لفظ تلاش نہیں کرتا۔ بلکہ مناسب الفاظ خود باوضو ہو کر اترنے لگتے ہیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری ایسے ہی معطر جذبوں اور مطہر خیالات کی حامل ہے۔ یہ اس دل کی آواز ہے جو در حبیب پر ہر دم سرنگوں ہے، جہاں سر کے جھکنے یا نہ جھکنے کو نہیں دیکھا جاتا

باطن کے سجدوں کی بات ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری پر گفتگو کسی صاحب دل کا کام ہے کہ یہاں صرف فنی حوالہ کافی نہیں۔ یہ شعری حسن وجمال کا مسئلہ نہیں صفائے قلب کی عکس ریزیوں کا مرحلہ ہے۔ یہ شعر نہیں جذبوں کی اکائیاں ہیں جو لفظوں کے روپ میں لَو دے رہی ہیں۔ یہ گفتگو آپ کی عربی شاعری کے حوالے سے طالب علمانہ کوشش ہے۔ مولانا کی شاعری پر گفتگو سے قبل مناسب ہوگا کہ مدح رسالت کی روایت اور اسلامی تصورات پر اک نظر ڈالی جائے تاکہ اس تناظر میں آپ کی شاعری کا جائزہ لیا جاسکے۔

اس بارے میں علماء ادب نے مختلف اور متفاوت نظریات پیش کئے ہیں۔ علماء عروض نے شعر کو ایسا کلام موزوں کہا ہے کہ جس میں وزن قافیہ مقصود ہو (۱) علامہ ابن سیرین کا قول ہے "الشعر کلام عقد بالقوافی" (۲) یعنی شعر وہ کلام ہے جو قافیہ سے بندھا ہوا ہو۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایک خاص ترتیب سے ایک مخصوص ہیئت کا تعین ہی سب کچھ ہے۔ کیا لفظوں کے درے معانی جو مقصود اصلی ہیں کسی ضابطے یا قانون کے پابند نہیں۔ ابن رشیق القیروانی نے اسی لئے شعر کو چار عناصر پر مشتمل قرار دیا ہے۔ "اللفظ والوزن والمعنی والقافیۃ" (۳) حقیقت یہ ہے کہ الفاظ ذریعہ ہیں معانی تک پہنچنے کا اور اگر الفاظ یہ فریضہ باحسن طریق انجام نہ دیں۔ تو شعر ابلاغ کے بنیادی وصف سے محروم ہو کر ناقابل التفات ٹھہرتا ہے۔ اور اگر معانی مرغوب ومحبوب نہ ہوں تو الفاظ کی تراش وخراش سعی لاحاصل قرار پاتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ "ان اللفظ جسم وروحہ المعنی وارتباطہ بہ کارتباط الروح والجسم" (یعنی لفظ جسم اور اس کی روح معنی ہے اور لفظ کا معنی سے وہی تعلق ہے جو جسم

سے روح کا ہے۔

شعر میں معانی کی عظمت کا اعتراف اس کی شعور سے لغوی نسبت کے حوالے سے بھی کیا گیا ہے اور شعر کو شعور کا انعکاس سمجھا گیا۔ (۵) امام راغب علیہ الرحمہ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا "وسمی الشاعر الفطنتہ ودقتہ معرفتہ" (۶) کہ شاعر کو اس کی فطانت اور لطافت کی بنا پر ہی شاعر کہا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ شعر کو تاثر کی اکائی ہونا چاہیئے۔ اور یہ حدت تاثر جذبۂ صادقہ سے ہی ناشی ہوتا ہے۔ یہی جذبہ صادقہ اسے اسلامی تعلیمات میں جواز کی سند مہیا کرتا ہے۔ قرآن مجید نے رد شعر و شاعر کے متصل صاحبان ایمان کے استثنار کا ذکر کیا تھا، تاکہ واضح ہو جائے کہ شعر کا رد و قبول اس کے مشتملات کے حوالے سے ہوتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں شعر کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں متعدد روایات موجود ہیں۔ جن کا بغور مطالعہ شعر کے بارے میں درست سمت کا تعین کرتا ہے۔

تفصیلی مباحث سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف ایک دو ارشادات کا حوالہ مقصود کی وضاحت کے لئے کافی ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کے بارے میں فرمایا: "ھو کلام حسنہ حسن وقبحہ قبیح" (۷) کہ شعر ایک کلام ہے اس کا حسن حسن ہے اور اس کا قبیح قبیح، اسی طرح ایک اور روایت میں وضاحت فرمائی "انما الشعر کلام فمن الکلام خبیث وطیب" (۸) شعر ایک کلام ہی تو ہے اور کلام میں اچھا برا ہوتا ہے۔

ایک روایت جو متعدد صورتوں میں کتب صحاح میں موجود ہے اور جس کی جامع شکل سنن ابی داؤد میں ہے کہ ان من البیان لسحرا وان من الشعر لحکمتہ

(۹) بے شک بعض بیان جادو اور بے شک بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔" یہ حدیث مبارک خصوصی توجہ چاہتی ہے۔ اگر اس میں من تبعیض کا ہے تو بعض شعروں کا حکمت سے پر ہونا ثابت ہوا۔ اور اگر یہ من تبیین کے لئے ہے تو ہر شعر کے پُر از حکمت ہونے پر دلیل ہوا۔ کم از کم توجیہہ یہی ہو سکتی ہے کہ ہر شعر نہ سہی بعض شعر تو یقیناً حکمت خیز ہوتے ہیں اسی حدیث کے ساتھ وہ حدیث بھی پیش نظر رہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" کلمہ حکمت تو مومن کی متاع گمشدہ ہے جہاں سے بھی اسے ملے وہ اس کا بہتر حق دار ہے۔" (۱۰) نتیجہ یہ نکلا کہ کلمہ حکمت مومن کی متاع گم گشتہ ہے اور بعض شعر کلمہ حکمت ہوتے ہیں۔ اس لئے بعض شعر مومن کی متاع ہیں۔ یعنی شعر کا ایک حصہ مومن کا مطلوب ہے۔ اس لئے قابلِ اخذ اور لائق استفادہ ہے۔ یہ بھی توجہ طلب پہلو ہے کہ عموماً شعر ہی جادو صفت اور سحر آفریں ہوتا ہے۔ اور بیان عموماً موعظت و حکمت پر مشتمل، لیکن ایسا بھی ممکن ہے کہ بیان کبھی حدود شعر میں داخل ہو کر سحر بن جائے۔ اور شعر حدود بیان میں آکر سحر سے حکمت ہو جائے اس تغیر حالت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت لبید رضی اللہ عنہ کا مصرعہ" الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل"
(۱۱) اکثر پڑھا کرتے تھے۔ اور مدافعت رسالت میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو کفر کی یلغار کا جواب دینے کا ارشاد فرماتے تھے۔" یا حسان اجب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم ایدہ بروح القدس
(۱۲) اے حسان (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے مدافعت کرو۔ اور اے اللہ ان کی روح القدس سے تائید فرما۔"
حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد نبوی میں منبر بچھانا، خود سماعت

فرمانا اور ان کے اشعار پر تحسین فرمانا اور جنت کی بشارت دینا کتب احادیث میں موجود ہے۔ ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کے جواب میں جب یہ شعر سنا

هجوت محمداً فاجبت عنه وعند الله في ذاك الجزاء "تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی (ہجو) کہی تو میں نے آپ کی طرف سے (تجھے) جواب دیا اور اس کا اللہ کے ہاں بدلہ ہے۔"

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جزاك على الله الجنة يا حسان! (۱۳) یعنی اللہ کے ہاں تیری جزا جنت ہے۔"

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے قصیدہ "بانت سعاد" کا سماعت فرمانا انعام میں اپنی ردائے مبارک عطا کرنا تاریخ ادب کے طالب علم پر مخفی نہیں (۱۴) یہ بھی یاد رہے کہ آپ نے پورے قصیدے کو پوری توجہ سے سنا حتیٰ کہ جب ایک مصرعہ نامناسب معلوم ہوا۔ تو اسے بدل دیا مگر مصرعہ اولیٰ کو برقرار رکھا۔ جس سے شعر کی حدود سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ شعر یوں تھا۔

ان الرسول لنور يستضاء

مهند من سيوف الله مسلول[۱۵]

"بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور ہیں۔ جن سے روشنی پائی جاتی ہے آپ اللہ کی تلواروں میں سے سونتی ہوئی تیز تلوار ہیں۔"

روایت ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے مصرعہ ثانیہ میں سیوف اللہ کے بجائے سیوف الہند کہا تھا۔ جسے آپ نے بدل دیا۔ اس سے ذوق شعری کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے اور اس بات کا بھی کہ جہاں عظمت پر حرف آئے وہ نامقبول ہے۔ معیار یہ ٹھہرا کہ ہر وہ شعر جس میں احترام مصطفوی کا خیال نہ رہے اور جس کے لفظوں سے جلالت شان پر کسی پہلو سے زد پڑنے کا خطرہ ہو تو وہ نامناسب ہے۔

شعر کی حیثیت اور حدود کے تعین کے بعد "مدح نگاری" کے بارے میں اسلامی روش کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے تاکہ مدح کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات سے آگاہی ہو جائے اور اس کی روشنی میں امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری پہ گفتگو کی جاسکے۔

مدح انسانی فطرت کی تاثر پذیری کا اظہار ہے فطرت سلیم حق آشنا ہوتی ہے عبادت بھی اسی جذبہ انقیاد کا نام ہے۔ تخلیق ایک نعمت ہے زر بخشی ایک احسان ہے۔ اس لئے اس پہ سپاس گزاری بھی بھرپور اور مکمل ہونا چاہیئے عبادت صرف زبان سے ہی نہیں بلکہ ہر ہر عضو جسم سے مدح پروردگار ہے۔ یہ نثر میں بھی ادا ہوتی ہے۔ اور نظم میں بھی لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان مدح کے تقدس کو برقرار نہیں رکھتا اور اسفل سافلین کے انحطاط کی طرف اترنے لگتا ہے۔ پھر موعود ذہنی بھی بدلتا ہے اور زاویۂ نگاہ بھی جس سے حقائق کا چہرہ دھندلانے لگتا ہے۔ اور نظر گردو پیش کے وقتی اور ہیجانی مغالطوں میں اسیر ہو جاتی ہے۔ نتیجۃً عناصر مدح میں سوچ کی ناپختگی اور خیال کی نادرستی راہ پانے لگتی ہے۔ اور وقتی مصلحتیں اور مادی حوائج مدح میں ابتذال کا تعفن پیدا کر دیتے ہیں۔ پھر ہر کہ ومہ جسے وزن وقافیہ کی کچھ سدھ بدھ ہوتی ہے مدح نگاری کو حصول رزق کا ذریعہ بنالیتا ہے۔ کم ظرف مداح، غیر مستحق ممدوح ہو جاتے ہیں۔ یہ مدح کا ارزل ترین مقام ہے۔ جس سے اجتناب کا حکم دیا گیا اور ایسے مدح نگاروں کے منہ میں خاک بھرنے کا ارشاد ہوا۔ (۱۶)

اسلامی تعلیمات اپنی عمومی روش اعتدال کے ساتھ مدح نگاری میں جلوہ ریز ہیں، مدح نگاری ایک انفعالی عمل کا فعالی اظہار ہے۔ اس لئے مدح نگار بیک وقت تاثر پذیر بھی ہوتا ہے اور تاثر آفریں بھی۔ وہ ممدوح کی

شخصیت سے مترشح ہونے والی صفات کو قبول کرتا ہے۔ اور پھر اس قبولیت کا اظہار اپنے شدت جذبات کے سہارے کرتا ہے۔ اس دوگنا عمل میں اگر کسی ایک کی تہذیب و تنقیح مناسب نہ ہوسکے تو نتیجۃً غیر تسلی بخش نکلتا ہے۔ اس لئے مدح نگار کی تاثر پذیری کی اصلاح بھی ضروری ہے اور اس کے اندرونی جذبات کے اظہار کی تہذیب بھی درکار ہے۔ اسلام طرفین کی اصطلاح کا ضامن بنتا ہے تاکہ کسی پہلو بھی غیر صالح خیالات پرورش نہ پا سکیں، ممدوح کا انتخاب بھی غور و فکر چاہتا ہے تاکہ غیر مستحق ممدوح نہ بن جائے، اس کے ساتھ مدح کو بھی آداب آشنا ہونا چاہیئے۔ تاکہ فرق مراتب کی فطری ضرورت کا احساس باقی رہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ خوش ہوتا ہے تو اس کا اعلان بھی کرتا ہے اور اگر ناراض ہو تو اس کا رد عمل بھی دیتا ہے۔ یہ فطرت انسانی کا اقتضا ہے اور اسلام انسان کو اس فطری حق سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔ ہاں وہ اس حق کو عین فطرت اور عین واقعہ بنانے کا خواہشمند ضرور ہے۔ اسلام کی یہی فیاضانہ مگر محتاط روش تھی کہ مدح نگاری پر کوئی ناروا پابندی عائد نہیں کی گئی بلکہ مناسب اظہار جذبات کو راہ دکھائی۔

مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اسی فطری جذبے کا سب سے ارفع اظہار ہے۔ یہ اپنی مخصوص ہیئت اور عناصر ترکیبی کے حوالے سے بھی منفرد ہے۔ یہ یہ خالص جذبوں اور معطر خیالات کا وہ حسین مرقع ہے جو سراسر محترم اور ہمہ تن مقدس ہے۔ یہ مدح نگار کے ضمیر کی آواز ہے۔ جو سامع کو بہر نوع متاثر کرتی ہے یہ عام مدح کی طرح نہ آسان ہے اور نہ ہر کسی کے بس کی بات ہے۔ بلکہ یہ تو ایک مشکل ترین صنف ہے۔ تاریخی عمل بتاتا ہے کہ وہ شعرا جو ہر کس و ناکس کی مدح میں مبالغے اور غلو کی تمام حدیں پار کر رہے تھے۔ اور جنہیں رائی کا

پہاڑ بنانے کا فن بھی آتا تھا۔ مدحِ ممدوحِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے ژولیدہ بیان ثابت ہوئے کہ ایک شعر بھی نہ کہہ سکے وجہ یہ تھی کہ سفلی جذبات اور مادی خواہشات کے دام میں اسیر اس روحانی سربلندی کے قابل نہ ٹھہرے تھے۔ پاکیزگیٔ خیالات کے حوالے سے نعت عام انداز مدح سے قطعاً مختلف ہے۔ اس لیے اسے عام مدحیہ شاعری کا جزو خیال کرنا اور اسی کے پیمانے سے ناپنا اس فن شریف سے انصاف نہ ہوگا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نعت کا موضوع وہ ذات ہے جو دیگر ممدوحین سے بلند اور عظیم تر ہے۔ وہ ایسے خصائص عالیہ سے متصف ہیں جہاں نہ شراکت ممکن ہے اور نہ کما حقہٗ اس کا بیان مدح نگار کے بس میں ہے۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا ہر رخ قلب شاعر کو تحریک دیتا ہے یہ تو شاعر کا اپنا ظرف اور حوصلہ ہے کہ وہ جمال جہاں آرا کے کن کن گوشوں سے کسب فیض کی استطاعت رکھتا ہے۔ نعت معروضی، تصویر کشی نہیں اور نہ واقعات شماری ہے بلکہ یہ ایسا ذاتی عمل ہے۔ جس میں ذات محبوب کا عکس جمیل دل پر نقش ہو جاتا ہے۔ نعتیہ شاعری ممدوح کی صورت گری نہیں اپنے باطن کا عکس ہے۔ وہ باطن جہاں ممدوح بصد حسن و زیبائی مسند نشیں ہے۔ موضوعات مدح کو جب شاعر اپنے داخل کے حوالے سے محسوس کرتا ہے اور اس کا قلبی تناظر اس احساس کو فعال قوت بنا دیتا ہے تو نعت وجود میں آتی ہے اگر عقیدت و محبت کا سوز نہیں اور مدح دل کی آواز نہیں تو یہ منظوم سیرت نگاری ہو گی نعت نہیں۔

نعت کی حدود کا تذکرہ کرتے ہوئے امام احمد رضا فاضل بریلوی فرماتے ہیں:۔

" حقیقتاً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہونچ جاتا ہے!

اور کمی کرتا ہے۔ تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے۔ کہ اس میں راستہ صاف ہے کہ جتنا چاہے، بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب کوئی حد نہیں۔ اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔"

(۱۷) اس حد بندی کے عناصر یہ ہیں:

ممدوح یکتا اور بے مثال ہے۔ مدح کے مضامین میں یکسانی کا احتمال ہے کہ مقصود نظر ایک ہے۔ وہ ذات جس کا ذکر کہیں ہو رہا ہے، ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ مدح نگار کا امتحان ہے کہ وہ کون سا گوشہ انتخاب کرتا ہے کہ نعت اس کے داخل کی آواز بنے۔ اور صرف عروضی جمع تفریق بن کر نہ رہ جائے۔

ممدوح ہمہ صفت موصوف ہے۔ ممدوح اگرچہ ایک ہے مگر اس کی ذات تدر لامحدود اور لامتناہی ہے۔ کہ بہت کچھ کہنے کے بعد بھی بہت کچھ کہنے کی گنجائش رہتی ہے۔ اس کے لیے نعت گو کو سیرت کے مطالعہ کا ذوق چاہیئے۔ اور صفات کی کثرت کا احساس بھی۔

مدح میں اعتراف عجز چاہیئے۔ نعت گو کو اپنی پوری توانائیاں خرچ کرنیکے بعد بھی عجز کا اعتراف کرنا چاہیئے۔ کہ ذات موصوف کا حق بھی یہی ہے۔ اور احترام ذات کا تقاضا بھی۔ یہاں ہر مدح خام اور ہر بیان کوتاہ ہے۔ علامہ بوصیری علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے کہ:

وانسب الی ذاتہ ماشئت من شرف
وانسب الی قدرہ ماشئت من عظم
فان فضل رسول اللہ لیس لہ
حد فیعرب عنہ ناطق بفم

ادب واحترام کا خیال ہر لمحہ دامن گیر رہنا چاہیئے۔ موضوع نازک بھی

ہے۔ اور عظیم بھی نازک یوں کہ یہاں جنبش لب یا لغزش قدم پر دنیا و عقبیٰ کی تباہی کا خطرہ ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق اس دربار میں :

صوتی آہنگ عاجزانہ اور آواز پست رہے۔

طرز خطاب میں انکسار اور تواضع رہے۔

پکار بے باکانہ نہ ہو کہ یہ سوئے ادب ہے۔

اسم ذات سے ندا غیر محمود ہے کہ خود پروردگار عالم نے یوں نہیں پکارا۔

ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین کی عزت وحرمت کا احساس بھی دامن گیر رہے۔

تشبیب عربی قصائد کا ابتدائیہ رہی ہے اس بارے میں علماء مختلف الخیال رہے ہیں کہ یہ نعتیہ قصائد کا سرنامہ بن سکتی ہے یا نہیں، دلائل دونوں جانب موجود ہیں۔ مگر یہ بہرحال تسلیم ہے۔ کہ اس سے قاری کے ذہن میں موضوع کی عظمت کے تصور کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیئے۔ جذبات عشق منہ زور ہو کر نعت کی نورانی فضا کو مکدر نہ کریں بلکہ صرف ذات محبوب کے حواشی کے طور پر آئیں (یوں کہ غبار ناقہ سے محمل لیلیٰ کا سراغ ملے)

اعلیحضرت علیہ الرحمہ ایک پر گو شاعر تھے۔ انہیں اصناف سخن کی حدود وقیود کا بھی احساس تھا۔ اور شعر کی اثر آفرینی کا بھی، اردو فارسی اور عربی میں ان کی شعری کاوشیں دنیائے ادب سے خراج عقیدت وصول کر چکی ہیں۔ بہت سے ماہرین فن آپ کی اردو شاعری کے حوالے سے تحقیقی مقالے مرتب کر چکے ہیں۔ آپ کے شعری ذوق اور ادبی عظمت کو ہر صاحب فن نے سراہا ہے۔ ہماری گفتگو چوں کہ صرف عربی شعر کے بارے میں ہے اس لئے ان تمام فنی وادبی محاسن سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم عربی شاعری کے تناظر میں اپنی گذارشات پیش کر رہے ہیں۔ عربی شاعری میں

نعتیہ روایت اس قدر قدیم ہے جس قدر قدیم ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نعت نے اسلامی معاشرے میں ایک برتر صنف سخن کی حیثیت اختیار کرلی ہے اور یہ اپنی عظمت منوا رہا ہے۔ غیر عرب اسلامی دنیا میں اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ مدح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سطوت قائم ہوئی۔ ہر دل مضطر کی پکار نعت کے قالب میں ڈھلی اور غیریت زبان کے باوجود عربی نعتیہ شاعری کا رواج عام ہوا۔ ترکستان، ایران، افغانستان میں ترکی اور فارسی شاعری کے ساتھ عربی شاعری بھی ارتقا پذیر رہی برصغیر پاک و ہند میں یہ سعادت ان لوگوں کو حاصل ہوئی جو صاحبان علم بھی تھے اور جنہیں صوفیا کی محافل میں رسائی بھی حاصل تھی۔ صفائے قلب نعتیہ شاعری کا جوہر ہے۔ جس کے بغیر نعت کہی ہی نہیں جاسکتی۔ اس لئے برصغیر میں یہ صنف لطیف صوفیا کی مجالس میں پروان چڑھی۔ عبدالمقتدر تھانیسری، مولانا احمد شریحی، شیخ حامد جمالی شیخ محمد یعقوب صرفی، مولانا فیض احمد بدایونی، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ رفیع الدین دہلوی۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی غلام علی آزاد بلگرامی، مولانا محمد حسن سنبھلی، شاہ عبدالقادر بدایونی، مولانا فضل حق خیرآبادی، مولانا خیرالدین وہ بزرگ ہستیاں ہیں جن کی توجہ سے عربی شعر کو جلا ملی۔ اور عربی نعتیہ شاعری کا وجود برقرار رہا۔ مولانا امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی اسی گروہ کے نمائندہ کا نام ہے۔ جن کی شاعری کا سارا سرمایہ نعتیہ شاعری پر مشتمل ہے۔ عجمی ماحول میں زندگی گذارنے والے علما اپنی ذاتی کاوشوں سے اس رابطے کو قائم رکھ سکے تھے۔ یہ محنت طلب کام تھا مگر باطنی کیف اور ذوق فراواں ان مشکلات سے کامیاب گزرنے میں معاون رہے۔ شاعری کو دو حوالوں سے ناپا جاسکتا ہے۔ کمیت کے پیمانے سے، یا کیفیت کے حوالے سے

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی عربی شاعری پر کوئی مستقل تالیف سامنے نہیں آئی مگر پھر بھی جو کچھ ان کی تحریروں میں بکھرا ہوا ملتا ہے۔ وہ ایک مستقل دیوان کا حجم ضرور رکھتا ہے۔

اب تک جو اشعار دستیاب ہو چکے ہیں ان کے مطابق مراثی، تقاریظ مدحیہ کلام اور مناظرانہ انداز شعر کا مجموعہ چار سو شعر کے قریب ہے جبکہ نعتیہ شاعری کی مناسبت سے ۳۵۳ اشعار موجود ہیں۔ اس طرح آپ کے عربی اشعار کی مجموعی تعداد ۷۵۱، شعر ہے۔ اور یہ تعداد ایک عربی دیوان کے عمومی حجم سے بھی کہیں زیادہ ہے۔

کمیت کے اعتبار سے فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ عربی زبان وادب کے طلبہ کی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں کہ برصغیر میں اس حد تک پر گو شاعر کم دیکھنے میں آیا۔ عربی شعر کے حوالے سے محققین کو اس جانب اپنی تحقیقات کا رخ موڑنا چاہیئے۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے کلام کا داخلی مطالعہ یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ اس میں جا بجا قدیم عربی شاعری سے مولانا کا شغف نمایاں ہے۔ علماء فن جانتے ہیں کہ مطالعہ علمی پیش رفت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ (علامہ اقبال کی شاعری میں ایسے حوالے ہر کہیں موجود ہیں اور بعض اساتذہ نے اس ذہنی ربط کا سراغ لگانے کی بھی کوشش کی ہے۔) آپ نے مولانا فضل الرسول بدایونی علیہ الرحمۃ کی مدح میں ۱۳۱ اشعار پر مشتمل قصیدہ لکھا۔ یہ نونیہ قصیدہ عربی قصائد میں اپنی فصاحت وبلاغت اور روانی کی بنا پر بلند مقام رکھتا ہے۔ اس میں الفاظ کا دروبست اور خیالات کا بہاؤ اس قدر منضبط ہے کہ پورا قصیدہ ایک اکائی بن گیا ہے۔ اس کی ابتداء میں عربی قصائد کے مشتملات کی مناسبت سے تشبیب کہی گئی ہے۔ اور قدیم عربی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ کتاب الحماسہ میں جعفر بن علبہ الحارثی

کے اشعار کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آپ نے اپنے قصیدے میں اس کا ماہرانہ انداز میں ذکر کیا اور بعض عمدہ اضافے کئے فرماتے ہیں۔

بانت وما لانت فبانت لواعتی
یاخیبتی فی الصبر والکتمان
رانت ازسبتہ راحتی من راحتی
وکن الك كل مودع الاحدان
ولت وما والت فوالت عبرتی
لم لا اھیم اذا لحبیب جفانی (۱۹)

مولانا کی شاعری میں تشبیب کا حوالہ تو ضرور ہے مگر آپ کبھی بھی اپنے مقصود نظر سے غافل نہیں ہوتے یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے غیابت کا ایک لمحہ بھی گوارا نہیں۔ اس لیے اگر کہیں روایت قصیدہ کو نبھایا تو صرف اس حد تک کہ ان کے اشعار کا ماضی سے رشتہ نہ ٹوٹ جائے چنانچہ فرماتے ہیں:

ماکان ھذا دید نی لکنہ
تشبیب شعر لا ذوالشیان

مولانا کی نعتیہ شاعری کا مرکزی نقطہ توسل واستغاثہ ہے۔ آپ کے ہاں شعری حکایت کا تصور نہیں آپ جو کچھ کہتے ہیں اسے اپنے دل کی آواز اور روح کی پکار بناتے ہیں۔ ان کا رجحان طبعی خودسپردگی اور جاں دادگی کا غماز ہے کیف آمیز وجدانی احساسات نے ان کی شاعری کو والہانہ پن عطا کیا ہے۔ آپ جس زبان میں بھی اظہار کرتے ہیں یہی طرز ادا اپناتے ہیں۔ بے ساختہ پکار آپ کی شاعری کا امتیازی وصف ہے۔ مولانا کے استغاثے میں زندگی کی بے چینیوں سے سکون

کی تلاش، شر اعدا سے حفاظت کا سامان اور آخرت میں توسل وشفاعت کی تمنا شامل ہے دنیا کے مصائب سے پناہ کی خواہش کے ضمن میں مدینہ منورہ کی حاضری تصوراتی، حضوری اور فراق کی چبھن کے مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ یہ حصہ آپ کے وجدان کا مظہر ہے آپ بھری دنیا سے منہ موڑ کر ایک دربار کے ژلہ ربا ہونے میں راحت پاتے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ان کا کوئی ممدوح نہیں اس لئے ان کی عقیدت و محبت توحید مست ہے۔ دولی اور شراکت کا کوئی شائبہ اس وحدت فکر کو داغدار نہیں کرتا۔ آپ صرف اپنے کریم کے گدا ہونے میں سکون پاتے ہیں۔ اور مدح اہل دول ان کے مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ کاسہ لیسی کا ہر جہت سے محفوظ رہنا وہ کارنامہ ہے جس کی مثال مشکل سے ملے گی علوم دینیہ کی مہارت اور تعلیمات اسلامیہ کی محبت نے آپ کو سیرت اور حواشی سیرت کے لاتعداد موضوع مہیا کر دیئے تھے۔ موضوعات کی کثرت اور خیالات کی بہتات نے کلام میں حکایاتی انداز پیدا نہیں ہونے دیا۔ واقعہ نگاری سے اجتناب اور احترام میں بسی ہوئی شرمیلی آنکھ نے آپ کو منفرد وصف عطا کر دیا ہے۔ شریعت کی مطابقت نے شعر کو مقدس اور صاحب شعر کو محترم بنا دیا ہے۔ سیرت نگاری یا فضائل شماری ان کی شاعری کا ہدف نہیں بلکہ واقعات سیرت کے قلبی تاثر اور فضائل وخصائل کے داخلی وجدان کا اظہار مقصود ہے واقعات ہو یا فضائل، یہ خارج کی بات نہیں بلکہ آپ کے لوح قلب پر منعکس ضیا پاشیاں ہیں کہ ان کی پرچھائیاں اشعار کے آئینوں میں جگمگا رہی ہیں۔ مولانا کے ہاں موضوعات مدح محرکات نفس میں ڈھل گئے ہیں اس لئے ان کی مدحیہ شاعری میں جذبات کی فراوانی اور خیالات کی سرشاری عطر بیز ہے۔ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پناہ طلبی ان کا خاص موضوع ہے۔ اس لئے والہانہ پکار بھی اور قلب مضطر کا

استغاثہ بھی۔

رسول اللہ انت بعثت فینا
کریما رحمۃ حصنا حصینا
تخوفنی العدی کید امتینا
اجرنی یا امان الخائفینا (۲۱)

اس کرم و رحمت پر انہیں اس قدر اعتماد ہے کہ ان کے استغاثے کامل سپردگی کا مظہر بن گئے ہیں۔ پکار کی شدت اور طرز ادا کی انفرادیت دیکھئے فرماتے ہیں:

رسول اللہ انت المستجار
فلا اخشی الاعادی کیف جاروا
بفضلک ارتجی ان عن قریب
تمزق کیدھم والقوم باروا (۲۲)

ایک مقام پر جب کہ وہ مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیانت کے لئے شمشیر بے نیام نظر آتے ہیں۔ اپنی قوت اور دشمنوں پر یلغار کی شدت کا حوالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل کو قرار دیتے ہیں۔

ولذ برسولہ فلیاذہ الحق
وعاھدہ من اللہ العہود
جوار لا یضام ولا یرام
ورکن لا یھد ولا یھید (۲۳)

یہی یقین مختلف پیرایوں میں بیان ہوا ہے۔ کہیں تو انداز بیانیہ ہے جیسے ؎

رسول اللہ انت لنا الرجاء
وفضلک واسع وجداک جود

اور کبھی سامعین کو یہی بات نصیحت کے انداز میں بتاتے ہیں تاکہ ان میں اعتماد اور حوصلہ پیدا ہو:

حبیب اللہ من تقر بہ حفظا
فکل کریھۃ عنہ بعبد (۲۵)

اور فی الواقع ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہمیشہ سے دربار انسانیت کی پناہ گاہ اور حفاظت گاہ رہا ہے۔ اور قیامت تک یہ فیض جاری رہے گا۔ مولانا کو اپنے نظریات اور معتقدات پر اس قدر یقین ہے کہ حوادث زمانہ کا کوئی تھپیڑ انہیں متزلزل نہیں کر سکتا۔ یہ صرف لفظ نہیں بلکہ ان میں پر خلوص جذبوں کا بحر بے کنار موجزن ہے فرماتے ہیں:

بك استغاثت الانام فی البلا
تکشف عنھم کل ما بہ ببلوا (۲۶)

مزید فرمایا:

ما فال خیرا من سواء نائل
کلا ولا یرجی بغیرہ نائل

یہ حتمی فیلہ اس لئے کہ:

منہ الرجاء منہ العطا منہ المدد
فی الدین والدنیا والاخری للابد (۲۷)

اس اعتماد کا سبب صرف ان کا ذاتی حوالہ نہیں وہ روایات اور شواہد ہیں جو احادیث کی کتب میں مذکور ہوئے اور جن کی صحت کا ہر کسی نے اعتراف کیا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں:

وکل خیر من عطاء المصطفیٰ صلی علیہ اللہ مع من یصطفیٰ

اللہ یعطی والحبیب القاسم
صلی علیہ القادر والاکارم

مولانا کا وظیفہ حیات ہی یہی ہے کہ وہ سرکار گردوں پناہ کے حضور استغاثے پیش کرتے رہیں۔ بیانیہ انداز ان کے اعتماد کا مظہر ہے۔ اور ندائیہ اندازِ طلب ان کی وارفتگی کا آئینہ دار ہے ان کی دعائیں بھی یہی حوالہ معتبر ہے کہ یہی قبولیت کا واحد ذریعہ ہے۔ حضورِ حق میں اپنے آقا و مولیٰ کا توسل ان کی شاعری کا امتیازی وصف ہے۔ اور یوں حمد و نعت میں قرب کی منزل پیدا ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

الٰھی الیك بالحبیب توسلی
بہ فاغفرلی اللھم ذنبی وزلتی

اپنی مشہور حمد میں جو سترہ اشعار پر پھیلی ہوئی ہے فرماتے ہیں۔

فالی العظیم توسلی
بکتابہ وباحمد
ویمن اتی بکلامہ
ویمن ھدی وعن ھدی
وبطیتہ ویمن حوت
ویمنبر و یمسجد (۳۰)

کبھی توسل کے حصار کو بھی توڑ کر اپنے آقا کے حضور خود حاضر ہو گئے۔ اور خطاب میں بے پناہ جوش در آیا۔

یا مالک الناس النبی المصطفیٰ
اشفع لعبدک دافع البلا

انہیں محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و کرم سے امید ہے کہ آپ اپنی سرشت حیا کے صدقے ان کی لاج رکھ لیں گے۔ اس لیے بسا اوقات طلب

خفی پر اکتفا کرتے ہیں:

اذكر حاجتي ام قد كفاني
حياءك ان شمتك الحياء
رسول الله فضلك ليس يحصى
وليس لجودك السامي انتهاء
فان اكثر مننا دنيا واخرى
فليس البحر تستقصه الدلاء (۳۲)

مولانا اس وارفتگی میں اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے ترانے گاتے اور خصائص عالیہ شمار کرتے جاتے ہیں۔ لیکن فضائل و شمائل کا تذکرہ تمہید ہوتا ہے ان کی اپنی روداد غم کے تذکرے کا اس لئے صرف مدح آپ کے ہاں نہیں ملتی انہوں نے ذات رسالت مآب کا دور سے مشاہدہ نہیں کیا۔ نہ ظاہر میں نہ تصور میں۔ بلکہ آپ انہیں اپنے قلب و جگر میں جاگزیں پاتے ہیں اس لئے عرض داشت کا رنگ سرگوشی کا سا ہے اور جہاں پکار ہے تو سرفرازی قسمت کا بے ساختہ اظہار ہے ہمہ وقت قرب کا تصور، مدام سلام کا خیال ابھارتا ہے اس لئے مولانا کبھی ان کے کرم کی بھیک مانگتے ہیں تو کبھی جذبوں کے ہدایا نذر کرتے ہیں۔

وافضل الصلوات الزاكيات على
خير البرية منجي الناس من سقر (۳۳)

وہ ایسا درد پیش کرنے کی خواہش رکھتے ہیں جو ہر دم ہو اور جسے کبھی نہ ختم ہونا

نصیب ہو۔

صلاۃ لا تحد ولا تعد

ولا تغنی وان فنیت ابود

سلام لا یمن ولا یمانی

ولا یبلی متی بلیت عہود (۳۴)

اسی لئے حمد میں بھی یہی تصور دامن گیر رہتا ہے۔ کہ درود کو خالق کا حوالہ حاصل رہے تاکہ اس کا دوام حتمی قرار پائے دعائیں بھی محبوب ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا خیال مرکز بنا رہتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وصلاۃ دوما علی

خیر الانام محمد

وادم صلاتك والسلام

علی الحبیب الاجود

ما غرس ذت ورقا علی بان لخیر مغرد (۳۵)

ان کا ایمان ہے کہ کوئی پسند کرے نہ کرے منکسر المزاج مومن کا حق ہے کہ ایسے موقعوں پر سراپا احترام بن جائے اور احتراماً قیام کرے تاکہ حضوری کا تصور بھی رہے اور عاجزانہ حاضری کا خیال بھی:

نحق خضوع الوجہ رغما لکارہ

وان ینھضن الشراف عنہ سماعہ

قیاما صفوفا وحشیا علی الراکب

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری کا محور جذبہ عشق ہے۔ ایسا جذبہ جو اپنے اظہار میں مودّب ہے۔ ان کا لہجہ متواضع اور ان کا انداز خطاب ملتجیانہ ہے

لفظوں میں متانت اور طرز ادا میں انکسار ہے قرآنی احکام ہر لمحہ پیش نظر رہتے ہیں۔ تو دربار نبوی کا جمال ہر دم حوصلہ بڑھاتا ہے۔ جذب وانجذاب کا یہ سلسلہ ہمہ وقت ان کی شاعری میں موجزن ہے۔ محبت وعقیدت کی اس فضا میں اس لمحہ ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔ جب کسی جانب سے ذات ممدوح کے احترام میں کمی کا احساس ابھرتا ہے۔ ان کی بے پناہ محبت دفاع ذات رسالت مآب میں شمشیر براں بن جاتی ہے۔ ایسے میں ان کا والہانہ پن دیدنی ہوتا ہے۔ ہر جانب سے للکارتے ہیں۔ اور ہر لمحہ پسپا کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ (اردو اور فارسی کلام میں ایسے مناظر کثرت سے نظر آتے ہیں۔ مگر عربی شاعری تو ان کے اپنے ذوق کی تسکین کے لئے ہے کہ سامعین عوام نہیں اس لئے یہاں ایسے لمحات کم آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عربی شاعری میں جب مقام مصطفوی کا تحفظ بھی مقصود ہے تو بھی لہجہ عالمانہ رہا ہے۔ جبکہ اردو فارسی میں کہیں کہیں مناظرانہ کیفیت بھی پیدا ہوئی ہے۔)

مولانا کی شاعری کا مجموعی جائزہ یہ واضح کر دیتا ہے کہ ان کی نعت پر قرآنی آداب کا سایہ ہے۔ کہیں بھی جوش محبت بے راہ نہیں ہوتا۔ اور کسی مقام پر بھی شعر جذبوں سے خالی ہو کر صرف عروضی کرشمہ سازی دکھائی نہیں دیتا۔ شعر حدود شریعت میں رہتے ہوئے بھی معطر خیالات کا امین ہے۔ اسلام کا مقصود ہر آن راہنما ہے نہ کہیں شعری ضرورت راہ راست سے بھٹکاتی ہے اور نہ سرمستی بے قابو ہونے پر اکساتی ہے۔ جوش وولولہ بے حد وحساب عقیدت کا ئل محبت اور زلہ ربائی کا شوق فراواں اپنی بہار تو دکھاتا ہے انگشت نمائی کا موقعہ فراہم نہیں کرتا۔ مولانا کی شاعری اسلامی نظریات کی حامل شاعری

کا بہترین نمونہ ہے۔ جس میں شعریت اور شریعت گلو در گو ہیں۔ اور یہی آپ کی شاعری کا نقطۂ کمال ہے۔

کہتے ہیں کہ شاعری کو شعر گوئی کا ملکہ فیاض فطرت عطا کرتی ہے۔ وہ شعر کہتا نہیں شعر اس سے ہو جاتا ہے۔ مولانا ایسے ہی مطبوع اور فطری شاعر تھے کہ شعر ان پر نازل ہوتے تھے۔ اس وہبی کمال کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے مطالعے اور محنت سے شعری علوم پر بھی مکمل دسترس حاصل کر لی تھی، انہیں "شعر" کے تمام جوانب کا احساس رہتا تھا۔ لفظی مناسبت اور معنوی حسن ان کے شعری ذوق کے بنیادی عناصر تھے۔ ایک ایک لفظ منتخب ہے اور معانی کا ہر پہلو ذوق جمال کے معیار پر تلا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ کسی دوسرے سے کچھ سنتے تو نامحبوب خیال یا مانوس لفظ پر فوراً گرفت فرماتے۔ یہ خیال کبھی محو نہ ہوتا کہ دربار گہربار میں تحائف پسندیدہ ہونے چاہیئے۔ مولانا احمد بخش تونسوی علیہ الرحمہ نے ۱۱۴ اشعار کا ایک مدحیہ قصیدہ برائے اصلاح حاضر کیا تو بیماری کے باوجود اور کتب حوالہ کی عدم دستیابی کے باوجود ۱۰۱ شعروں میں ترمیم و اصلاح فرمائی۔ ۲۶ اشعار بدل دیئے۔ اور اپنی جانب سے اضافہ کر دیا۔ اصلاح کا ایک ایک لفظ شہادت دے رہا ہے کہ لغوی، صرفی، نحوی اور عروضی کوئی پہلو بھی نظر انداز نہیں ہوا۔ اور سب سے بڑھ کر مقام کی عظمت کے خیال سے مجموعی تاثر کی بھی اصلاح فرمائی۔ مولانا عقائد میں جھول اور نظریات میں رعایت کے قائل نہ تھے۔ اس لئے جہاں ایسا محسوس ہوا فوراً ترمیم کی۔ مثلاً ایک شعر تھا۔

ان کنت عونالی ایا مالکی
من قدرك الاعلیٰ فلا یقلل (۳۷)

اس میں اولاً عونالی کو عون العبد بنایا۔ تاکہ معاونت سرکار محدودیت

کا شکار نہ ہو۔ پھر ایا مالکی کو یا مالکی کیا اور آخر پر من قد رك الموفود لا یقلل کر دیا۔ حاشیہ پر ترمیم کی وجہ یہ لکھی۔" ایا وھیا وھمزہ کے ساتھ اللہ و رسول کو ندا مجھے پسند نہیں۔ یوں ہی اردو میں او کے ساتھ سخت گراں گزرتی ہے۔ اور معمولات جزا کی ف پر تقدیم نہیں ہوتی۔

محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر لحہ قریب تر جاننے والے پر بعید کی ندا گراں گذرتی ہے۔ ایک اور شعر ہے۔

لکینني ابنی شغفت به
حیا ولکن قد یتساهل

اس شعر کو مکمل طور پر بدل دیا اور لکھا:

مولائی لی ابن قد شغفت به
حیا ولکن اراه یهمل

وجہ یہ ارشاد فرمائی۔" ابنی میں همزہ وصل ہے اور یہاں فاعلن نا مطبوع اور تساہل غالباً متعدی بنفسہ نہیں اور تاسیس تھی اور پہلا لکن بے محل سا تھا۔" (۳۸)

اس پورے قصیدے میں آپ کی تراہیم اور اصلاحی مشورے اتنے جاندار ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک ایک لفظ آپ کے تنقیدی شعور کے معیار پر پرکھا گیا ہے۔ مولانا کو نہ لفظی بے کیفی پسند ہے۔ اور نہ معنوی تضاد اور بے ربطی، اپنے خط میں مجموعی رائے دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

" فقیر نہ عروضی ہے نہ لغوی۔ فنون ادب میں درسیات بھی نہ پڑھیں نہ یہاں پہاڑ پر کوئی کتاب لغت و ادب و عروض کی حاضر اپنے ذوق پر جو خیال میں آیا عرض کیا۔"

مولانا کو یہ ذوق بھی قرآن و حدیث سے ہی عطا ہوا تھا۔ اس لئے فرماتے " میرے نزدیک حتیٰ الا مکان احتیاج تاویل سے بچنا چاہیئے۔ کہ حدیث میں فرمایا ایاك وما یعتذ ر منه پھر ادبیات کے حوالے سے اور اپنے ذوق شعری کی

بنا پر فرماتے ہیں۔

"زحاف نامطبوع سے اگرچہ مجوزہ بلکہ عرب میں رواج بھی ہو حتی الامکان احتراز اچھا معلوم ہوتا ہے۔ فعلن ضرب میں بدلنا تو ضرور تھا ہی بوجہ کثرت عروض میں رہنے دیا ہے ورنہ میرے مذاق پر ثقیل ہے۔ نظم عربی میں دخیل و تاسیس کی رعایت واجب ہے ہوتا تو سب میں ہوتا حالانکہ ۸۶ میں نہیں صرف ۲۸ میں ہے انہیں کو بدل دیا۔ (۳۹)

یہ جملے مولانا کے تنقیدی شعور کی شہادت دے رہے ہیں اور عربی شعر کے جملہ اوصاف اور لغوی، نحوی اور عروضی پہلوؤں پر آپ کی ماہرانہ دسترس کے گواہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کو دین کی سمجھ عطا کی اور اس راستی فہم نے تمام علمی و ادبی محاسن سے مالامال کر دیا۔ فیاض ازل کی رحمت نے آپ کو کسی پہلو بے توفیق نہیں چھوڑا، ریاضی و حساب جیسے فنی شعور میں ان کی نظر کا اعتراف بڑے بڑے ریاضی دانوں کو ہے فقہی میدان میں مسائل دور حاضر کا شرعی حل اور درست استخراج ان کی عظمت کا وہ نشان ہے جن کا علامہ اقبال تک نے محبت سے ذکر کیا ہے۔ اردو شعر کی عظمت کا ناقدین فن نے اعتراف کیا اور ادبی حلقوں نے خراج محبت پیش کیا۔ عربی شعر کا یہ مختصر جائزہ مولانا کی عبقریت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ گزارشات بہت محدود نوعیت کی ہیں۔ کہ آپ کے شعری محاسن پر باضابطہ تحقیق کی ضرورت ہے۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا" کی مساعی قابل قدر ہیں کہ اس کے ذریعے ہم ایسے طلبہ کو اس نابغہ عصر سے آشنائی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کرے یہ سلسلہ جاری رہے اور لوگ ذاتی انا کے حصار اور شخصی مخاصمت کے گرداب سے نکل کر مجدد مائۃ حاضرہ کی عظمتوں کا اعتراف کرنے کا حوصلہ پا سکیں۔ آمین۔

والصلاۃ ربی دائما ابدا علی
خیر البریۃ سید الاکوان (۴۰)

امام احمد رضا

اور

میڈیکل سائنس

ڈاکٹر محمد مالک
(ایم۔ بی۔ بی۔ ایس۔ ڈیرہ غازی خان)

قرآن حکیم علوم و معارف اور خزائن و عرفان کا منبع و سرچشمہ ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں کائنات کے تمام علوم و فنون پنہاں و پوشیدہ ہیں۔ قرآنی فہم و ادراک رکھنے والا ایسے علوم کی نشاندہی کر سکتا ہے۔ اور جو بارگاہ رب العزت سے خصوصی انعام یافتہ ہو وہ بدرجہ اتم قرآنی علوم و معارف کے ایسے انکشافات کر لیتا ہے جو ہر کس و ناکس کی دانش و بینش سے ماورا ہیں۔ ایسی ہی ایک باولایت ہستی مفکر اسلام علامہ امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہٗ کی ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعامات اور علوم و معارف سے نوازا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج علوم دینیہ اور علوم جدیدہ سے منسلک بڑے بڑے علماء و دانشور اور ملکی و غیر ملکی یونیورسٹیز کے ریسرچ اسکالرز امام احمد رضا کے علمی دانش کدہ میں گم ہیں۔ اور علامہ امام بریلوی کی ہمہ جہت شخصیت و عالمگیر اسلامی خدمات پر بڑی بڑی ڈگریاں (M.Phil اور Ph.D) حاصل کرنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں مفکر اسلام کی کتابوں کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔

مفکر اسلام پر عطا الٰہی کی ایسی نوازشات کا اگرچہ ہم احاطہ تو نہیں کر سکتے تاہم علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی علوم پر ان کی نادر نگارشات انعامات الٰہیہ کا پتہ ضرور دیتی ہیں۔ اور جدید علوم پر ان کی کامل دسترس اور حیرت انگیز تحقیق کو آشکار کرتی ہیں۔ مفکر اسلام کا علوم قدیم و جدید پر کامل عبور جہاں اعلیٰ ذہن اور ارفع شخصیت کا گواہ ہے۔ وہاں پر عالم اسلام کے لئے اسلام کی حقانیت کو ثابت کرتے ہوئے قابل فخر بھی ہے۔

مفکر اسلام علامہ امام بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے میڈیکل سائنس کے مشکل اور مخصوص شعبہ پر کلام کیا ہے۔ اور بڑی وضاحت کے ساتھ اسلامی نظریات کی حقانیت کو ثابت کر کے قرآن و حدیث کی عظمت کو برقرار رکھا ہے۔ اور اسلامی سرحدوں کے محافظ کی حیثیت سے یہاں تک ثابت کیا ہے۔ کہ سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کا قرآن و حدیث میں مفصل یا اشارۃً کوئی ذکر موجود نہ ہو۔ نیز مفکر اسلام نے مریض کی عیادت اور دیکھ بھال کے اس عالمی پیغام محبت کو اپنی نادر تصانیف میں بڑی شد و مد سے واضح کیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ مریض سے محبت اور حسن سلوک اسوۂ حسنہ کی ایسی بے نظیر مثالیں ہیں جسے کوئی دوسرا مذہب پیش نہیں کر سکتا۔

الصمصام علی مشکک فی اٰیۃ علوم الارحام

سنہ ۱۳۱۵ھ

قرآن، میڈیکل امبریالوجی اور امام احمد رضا:

(A Review of Quran,
Medical Embryology
and Imam Ahmed Raza)

میڈیکل سائنس کے موضوع پر مفکر اسلام امام احمد رضا خان قادری بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی یہ عظیم اسلامی خدمات (Islamic Contribution) اپنی مثال آپ ہیں۔ ایک طرف یہ رسالہ پادری کے سوال کا رد بلیغ ہے۔ تو دوسری جانب اسلام کی دائمی حقانیت کو ثابت کرتے ہوئے سائنسی بنیادوں پر عالم اسلام کے لئے رہنمائی کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی دور حاضر کے مسئلے کا لاجواب حل بھی ہے۔

اس رسالے کا پس منظر بھی کسی کا استفسار ہے۔ یعنی سو برس قبل آپ سے ایک فتویٰ پوچھا گیا کہ ایک پادری کا کہنا ہے کہ پیٹ کا حال کوئی نہیں جانتا کہ بچہ ذکور (لڑکا) سے ہے یا اناث (لڑکی) سے ہے۔ حالاں کہ ہم نے ایک آلہ نکالا ہے جس سے سب حال معلوم ہو جاتا ہے۔ اور پتہ ملتا ہے۔

اس کے جواب میں مجدد اعظم، فقیہ عالم، مفکر اسلام علامہ امام بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے مسلم امہ کی نمائندگی کرتے ہوئے نہایت مدلل انداز میں ایک علمی، تحقیقی اور مبسوط و بے مثال رسالہ بنام "الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام" تحریر فرمایا۔

مفکر اسلام نے اس رسالہ میں ابتداً نفس مضمون سے متعلق سات قرآنی آیات مبارکہ پیش کی ہیں۔

مفکر اسلام نے اس رسالہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و برتری کو بڑے شد و مد کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مفکر اسلام نے اس رسالہ میں مخلوق کے علم کو عطائے الٰہی ثابت کرتے ہوئے قرآنی حوالہ جات پیش کئے ہیں۔

مفکر اسلام نے اس رسالہ میں جدید سائنسی ریسرچ کو محدود نہیں کیا بلکہ تحقیق کی راہ آنے والی نسلوں کے لئے برقرار و بحال رکھا ہے۔ مگر اسلامی سرحدوں کی مکمل حفاظت و پاسداری ہے۔

مفکر اسلام کا یہ رسالہ گرچہ خالص اسلامی نوعیت کا ہے مگر اس رسالہ میں جدید سائنسی علوم کا استعمال اجمالاً یا تفصیلاً ملتا ہے۔ مثلاً۔

(i) Genetics جنیات

(ii) Modern Embryology جدید علم جنین

(iii) Physics طبعیات

(iv) Topology (Math) (ٹوپالوجی) علم مقامات۔

(v) Geometry علم ہندسہ

(vi) Astronomy علم ہیئت و فلکیات۔

(vii) Astrology علم نجوم

(viii). Zoology (Biology) علم حیوانیات۔

(ix) Philosophy and Logic فلسفہ اور منطق۔

(x) Gramer گرامر (صرف، نحو)

مفکر اسلام نے اس رسالہ میں ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ قرآن نے کسی جگہ فرمایا ہے کہ کوئی کبھی کسی مادہ کے حمل کو کسی تدبیر سے اتنا نہیں معلوم کر سکتا کہ نر (Male) ہے یا مادہ (Female) اگر کہیں ایسا فرمایا تو نشان دو۔ اس لئے پادری کو یا تو بے فہمی محض ہوئی ہے۔ یا حسب عادت دیدہ و دانستہ کلام الٰہی پر افترا و تہمت ہے۔

مفکر اسلام نے مذکورہ رسالہ میں ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ اگر جدید تجربات کے بعد کوئی آلہ بتا دیتا ہے۔ کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ پہلے بھی مجربین اس قسم کے قیاس پیش کرتے رہے ہیں۔ ایسا علم بھی عطائے الٰہی سے ہے۔ جو اس آلے سے حاصل ہوتا ہے۔

مفکر اسلام کا یہ رسالہ صحیح اسلامی نظریات وحقائق کی روشنی میں آنے والی نسل کے لیئے راہنمائی کرتا ہے۔ اور بالعموم عوام الناس اور بالخصوص جدید تعلیم سے تعلق رکھنے والے اشخاص کے مضطرب اذہان کو دورِ حاضر کے پیچیدہ اور نازک مسئلے کا جامع اور اطمینان بخش جواب مہیا کرتا ہے۔ ایسی علمی اور نادر تحقیق بلا شبہ امام موصوف کے رہبر عالم اسلام ہونے کا بین ثبوت ہے۔

امام احمد رضا اور جدید ایمبریالوجی

(Imam Ahmed Raza and Modern Embryology)

چودھویں صدی میں مفکر اسلام علامہ امام احمد رضا نے رہبر عالم اسلام کی حیثیت سے مسلم امہ کی نمائندگی ور ہنمائی کا استدلال پیش کر کے خالص میڈیکل کے مضمون Embryology پر بحث کی ہے۔ آپ نے میڈیکل Embryology کے بارے میں بعض ایسے انکشافات کیئے ہیں۔ کہ میڈیکل سائنس کے ماہرین داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں۔

مفکر اسلام چوں کہ عطائے الٰہی سے قرآنی علوم ومعارف سے آگاہ ہیں۔ اس لیئے قرآن سے ہی میڈیکل ایمبریالوجی کے موضوع پر نفیس بحث فرماتے ہیں۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"ترجمہ: تمھیں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں بناتا ہے۔ ایک طرح کے بعد اور طرح، تین اندھیریوں میں، یہ ہے۔ اللہ تمہارا رب اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ پھر کہاں پھیرے جاتے ہو۔" (کنزالایمان الزمر)

کنزالایمان کے تفسیری حاشیہ خزائن العرفان پر مذکورہ تین اندھیریاں یوں درج ہیں۔

۱۔ ایک اندھیری پیٹ کی۔

۲۔ دوسری رحم کی

۳۔ تیسری بچہ دان کی۔

جدید تحقیق کے مطابق یہ تین اندھیرے (Three Viels of darkness) یہ ہیں۔

a. Amniotic Membrane

b. Uterine Wall

c. Abdomnial Wall (Anterior)

مفکر اسلام اپنی تصنیف الصمصام میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ کہ جنین پر تین اور پردے ہوتے ہیں۔ لفظ جنین کے لغوی معنی یہ ہیں ؎

"پیٹ کا بچہ' وہ بچہ جو رحم مادر میں ہو۔ ادھورا بچہ۔ مضغہ (لوتھڑا۔)

میڈیکل کی اصطلاح میں جنین سے مراد Embryo ہو سکتا ہے یا پھر Fetus-

Embryonic Period' تین ہفتے تا آٹھ ماہ تک کی نشو و نما کا عرصہ

Feetal Period تین مہینے تا پیدائش تک کی نشو و نما کا عرصہ۔ اگر جنین سے مراد Embryo لیا جائے تو یہ پردے کچھ یوں ہیں۔

EMBRYONIC PERIO

Ectodermal Germinal Layer
Mesodermal Germinal Layer

Endodermal Germinal Layer

اگر جنین سے مراد Fetus لیا جائے تو یہ پردے یوں ہیں۔

FETAL LAYERS

Amniotic Fluid

Aminotic Membrane

Chorion

ان پردوں کی وضاحت اور تفصیل سے مراد مفکر اسلام کی یہ ہے کہ بچہ ماں کے کتنے پردوں اور تہوں میں محفوظ ہوتا ہے۔ اور بظاہر ایسی صورت نہیں کہ لڑکی یا لڑکا کے فرق کو معلوم کیا جا سکے۔ یا اس کا جسم مکمل طور پر بذریعہ آلہ (Ultrasound Machine) نظر آجائے۔ اس وضاحت کے بعد مفکر اسلام سابقہ تجربات کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ پہلے بھی تجربہ کار لوگ مختلف قیاسات و علامات سے فرق معلوم کر لیا کرتے تھے لہٰذا جدید تجربات کے بعد اگر کوئی آلہ (Ultrasound Machine) وغیرہ ایجاد ہوا ہے جو لڑکی / لڑکے کے فرق کا پتہ دیتا ہے۔ تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس قسم کے آلہ کا وجود ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ آلہ صرف بعض ظاہری علامات کے فرق کو ظاہر کرتا ہوگا۔

امام احمد رضا اور جنیٹکس

(Imam Ahmed Raza and Genetics)

مفکر اسلام کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی عنایات سے نوازا تھا۔ اور علوم و معارف کا بے بہا خزانہ عطا فرمایا تھا۔ عشق رسالت کے فیضان یافتہ اس بطل جلیل نے خداداد صلاحیت سے مختلف مواقع پر ان علوم کا استعمال فرمایا اور دور حاضر کے ہر مسئلہ پر قلم اٹھایا۔ اور محققین و ماہرین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بڑے بڑے اسکالرز احمد رضا کے علمی دانشکدہ کو قابل فخر سمجھتے ہیں۔ اور اس کو علم لدنی قرار دیتے ہیں۔

مفکر اسلام کی Genetics پر علمی تحریر کو جدید ریسرچ کی روشنی میں پرکھا

جائے تو یہ بحث آج کل Genetic Control of Protein Synthesis Cell Function and Cell Reproduction کے زمرے میں آتی ہے۔

بحوالہ:

8th Edition Chapter. No. 3

Page. 25, GYTONS PHYSIOLOGY

امام احمد رضا اور جدید سائنس

(الٹراساونڈ مشین کی ساخت اور فزکس کے اصول)

مفکر اسلام علامہ امام رضا نے جدید سائنسی تحقیقات کو بحال رکھتے ہوئے آلہ (Ultrasound Machine) کو عقل انسانی کا کرشمہ بتایا۔ اور اللہ تعالیٰ کی عطا کو بنیاد قرار دیا ہے۔ بلکہ سو برس قبل اس عبقری زمانہ نے آلے کی ساخت کو فزکس کے جدید اصولوں کے تحت قلمبند فرمایا۔ اس سے مفکر اسلام کے ذہن کی سائنسی پہنچ '(Scientific Approach) فزکس پر کامل مہارت اور جدید انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔ مفکر اسلام نے ایک صدی قبل خداداد صلاحیت سے الٹراساونڈ مشین کی ساخت کو فزکس کے قوانین انعکاس نور (Law of Reflection of Light) اور انعطاف نور (Law of Refraction of Light) کی بنیاد (Base) پر بیان کیا ہے۔ مفکر اسلام علامہ امام احمد رضا کی یہ ایجاد آنے والی نسل کے لئے نہ صرف دعوت فکر ہے۔ بلکہ قابل فخر بھی ہے۔

امام احمد رضا کی جذام پر تحقیق!

(الحق المجتلی فی حکم المبتلی)

جذام ایک قدیم جلدی (Skin) اور اعصابی تاروں (Peripheral Nerves) کی بیماری ہے۔ اس میں مبتلا مریض کو انتہائی حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مفکر اسلام علامہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اس بیماری پر اسلامی نظریات پر مبنی جو تحقیق کی ہے اس سے مریض سے نفرت کی بجائے علاج و معالجہ اور دیکھ بھال کا شعور پیدا ہوا ہے۔ اور اسی نظریئے کی تائید اب جدید میڈیکل ریسرچ نے کی ہے۔

سابقہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ جذام ایک متعدی مرض ہے۔ رضوی تحقیق نے اسلامی نظریات کو واضح کرتے ہوئے جذام کو غیر متعدی قرار دیا ہے۔ آج جب کہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ سالہا سال کی محنت شاقہ اور تحقیق و تجربات سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ اب جذام متعدی بیماری نہیں رہی۔ بلکہ قابل علاج مرض ہے۔ تناسب کے اعتبار سے جذام 70% غیر متعدی اور 30% متعدی بھی غیر متعدی ہو جاتی ہے۔ اگر بروقت اور صحیح علاج ہو۔

قابل غور بات یہ ہے کہ چند عرصہ قبل کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج، اور میو ہسپتال لاہور کے آڈیٹیریم میں لیپروسی جذام سیمینار پر جب ایک انگریزی پروفیسر نے انکشاف کیا کہ جدید تحقیق کے مطابق جذام اب متعدی بیماری نہیں۔ بلکہ اب 70% غیر متعدی اور 30% متعدی ہے تو راقم نے وہاں برملا مفکر اسلام کی جذام پر تحقیق کو واضح

کیا، جسے ماہرین نے سراہا۔

اسی طرح حال ہی میں ۲۶، ۲۷، نومبر ۱۹۹۵ء کو ڈیرہ غازی خان میں منعقدہ لیپرو سی سیمینار میں راقم نے جب ڈاکٹر اقبال احمد اور جرمن لیڈی ڈاکٹر کرس شموزر (Chris Schmotzer) مفکر اسلام کی جذام پر تصنیف "الحق المجتلی فی حکم المبتلیٰ" پیش کیں تو دونوں ماہرین نے امام احمد رضا کے نظریہ جذام (غیر متعدی) کو نہایت خوش دلی سے سراہا۔

اب یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ میڈیکل سائنس جذام کے متعلق جو نظریہ آج رکھتی ہے۔ یہی نظریہ مفکر اسلام علامہ امام رضا سو برس قبل اسلامی نظریات کی روشنی میں اپنی تصنیف میں واضح کر چکے تھے۔ مسلم امہ کے لئے بالخصوص اور پوری انسانیت کے لیے بالعموم آپ کی یہ حیرت انگیز تحقیق قابل فخر رہے گی۔

امام احمد رضا کی طاعون پر تحقیق

(تیسیر الماعون لسکن فی الطاعون)

طاعون ایک قدیم، انتہائی خطرناک وبائی مرض ہے۔ جس سے ماضی میں لاکھوں انسانی جانیں ضائع ہوئی ہیں اور اس کا خوف اب تک مسلط ہے۔ یہ بھی ایک قابل علاج مرض ہے۔ وبا کی روک تھام کا قانون آج بھی یہی ہے کہ طاعون زدہ افراد متاثرہ علاقے سے نہ جائیں اور تندرست لوگ متاثرہ علاقہ میں نہ جائیں۔ یہ بیماری چوہوں کے پسوؤں کے ذریعہ انسان میں منتقل ہوتی ہے۔ پھر وبا کی صورت میں انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے۔

مفکر اسلام نے میڈیکل سائنس کے اس موضوع پر ۹۰ برس قبل ایک علمی

کتاب "تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون" تصنیف فرمائی اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں طاعون سے متعلق اسلامی نظریات کو واضح کیا۔ ساتھ ہی تکلیف اور بیماری کی حالت میں مریض سے حسن سلوک بھائی چارہ، قربانی اور محبت و اخوت کے اسلامی پیغام و تعلیمات سے آگاہ کیا۔

طاعون سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے اور طاعون سے بھاگنے والے کو میدانِ جنگ سے بھاگنے والا قرار دیا گیا ہے۔ اور جو اس میں صبر کرتا رہے اس کے لئے شہید کا ثواب ہے۔

ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں ہے۔

ترجمہ: طاعون سے نہ بھاگو کیوں کہ طاعون سے بھاگنا تقدیر الٰہی سے بھاگنا ہے تاکہ تمہارے مریض بیجا دیکھ بھال، اور تمہارے مردے تجہیز و تکفین نہ ہونے کی بناء پر ضائع نہ ہو جائیں۔"

رضوی تحقیق اور جدید میڈیکل سائنس کے نظریات آپس میں مطابقت رکھتے ہیں لیکن مفکر اسلام نے اسلامی موقف کی وضاحت محبت و اخوت کی لافانی تعلیمات سے دی ہے خدمت انسانیت کا یہ اعلیٰ نمونہ ہمیشہ قابل فخر رہا ہے۔ اور رہے گا۔

بشکریہ مجلہ امام احمد رضا کانفرنس

ایشیا کا عظیم محقق

پروفیسر انوار احمد زئی: ڈائریکٹر آف ایجوکیشن برائے اسکول کراچی

یہ مسلم بات ہے کہ قوموں کا ارتقاء اور استحکام سلف کے کارناموں سے آگاہی حاصل کر کے ان کے نقش قدم پر عمل پیرا ہو کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ ملت کے نونہال، مذہب اسلام کے جلیل القدر فرزندوں کے سیرت پاک سے آشنا ہو کر ہی نیا ولولہ عزم و ہمت اور کامرانی کا راستہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اکابر ملت کی سیرت کے نقوش و آثار جس قدر دل کی گہرائیوں میں اترتے جائیں گے اسی قدر کامیابی کی منزلیں آسان سے آسان تر ہو جائیں گی، اور عظیم شخصیتوں کے نمایاں کارناموں کا تصور جس قدر دھندلا جائے گا اتنا ہی مقصد کا حصول مشکل سے مشکل تر ہو جائے گا۔

تقریباً ہر دور میں ایسے افراد بکثرت پائے گئے، جنہوں نے حق و صداقت کے خلاف آواز اٹھائی، باطل کی پشت پناہی کی لیکن ان کا طرز عمل مختلف رہا ہے کسی نے کھل کر باطل کی اشاعت کی، اور حق کی مخالفت کی تو کسی نے اہل اقتدار کا دامن تھام کر اپنی ناپاک سازشوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ ایسے اشخاص بھی کچھ کم نہیں ہوئے۔ جنہوں نے اہل حق کا لبادہ اوڑھ کر اپنی اسکیم کو پائیہ تکمیل تک پہنچانے کی جدوجہد کی۔ غرض یہ سلسلہ بہت دیر سے شروع ہے۔ لیکن مردان حق کی کوششوں نے ہمیشہ ایسے اشخاص کے عزائم کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔ ان کی پرخلوص مساعیٔ جمیلہ نے فریب کاروں کے گھناؤنے منصوبے کا پردہ چاک کر کے بروقت

سیدھے سادے مسلمانوں کا تعلق سرکارِ ابد قرار مدنی تاجدار احمد مختار نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے مضبوط اور مستحکم کر دیا۔ یہ حضرات کرام دادِ تحسین یا طعن و تشنیع سے قطعاً بے نیاز ہو کر عوام و خواص کو ملت بیضا و دین متین اسلام کی نورانی تعلیمات کی یاد دہانی کراتے رہے۔

اہل اسلام کے انہیں عظیم محسنوں اور رہنماؤں میں تحقیق و تدقیق کے بادشاہ شریعت و طریقت کے آگاہ امام اہلسنت موجودہ صدی کے مجدد شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد بنو عباس نے مسلمانوں کی معاشی، معاشرتی اور تعلیمی خدمات انجام دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ان کے علاوہ دیگر مسلمان بادشاہ بھی حتی الامکان اپنے فرائض سے غافل نہ رہے ہندوستان میں سلطان محمود غزنوی بھی اسلامی تعلیمات کے تعارف کے لئے معاون ثابت ہوئے۔ سلطان محمود غزنوی سے لیکر مغل خاندان کے آخری چشم و چراغ تک مسلمان بادشاہوں نے ملت اسلامیہ کی بقا و استحکام کے لئے حتی الامکان کوششیں کیں۔ ان فرمانرواؤں میں محمد تغلق اور حضرت شاہ اورنگزیب کے نام نامی سرفہرست نظر آتے ہیں۔ بادشاہوں کی اس جدوجہد اور کاوشوں کو تسلیم کرنے کے بعد یہ بھی ضرور ماننا پڑے گا۔ کہ ائمۂ دین اولیائے کرام، صالحین اور علمائے ربانی بھی تبلیغ اسلام و تعلیم دین متین کے فرائض سے غافل نہیں رہے۔ اگر ہم ان کی حیات طیبہ کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی دینی و ملی خدمات بادشاہوں کے مقابلہ میں زیادہ بھی ہیں۔ اور گراں بہا بھی ان علمائے کرام کی فہرست میں صوفیائے کرام کے علاوہ حضرت محدث عبدالحق دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت مجدد الف ثانی سرہندی، حضرت عبدالقادر بدایونی وغیرہ کے علاوہ ایسے علمائے ربانیین بھی ہیں۔ جنہیں ہم علمائے متاخرین کے نام سے

منسوب کر سکتے ہیں۔

ان علمائے متاخرین میں حضرت امام احمد رضا مجدد بریلوی کا نام نامی اسم گرامی سرفہرست ہے۔ انہوں نے اس عالم رنگ و بو میں اس وقت آنکھ کھولی جب مغلیہ خاندان کا اقتدار آخری سانسیں لے رہا تھا۔ ان کا بچپن اس وقت کا آئینہ دار ہے جب ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل تسلط ہو چکا تھا۔ انہیں شعور زندگی اس وقت نصیب ہوا جب ہندوستانی مسلمان انگریزوں کے نرغے میں پھنسے ہوئے تھے۔ مذہبی قدریں زوال پذیر تھیں۔ بدمذہبی و لا دینی کا دور دورہ تھا۔ فرقہ باطلہ ہندوستان بھر میں اپنے آہنی پنجہ پیوست کرنے کی خاطر ہر ممکن کوششوں میں مصروف تھے۔ بدمذہبی کا سیلاب اور شتم رسالت کا طوفان برپا تھا۔ اسلامی زندگی کا ہر پہلو مجروح ہو چکا تھا۔ مذہب اہلسنت کے رہنما یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اب مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا۔

اس سلسلے میں ملت اسلامیہ کے صحیح اور سچے رہنماؤں نے اپنے مخصوص اندازوں میں قوم کو جھنجوڑنے، انہیں ماضی کی جھلک دکھانے و بیدار کرنے کی حتی المقدور کوششیں کیں مگر حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے اور کفر و ضلالت اور بدمذہبی و لا دینی کی تاریک گھٹاؤں نے ہر طرف ڈیرے ڈالنے شروع کر دیئے۔ ایسے نازک و پرآشوب وقت میں امام احمد رضا بریلوی نے اسلام و ناموس رسالت کے تحفظ و بقا کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی اور مسلمانوں کیلئے بے دریغ اور بے لوث خدمات انجام دینے کا بیڑا اٹھایا۔

علمائے کرام کا بیان ہے کہ بارہویں اور تیرہویں دو صدیوں میں دنیائے اسلام میں اعلیٰحضرت جیسا جامع و مانع متصف ہمہ صفات کوئی عالم پیدا نہیں ہوا۔ آپ کی ذات گرامی بے شمار اوصاف و محاسن اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ جلالت علمی و کمال علمی میں آپ کی نظیر نہیں ملتی۔ وسعت علم اور رائے کی پختگی میں پورے دور میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ خدمت دین متین میں جس خلوص سعی مسلسل اور بے باکی کا آپ نے

مظاہرہ فرمایا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ ایک دفعہ افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری عمر سے دس گنا زیادہ کام میرے ذمہ فرما دیا ہے۔ اگر دس آدمی میری مدد کو ہوتے تو جو کچھ سینے میں ہے کسی قدر باہر آجاتا۔ اور ایک دفعہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میری عمر سے دس گنا کام لے لیا ہے یہ اس کا انتہائی فضل وکرم ہے۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ جس نے آپ کی خدمت فیضدرجت میں حاضری دی اس نے برملا اس بات کا اعتراف بھی کیا کہ آپ علم وفضل کے بحر ناپیدا کنار ہیں۔ آپ کی ایک ہزار کے لگ بھگ تصنیفات آج بھی اس بات کی صداقت پر شاہد عدل ہیں۔ صرف فتاوٰی رضویہ ہی کو لیجئے اس میں آپ نے ہزاروں مسائل پر بے لاگ تحقیق و تدقیق فرمائی ہے۔ آپ کی تصنیفات کے مطالعہ کرنے والوں کو پہلا احساس یہ ہوتا ہے کہ آپ قلم کے بادشاہ ہیں۔ اور کتاب وسنت اور علمائے ملت کے فرمودات پر بہت ہی گہری نظر رکھتے ہیں۔ جس نے فتاوٰی رضویہ کی جلد اول کا مطالعہ کیا وہ اس کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ بے شک آپ اس صدی کے مجدد تھے۔ پچاس علوم وفنون میں آپ کے تحریری شہ پارے موجود ہیں۔

شعبان ۱۲۸۶ھ سے لے کر ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ تک پورے چون ۵۴ برس مسند افتار پر متمکن رہے۔ اور اس عرصہ میں اتنا کچھ لکھا کہ حضرت علامہ الحاج مولانا شاہ محمد حسنین رضا خاں صاحب نے جب حساب لگایا تو فی دن چھپّن صفحات کتابت و تحریر کے نکلے قوت تحریر کا یہ عالم تھا کہ کوئی سوال آیا تو اس کے جواب میں دلائل کا انبار لگ جاتا۔ پھر بھی آپ کے قلم حقیقت رقم کو سیری نہ ہوتی تھی۔ آپ کی ایک ایک کتاب معلومات کا خزینہ اور تحقیقات کا گنجینہ ہے۔ اور بیشمار حقائق ومعارف سے مملو ہے ہر تصنیف کا نام ایسا پیارا اور دلکش ہے۔ جسے پڑھ کر اہل علم عش عش کر اٹھتے ہیں۔ ہر کتاب کا نام حسین وجمیل اور فقروں کی صورت میں علم وادب میں ڈوبا ہوا۔ فصاحت و بلاغت

میں ڈوبا ہوا اور معانی و بیان کی میزان پر وزن کیا ہوا ہے۔ اور جس کتاب میں جس موضوع پر کلام ہے اس کے نام میں مختصر طور پر اس کا بیان ہے اس پر طرہ یہ کہ ہر تصنیف کا نام تاریخی ہے۔ اس طرح ہر کتاب کے شروع میں بیان شدہ مسئلے کے مطابق علٰحدہ علٰحدہ عربی خطبہ ہے جو آپ کے علمی تجربہ پر شاہد عدل ہے۔

جہاں آپ کی معلومات مذہبی علوم کے علاوہ سائنسی فنون کے متعلق تھیں۔ وہاں آپ کی نظر ملکی سیاست اور دور کے مسائل پر بھی ویسے ہی تھی۔ اور "اعلام الاعلام بان ہندوستان دار السلام" وغیرہ آپ کی اس موضوع پر بے نظیر تصانیف ہیں۔

حقیقت یہ کہ امام احمد رضا بریلوی نے انگریز نواز علماء کے خلاف قلم اٹھایا آپ ہی نے انگریزی حکومت اور انگریزوں کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعے سے شدید نفرت کا اظہار کیا مگر افسوس کہ اکثر مورخین کی ستم ظریفی اس حد تک پہنچ چکی ہے۔ کہ جو لوگ انگریزوں کے اشاروں پر شب و روز مصروف کار رہا کرتے تھے اور انہیں کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے فرزندان اسلام کو کافر و مشرک قرار دے کر افتراق و انتشار پھیلاتے تھے۔ بلکہ مسلمانوں کے خون میں ہاتھ رنگ کر مسرّت محسوس کرتے تھے آج انہیں شہید مجاہد اور تحریک آزادی کے قائد جیسے القاب سے مشہور کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس وہ حضرات جنہوں نے بانگ دہل کفار سے نفرت دلائی۔ اور ان کی تعظیم نہ کرنے کا سبق سکھایا۔ انہیں تعصب اور تنگ نظری کی بناء پر تاریخ کے اوراق میں جگہ دینے سے بھی انکار کیا گیا۔ بلکہ یہ کوشش کی گئی کہ صفحۂ قرطاس میں ان عظیم جانثاروں کا ذکر بھی نہ آنے پائے خود ہم میں سے بہت کم افراد ایسے ہوں گے جو مجاہد امیر علامہ فضل حق خیر آبادی، شاہ احمد اللہ مدراسی، مفتی عنایت کاکوروی، علامہ کافی، اعلحضرت بریلوی، صدر الافاضل، امیر ملت پیر جماعت علی شاہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مجاہدانہ کارناموں سے واقف ہوں گے۔ یہی وہ بزرگ ہیں۔ جن کی مجاہدانہ یلغاروں سے انگریزی حکومت بوکھلا اٹھی۔ اور سامراجیت کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا ہوا۔

حالیہ دور میں پریس کی طاقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا جن جماعتوں کے پاس نشر و اشاعت کے ذرائع ہیں۔ وہ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ ہیں اور جن کے پاس پریس نہیں وہ بہت کچھ ہونے کے باوجود بھی کچھ نہیں۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہمارا کوئی ادیب، کوئی شاعر، کوئی صحافی اس خصوصی موضوع پر قلم اٹھانا گوارا نہیں کرتا۔ اور کبھی ایسی جرأت کرتا بھی ہے تو اس کی نگارشات پریس پر تا بعض حضرات کی مصلحت اندیشی کی نذر ہو جاتی ہے۔

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا لائق صد مبارکباد ہے کہ جس نے امام احمد رضا کی شخصیت اور ان کے کارناموں کو پریس تک پہنچایا۔

(بشکریہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۷)

★

امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ
اور
سہسرام

از : حضرت مولانا محمد ارشاد احمد رضوی مصباحی سہسرامی
خادم درس و افتاء، الجامعۃ الاشرفیہ
مبارکپور۔ اعظم گڈھ۔ یوپی۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء۔ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) عہد ساز شخصیتوں میں منفرد خصوصیات کے حامل تھے ــــ علم و فن، فضل و کرم، اعزاز و تمکنت اور کمالات و محاسن کی جو بہاریں آپ کے یہاں دیکھنے کو ملتی ہیں، وہ ماضی میں بہت کم دیکھنے کو ملتی ہیں ــــ اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ اس حقیقت کا اعتراف ہے جو آپ کی تصانیف، آپ کی واردات حیات اور کارناموں کے مطالعہ کے بعد خود بخود ذہن و دماغ میں اپنی جگہ بنالیتی ہے ــــ موجودہ دور کا سنجیدہ علمی طبقہ آپ کے مشاہدات و تجربات، علمی تحقیقات اور عشق و محبت کی کیفیات کی واقعاتی روایات کا جس قدر مطالعہ کرتا جاتا ہے آپ کی عبقریت کا تصوّر اس کے ذہن و دماغ میں اسی قدر گہرا ہوتا جاتا ہے ــــ ارباب بصیرت حیرت میں ہیں کہ ایک مختصر سے وجود میں رب کریم کی بیکراں عنایات نے کس قدر وسیع جہانِ محاسن و کمالات آباد کر رکھا ہے ــــ آج جب صرف آپ کے کمالات کی وسعت سے متاثر ہونے والے قلوب کے احساسات کی تعبیراتی شیرازہ بندی کی گئی تو پچاس سے زائد تاثراتی کتب و رسائل وجود میں آچکے ہیں ــــ اور یہ جہانِ فکر و اثر پھیلتا ہی جاتا ہے۔

یوپی کے بہت ہی متمدن شہر بریلی کے محلہ سوداگراں میں ۱۰ رشوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ رجون ۱۸۵۶ء شنبہ کے دن ظہر کے وقت آپ نے آنکھ کھولی۔ آپ کا خاندان دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے اعلیٰ اعزاز یافتہ تھا۔ والد کریم سلطان المحققین حضرت علامہ نقی علی خاں اور جدامجد حضرت علامہ محمد رضا علی خاں قدس سرہما علم و تصوف اور فقر و سلطنت دونوں کے مسند نشین تھے ــــ مرزا عبدالقادر بیگ بریلوی سے مبادیات اور مولانا عبدالعلی رامپوری سے شرح چغمینی کے چند اسباق کے علاوہ سارے علوم و فنون آپ نے اپنے والد ماجد حضرت علامہ نقی علی خاں قدس سرہٗ سے حاصل کئے۔ اور بریلی شریف ہی میں ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء میں درسیات سے فراغت حاصل کی۔ آپ کو سند حدیث و فقہ کی دولت جن نفوس قدسیہ سے حاصل ہوئی ان میں یہ حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ۱۔ سیدنا شاہ سید آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہٗ متوفی ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء ۲۔ سند المحدثین شیخ احمد بن زید دحلان مکی قدس سرہٗ متوفی ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء ــ ۳۔ سراج الفقہا شیخ عبدالرحمن سراج مکی قدس سرہٗ متوفی ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء۔ ۴۔ شیخ الشیوخ شیخ حسین بن صالح قدس سرہٗ متوفی ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء۔ ۵۔ سلطان المحققین علامہ نقی علی خاں برکاتی قدس سرہٗ ــ متوفی ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء۔ ۶۔ سراج السالکین سیدنا شاہ سید ابوالحسین نوری مارہروی قدس سرہٗ۔ متوفی ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء۔ [1] ــــ تصوف کے تیرہ سے زائد سلاسل کی اجازت و خلافت پیر و مرشد سید السالکین حضرت علامہ سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ سے حاصل تھی ــ اور علم جفر کے چند مباحث میں شرف تلمذ سے سرفراز کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے پیر و مرشد کے وصال کے بعد آپ کی باطنی تربیت سیدی حضور شاہ ابوالحسین نوری مارہروی قدس سرہٗ نے فرمائی۔

آپ نے اپنے اساتذہ کرام کے فیضان اور ذاتی مطالعہ سے جو علوم و فنون حاصل

---

[1] حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔ از پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی۔ ص ۹۴ مطبوعہ پاکستان

کئے ان کی تعداد پچپن ۵۵ تک پہنچتی ہے ——— اور جدید تحقیقات نے علوم کے اعداد و شمار میں جو اضافے کئے اور ان کی مختلف شاخیں نکالی ہیں، اس کے لحاظ سے ایک فاضل محقق نے آپ کے حاصل شدہ علوم و فنون کی تعداد پچھتر ۷۵ بتائی ہے۔

(۲)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ سواد اعظم اہل سنت کے ترجمان تھے۔ آپ نے اس کی چودہ سو سالہ فکری اور اعتقادی روایات کی بہت دلسوزی کے ساتھ حفاظت فرمائی ——— عظیم محقق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی اس سلسلے میں لکھتے ہیں :-

امام احمد رضا، عاشقوں کے سردار اور اس سواد اعظم اہل سنّت کے علم بردار تھے جو کبھی پورے عالم اسلام پر چھایا ہوا تھا ——— ایک زمانہ تھا جب مسلمانانِ پاک و ہند اور بنگلہ دیش میں اہل سنّت وجماعت کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ سات سَو برس پہلے کے دینی ماحول کا اپنے ایک شعر میں یوں نقشہ کھینچتے ہیں۔

زہے ملک مسلماں خیز دو دیں جوئے ؛ کہ ماہی سنّی خیز داز جوئے

ترجمہ : واہ ! ہندوستان کیسا مسلمان خیز اور اسلام کے متلاشیوں کا ملک ہے۔ یہاں تو نہر سے مچھلی بھی نکلتی ہے تو وہ بھی سنّی ہوتی ہے۔

اور تقریباً چار سَو سال پہلے کی دینی فضا کا حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ یوں ذکر فرماتے ہیں :-

تمام سُکّانِ آں از اہل اسلام بر عقیدۂ حقہ اہل سنت وجماعت اندو نشانے از اہل بدعت و ضلالت دراں دیار پیدا نیست و طریقہ مرضیّہ حنفیہ دارند۔ (رد روافض۔ لاہور ص ۹)

ترجمہ :- ہندوستان کے تمام مسلمان باشندے اہل سنّت وجماعت کے سچے عقیدے پر قائم ہیں اور اس ملک میں بدعتیوں اور گمراہوں کا نام

اور نشان تک نہیں سب کے سب سنی حنفی ہیں۔

ان حقائق وشواہد سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ چند صدیاں پہلے پاک وہند اور بنگلہ دیش کی دینی فضا کیسی تھی۔ اور اب جو حال ہے آپ کے سامنے ہے۔ گویا یہ ممالک ایک چراگاہ ہیں جہاں ہر کوئی چرتا پھرتا ہے۔ [1]

اور اس کی تائید تاریخی حوالوں سے بھی ہوتی ہے ـــــ مشہور مورخ شیخ محمد اکرام "موج کوثر" میں لکھتے ہیں :-

انہوں نے (امام احمد رضا نے) نہایت شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی ـــــ [2]

ایک دوسرے مورخ سلیمان ندوی "حیات شبلی" میں لکھتے ہیں :-

تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے آپ کو اہل السنۃ کہتا رہا ـــ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے [1]

مشہور غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری بھی اس کی تائید کرتے ہیں :-

امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے۔ اسی سال قبل پہلے سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے [2]

اسی اعتقادی ہم آہنگی اور فکری اتحاد کی وجہ سے آپ کسی بھی ماحول کے لئے اجنبی نہیں سمجھے گئے ـــــ مدارس سے لے کر خانقاہوں تک، ایشیا سے لے کر یورپ تک

---

[1] محاسن بریلوی از پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد۔ مطبوعہ کراچی ص ۲۲ [2] موج کوثر ص ۷۰

[1] حیات شبلی ص ۴۶ [2] شمع توحید از ثناء اللہ امرتسری ص ۴۰ بحوالہ اندھیرے سے اجالے تک ص ۱۲

ہر جگہ آپ کی آواز مانوس سمجھی گئی۔ سیّدنا حضرت محبوب الٰہی کے خاندان کے ایک فرد کا بیان پڑھنے کے قابل ہے ـــــ خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں ـــــ :

بریلی کے مولانا احمد رضا خاں صاحب جن کو ان کے معتقد مجدد مائۃ حاضرہ کہتے ہیں درحقیقت طبقۂ صوفیائے کرام میں بہ اعتبار علمی حیثیت کے منصب مجدد کے مستحق ہیں ـــــ انہوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکہ کی کتابیں لکھی ہیں جو سالہا سال سے فرقۂ وہابیہ کے زیر تحریر و تقریر تھیں اور جن کے جوابات گروہ صوفیہ کی طرف سے کافی و شافی نہیں دئیے گئے تھے۔ ان کی تصنیفات و تالیفات کی ایک خاص شان اور خاص وضع ہے۔ یہ کتابیں بہت زیادہ تعداد میں ہیں اور ایسی مدلل ہیں جن کو دیکھ کر لکھنے والے کے تبحر علمی کا جید سے جید مخالف کو اقرار کرنا پڑتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی خصلت ہے جس کو ہم سب کو پیروی کرنی چاہئے ـــــ ان کے مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا کی تحریروں میں سختی بہت ہے اور بہت جلدی دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں مگر شاید ان لوگوں نے مولانا اسمٰعیل اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھیں جن کو سالہا سال صوفیائے کرام برداشت کرتے رہے۔ ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے اس کے مقابلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے ـــــ جماعت صوفیا علمی حیثیت سے مولانا موصوف کو اپنا بہادر صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے ـــــ اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔ [۳۵]

---

۳۵ تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ ۴۴۵

یہ تاثرات ۱۹۱۵ء میں ہفت روزہ خطیب دہلی کے مورخہ ۲۲ مارچ کے شمارے میں شائع ہوئے۔ تو یہ ایک معاصرانہ شہادت تھی جو بہت ہی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ دیکھا آپ نے کہ سیدنا محبوب الٰہی جو صوفی اعظم کے نامور بزرگ اور اہل سنت کے عظیم ترین معتقدا ہیں، ان کے خانوادے کے ایک فرد نے کس طرح اعلیٰ حضرت کو حضرت کے افکار اور صوفیا کرام کے معتقدات کا حامی اور مؤید گردانا ـــ اور اسلاف کی روش کے قدم بہ قدم محسوس کیا۔

یہی اسلاف کے معتقدات کی پشت پناہی اور اہل سنت کے چودہ سو سالہ افکار کی حمایت ہے جو امام احمد رضا کے تئیں ایک ایسے پروفیسر محقق کو بھی اس اعتراف پر مجبور کرتی ہے جن کا خود اپنے بارے میں یہ بیان ہے کہ نہ میرا ان کے (امام احمد رضا کے) مسلک سے تعلق ہے نہ ان کے خانوادے سے ـــ اور وہ ہیں پاکستان کے پروفیسر شوکت علی صدیقی ـــ ایک غیر جانبدار اور غیر متعلق پروفیسر کے یہ تاثرات عبرت کی نگاہ سے پڑھے جانے کے قابل ہیں:۔

> برصغیر کے تمام مسلمان جو اہل سنت کہلاتے ہیں، شاہ احمد رضا خاں کے مسلک سے براہ راست تعلق نہ رکھنے کے باوجود اپنے رہن سہن، طور طریق اور مذہبی عقائد کے اظہار میں شاہ احمد رضا خان کی تعلیمات کی تقلید یا اتباع کرتے نظر آتے ہیں ـــ ایسے لوگ تھوڑے بھی نہیں برصغیر کی نوّے ۹۰ فیصد آبادی پر مشتمل ہیں۔ [1]

(۳)

فکری ہم آہنگی دلوں کو قریب کر دیتی ہے ـــ اور فاصلوں کو سمیٹ دیتی ہے ـــ سواد اعظم کے ترجمان امام احمد رضا قدس سرہٗ کی طرف بھی دل کھنچے چلے آئے۔ اعتقادی ہم آہنگی کی بنیاد پر آپ کے علمی رابطے بھی بہت وسیع تھے اور قلبی رابطے بھی تقریباً پوری دنیا سے آپ کے پاس استفتاء جات آتے اور آپ اس کے جوابات تحریر فرماتے ـــ یہ آپ کی علمی مرجعیت اور

---

[1] جہانِ رضا ص ۲۱۶

با اعتماد شخصیت کی واضح دلیل ہے ـــ آپ اس سلسلے میں خود ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :ـ

فقیر کے یہاں علاوہ .... دیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کار فتویٰ اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے۔ شہر و دیگر بلاد و امصار، جملہ اقطار، ہندوستان و بنگال و پنجاب و ملیبار و برہما و ارکان، چین و غزنی و امریکا و افریقہ حتیٰ کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتاء آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے ہیں [۱]

یونہی ان چار براعظموں سے علمی و افادی وسیع رابطوں کے ساتھ ساتھ آپ کا دائرہ احباب بھی کافی وسیع تھا جن میں آپ کے عہد کی بہت معظم شخصیات شامل ہیں ـــ آپ کے جلیل القدر شاگرد اور خلیفہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری قدس سرہٗ نے حیات اعلیٰ حضرت میں درج ذیل چند مشاہیر احباب کے اسماء شمار کرائے ہیں ـــ ۱۔ شاہ وصی احمد محدث سورتی۔ ۲۔ مولانا ہدایت رسول لکھنوی۔ ۳۔ شاہ سلامت اللہ رامپوری۔ ۴۔ شاہ ظہور الحسین رامپوری۔ ۵۔ شاہ ریاست علی شاہجہانپوری۔ ۶۔ مولانا اعظم شاہ جہاں پوری۔ ۷۔ شاہ مولانا عبد السلام جبلپوری۔ ۸۔ شاہ محمد فاخر الہ آبادی۔ ۹۔ شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی۔ ۱۰۔ شاہ احمد اشرف کچھوچھوی۔ ۱۱۔ قاضی عبد الوحید عظیم آبادی۔ ۱۲۔ مولانا محمد عمر الدین ہزاروی۔ ۱۳۔ مولانا شاہ دیدار علی الوری۔ ۱۴۔ مولانا شاہ احمد مختار میرٹھی۔ ۱۵۔ شاہ حبیب اللہ میرٹھی۔ ۱۶۔ شاہ عبید اللہ الہ آبادی۔ ۱۷۔ مولانا مشتاق احمد کانپوری۔ ۱۸۔ سید سلیمان اشرف بہاری صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔ ۱۹۔ مولانا رحیم بخش آروی۔ ۲۰۔ سید شاہ عبد المغنی سہسرامی [۲] ـــ

یہ ایک بہت مختصر فہرست ہے ورنہ اس ہمہ جہت شخصیت کے احباب و مخلصین کا شمار کرنا بہت مشکل ہے ـــ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی اپنی گرانقدر تالیف

---

[۱] فتاویٰ رضویہ (۱۴۹/۴) [۲] حیات اعلیٰ حضرت (۱۹۸/۱)

مسلمانوں میں اہل سنت والجماعت کے سوا اہل تشیع، وہابی، یا قادیانی وغیرہ بالکل نہیں — اور نہ یہاں کے پرانے خیالات والے پکے مسلمان اس کے روادار ہوسکتے ہیں۔ ؎[1]

مصنف نے اپنے دور کی حالت بیان کی ہے۔ انہوں نے یہ کتاب ۱۳۲۷ھ میں لکھی۔ اور امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کا وصال ۱۳۴۰ھ میں ہوا۔ اس طور سے یہ بیان امام احمد رضا کے تعلق سے ایک معاصرانہ شہادت کی حیثیت رکھتا ہے۔

حقانیت کے اسی اثر و رسوخ کا اثر ہے کہ یہ سرزمین باطل فرقوں کے لئے کبھی نہ راس آسکی — بارہویں صدی کے وسط میں شاہ عالم ثانی کے زمانے میں ایک صاحب حسن عسکری نامی، لکھنؤ سے سہسرام کے حاکم بن کر آئے۔ انہوں نے یہاں اپنا رنگ تشیع جمانا شروع کر دیا جس کے زیر اثر محلے کے محلے شیعہ ہو گئے — لیکن پھر کیا ہوا؟ اسے مجھ سے نہیں مورخِ سہسرام جناب ابو مصلح محمد سہسرامی سے سنیئے — وہ لکھتے ہیں :-

جس زمانہ میں حضرات بُرتلہ، دائرہ، قاضی محلہ، میری محلہ یک بیک شیعہ ہو گئے تھے تو سہسرام کی عجیب حالت تھی۔ اکثر پٹھان وغیرہ ان کے زبردست مخالف بن گئے تھے۔ اور یہ کشمکش بُرے نتائج پیدا کر رہی تھی کہ ایک شخص عالم باعمل صوفی منش وارد سہسرام ہوئے اور اہل دائرہ سے کہا کہ حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کا بھیجا ہوا یہاں آیا ہوں — حضرت خواجہ صاحب سے آپ کے یہاں کے کسی بزرگ نے (یہ بزرگ حضرت کبیر قدس سرہٗ درویش تھے جن کی خانقاہ کا تذکرہ آگے آئے گا۔ رضوی ۱۲) استدعا کی ہے کہ میرے اہل خاندان اور میرے اہل سہسر گمراہ ہو رہے ہیں، ان کی خبر آپ لیں — چنانچہ فقیر خدمت کے لئے حاضر ہوا ہے۔ خدا کے لئے آپ لوگ

؎[1] تاریخ شہسرام (۱۴۱/۱)

خلفاء کرام کی دشمنی اور تبرّاء کہنے سے توبہ کیجئے ــــ اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت تو ہمارا ایمان ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ سنّی شیعہ ہو جائیں ــــ الغرض آپ کی کوششوں اور پند و نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ پھر یک بیک کایا پلٹ ہو گئی اور سارے اہل تشیع اہل سنت و جماعت ہو گئے ــــ اس میں سب سے پہلے پیش قدمی حضرات دائرہ نے کی ــ فقیر صاحب نے اس کے بعد یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی آپ کا مزار مرزا معتبر کے تالاب کے مشرقی پینڈ پر ایک چھوٹے احاطے میں ہے ۔ [۲۸]

امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ چودھویں صدی میں سوادِ اعظم اہل سنّت کے قافلہ سالار تھے اور اس کے معتقدات و اقدار کے محافظ، اس لئے یہ سرزمین بھی آپ کی نیاز مند رہی ۔

(۵)

امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ سے اہل سہسرام کے رابطوں کی جو تفصیل ماضی میں ملتی ہے ۔ وہ دو طرح کے ہیں ــــ ایک قلمی اور استفادی اور دوسرے قلبی اور ذاتی ــــ اور دونوں کی وسعت اچھی خاصی ہے ــــ پہلے قلمی اور استفادی رابطے کی تفصیل پیش کی جاتی ہے ــ بعد میں قلبی اور ذاتی رابطوں کا بھی تذکرہ آئے گا ۔

قلمی اور استفادی رابطے کی تفصیل آپ کے فتاویٰ کے مجموعے کے سرسری جائزے سے معلوم ہوئی، جس میں آپ سے فقہی سوالات دریافت کرنے والے حضرات کی صف میں سہسرام کی بھی اہم شخصیات نظر آئیں ــــ امام احمد رضا قدس سرہٗ سے استفادہ کرنے والوں میں عوام بھی ہیں، خواص بھی، علماء بھی ہیں اور حکماء بھی ــــ جن کی اجمالی فہرست یہ ہے :ــ

۱۔ مولانا محمد نور ولایتی صاحب ۲۔ حکیم سراج الدین صاحب ۔ ۳۔ حافظ عمر جلیل

---

[۲۸] تاریخ سہسرام جلد اول ص ۹۷ ۔ ۹۸۔

صاحب ۔ ۴ ۔ حافظ عبد الجلیل صاحب ۔ ۵ ۔ جناب قدرت اللہ صاحب ۔ ۶ ۔ شیخ عبد الواحد صاحب ۔ ۷ ۔ جناب قادر بخش صاحب ۔ ۸ ۔ نامعلوم ۔

اب فتاویٰ رضویہ کی جلدوں کی ترتیب کے اعتبار سے ان افادات کی مختصر تفصیل بھی دیکھتے چلئے ـــ

○ ـــ فتاوی رضویہ جلد اول ـــ ○ اس میں ص ۵۷۴ پر سہسرام کا صرف ایک استفتاء نظر آیا جسے حافظ عبد الجلیل صاحب نے ۱۶ ر شوال المکرم بروز دوشنبہ ۱۳۳۱ھ کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے پاس روانہ کیا ۔ اس وقت سہسرام کا ضلع آرہ تھا ـــ حافظ عبد الجلیل صاحب محلہ دائرہ کے رہنے والے ہیں آپ کے اور دوسرے سوالات بھی فتاویٰ رضویہ کی دوسری جلدوں میں ملتے ہیں جس کی تفصیل آتی ہے ۔

اس استفتاء میں ان کا سوال یہ تھا :ـــ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر رافضی نمازی کنوئیں میں گھسے تو پانی کنوئیں کا نکالا جاوے یا نہیں اور رافضی کے یہاں کا حقہ پینا چاہئے یا نہیں ۔ اگر پی لیا تو کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا ۔

اس کا جواب یہ دیا گیا :ـــ

> رافضی کے یہاں کھانا پینا نہ چاہئے ۔ وہ اہل سنت کو قصداً نجاست کھلانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ سنیوں کے کنوئیں میں بھی اگر جائے گا تو پاخانہ نہ ہو تو پیشاب کر ہی دے گا ۔ لہٰذا احتراز ضرور ہے اور احتیاط اس میں ہے کہ ایسا ہوا تو کل پانی نکال دیا جائے الخ ـــ [1]

○ ـــ جلد دوم ـــ ○ میں بھی صرف ایک استفتاء ملا جو سہسرام سے متعلق تھا جسے آپ کے جید شاگرد اور خلیفہ حضرت ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری قدس سرہٗ نے سہسرام میں اپنے قیام

---

[1] فتاویٰ رضویہ (۱/ ۵۷۴)

کے دوران بھیجا تھا۔ آپ مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام کے صدر مدرس تھے۔ آپ کے بارے میں سہسرام کے تعلق سے اجمالی آئندہ سطور میں پیش کیا جائے گا یہ ایک تفصیلی فتویٰ ہے جو فن ہیئت و توقیت سے متعلق ہے ـــــ یہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۴۱۶ سے ۴۲۱ تک کے صفحات پر پھیلا ہوا ہے جسے ۹ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں بھیجا گیا۔

ہ ـــــ **جلد سوم** ـــــ ہ میں سہسرام کے تعلق سے چار فتاویٰ ملتے ہیں :-

(۱) :ـــ مولانا نور محمد ولایتی صاحب کا ۱۳۰۹ھ میں بھیجا ہوا یہ استفتاء دراصل ایک ایسے فتوے کی طلب تصدیق ہے جسے علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحئی فرنگی محلی نے تحریر کیا تھا جو لفظ ضاد کو ظاء یا ذال پڑھنے کے جواز یا عدم جواز سے متعلق ہے۔ یہ فتویٰ اختصار کا پہلو لئے ہوئے ہے جس کا خلاصہ انہی کی زبان میں یہ ہے :-

> حاصل یہ ہے کہ جس شخص سے مخرج ضاد کا نہ آوے وہ ظا پڑھے۔ ھٰذا ھوالحق والصواب۔ تو مسلمانوں کو چاہئے کہ بہت جلد اس کے عامل ہو جائیں واللہ اعلم بالصواب۔ فی الواقع بمذہب مختار جمہور ضاد کی جگہ ظاء پڑھے گا یا ذال نماز فاسد نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

اس فتوے میں علامہ ابوالحسنات لکھنوی رحمۃ اللہ نے زبردست علمی ٹھوکر کھائی ہے کہ انہوں نے قصداً اور مجبوراً میں امتیاز نہیں کیا اور ایک دوسرے پر قیاس کرتے ہوئے انہوں نے ضاد کی جگہ قصداً، ضاد کی ادائیگی کی کوشش کئے بغیر ظاء یا ذال کو پڑھنا روا رکھا بلکہ اس کی مسلمانوں کو ترغیب دی اور اس حکم کی کسی معتمد فقہی کتاب کے حوالے سے تائید بھی پیش نہ فرمائی ـــــ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس غلطی کی وضاحت فرمائی اور نہایت شاندار تحقیقی اور جامع فتویٰ تحریر فرمایا جو مسئلہ کے تمام گوشوں کو لئے ہوئے ہے ـــــ آپ تحریر فرماتے ہیں :-

> اس قدر تجوید جس کے باعث حرف کو حرف سے امتیاز اور تلبیس و تبدیل سے احتراز حاصل ہو واجبات عینیہ اور اہم مہمات دینیہ سے ہے آدمی پر تصحیح مخارج میں سعی تمام اور ہر حرف میں اس کے مخرج سے ٹھیک ادا کرنے

کا قصد واہتمام لازم کہ قرآن مطابق ما أنزل اللہ تعالیٰ پڑھے۔ نہ معاذ اللہ مداھنت و بے پرواہی کہ آج کل کے عوام بلکہ یہاں کے کثیر بلکہ اکثر خواص نے اپنا شعار کرلیا .... فتویٰ متاخرین پروانۂ بے پروائی نہیں۔ باوصف قدرت تعلیم تعلم نہ کرنا اور براہ سہل انگاری، غلط خوانی قرآن پر مُصِر متمادی رہنا کون جائز رکھے گا .... غلط پڑھنا بالاجماع حرام ہے .... تو کیونکر جائز کہ جہد وسعی بالائے طاق، سرے سے حرف مُنَزّل فی القرآن کا قصد ہی نہ کریں بلکہ عمداً اسے متروک و مہجور، اور اپنی طرف سے دوسرا حرف اس کی جگہ قائم کردیں۔ لاجرم امام اجلّ ابوبکر محمد بن الفضل فضلی و امام برہان الدین محمود بن الصدر السعید وغیرھما اجلۂ کرام نے تو یہاں تک حکم دیا کہ جو قرآن عظیم میں عمداً ضاد کی جگہ ظاء پڑھے، کافر ہے .... پس جزماً لازم کہ ہر حرف میں خاص حرف مُنَزّل من عند اللہ ہی کی ادا کا قصد کریں اور اسی کے مخرج سے اسے نکالنا چاہیں پھر بوجہ عُسر حرف و قصور لسان اگر غلط ادا ہو تو مثل ضاد میں کہ أعسر الحروف ہے تیسیراً علی الأمّۃ، فتویٰ بعض متاخرین پر عمل کر کے صحت نماز کا حکم دینا معیوب نہیں، محبوب ہے الخ۔[1]

اس فتوائے مبارکہ کا خاص تحقیقی پہلو یہ ہے کہ موضوع کے سارے گوشے سمیٹ لئے گئے ہیں اور جو بات کہی گئی وہ روایات کے حوالے سے۔ اس دو صفحے کے مختصر سے فتوے میں چودہ بلند پایہ کتابوں کے حوالے موجود ہیں اور آیات کریمہ اور احادیث طیبہ کے حوالے جو رہے وہ الگ رہے ـــــ وہ چودہ استنادی کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ الاتقان فی علوم القرآن ۔ ۲۔ احسن الفتاویٰ ۔ ۳۔ فتاویٰ بزازیہ ۔ ۴۔ غنیہ ۔ ۵۔ قہستانی ۔ ۶۔ طحطاوی ۔ ۷۔ محیط ۔ ۸۔ منح الروض ۔ ۹۔ ردالمحتار ۔ ۱۰۔ تاتارخانیہ ۔

[1] فتاویٰ رضویہ (۹۸/۲)

۱۱۔ ھندیہ ۔ ۱۲۔ حلیہ ۔ ۱۳۔ خزانۃ الاکمل ۔ ۱۴۔ وجیز کردری ۔

شاید اسی شانِ تحقیق کے پیشِ نظر علامہ ابوالحسنات جیسے بلند پایہ سنّی عالمِ دین کا فتویٰ نقد و نظر کے لئے بارگاہِ رضا میں پیش کیا گیا ۔ اس سے آپ کی پُراعتماد علمی شخصیت کی وجاہت پر بھی بھرپور روشنی پڑتی ہے ۔

(۲) ۵ رشوال المکرم ۱۳۳۹ھ کو ایک استفتا بھیجا گیا ۔ سائل جناب قدرت اللہ صاحب سہسرامی ہیں جو محلہ (برتلہ) شاہ ہارون کے رہنے والے تھے ــــ اس میں انہوں نے مزامیر کے ساتھ قوالی سننے والے کی امامت کے بارے میں سوال کیا ہے ۔ ؂۲

(۳) تیسرا استفتاء نماز کے قیام و قعود وغیرہ کی مختلف صورتوں سے متعلق ہے جسے حافظ عمر جلیل صاحب ساکن محلہ دائرہ نے ۱۶ رشوال المکرم ۱۳۲۲ھ کو ارسال کیا ہے ۔ ؂۳

(۴) جناب قدرت اللہ صاحب ساکن محلہ شاہ ہارون (برتلہ) نے خطیب کے پہلے خطبۂ عید الاضحیٰ کے بعد لبیک اور صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے بارے میں سوال کیا کہ آیا ایسا کرنا کیسا ہے ؟ یہ استفتاء ۵ رشوال ۱۳۳۹ھ کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجا گیا ۔ ؂۴

٥ــــ جلد چہارم ــــ٥

اس جلد میں صرف ایک استفتاء رویتِ ہلال سے متعلق ہے جسے حضرت ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری قدس سرہٗ نے ۱۵ ر ذوالحجہ ۱۳۳۶ھ کو سہسرام سے ارسال فرمایا تھا ۔ ؂۵

٥ــــ جلد پنجم ــــ٥

اس جلد میں اہلِ سہسرام کے تین استفتاء جات موجود ہیں ۔ (۱) حکیم سراج الدین صاحب نے ۳ ر جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ کو یہ استفتاء بھیجا ۔ سوال کے الفاظ یہ ہیں :-

" نابالغ کے نکاح میں اس کے ولی سے ایجاب کرانے کی نوبت پہنچے گی ، تب تعینِ مہر بحیثیت ولی کے ہوگی پس بعد بلوغ اقبال سے وہ نابالغ اس مہر کے ناراض ہو اور انکار کرے تو

؂۲ فتاویٰ رضویہ (۲۵۰/۳) ؂۳ ایضاً (۲۱۹/۳) ؂۴ ایضاً (۷۷۵/۳) ؂۵ ایضاً (۵۶۴/۴)

کیا حکم ہوگا؟ [1]

اس کا جواب ایک صفحہ پر مشتمل ہے۔

حکیم سراج الدین صاحب محلہ پٹھان ٹولی عرف کالے خاں کے رہنے والے تھے جو ایک جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر حکیم بھی تھے۔ افسوس آپ کے تفصیلی حالات کا علم نہ ہو سکا ـــ لیکن جب سہسرام کی ایک معمر ادبی شخصیت سے جس کی نگاہوں نے سہسرام کے ماحول کے بہت سے مدوجزر دیکھے ہیں، میں نے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا ـــ "مولانا حکیم سراج الدین صاحب محلہ کالے خاں کے رہنے والے تھے ان کے صاحبزادے جناب بہاء الدین صاحب میرے پاس آیا کرتے تھے اور مولانا کی کئی ایک مملوکہ اور مکتوبہ کتابیں مجھ کو دکھائی تھیں جن میں اکثر طب سے متعلق تھیں" یہ تھے کرامت لائبریری کے بانی اور مالک، ایس پی جین کالج کے ریٹائرڈ اردو زبان و ادب کے پروفیسر جناب اظہر حسین صاحب جو بہت ہی علم دوست، ادب آشنا جذبات کے مالک ہیں ـــ یہ ان کی علم دوستی اور شفقت ہی کہی جائے گی کہ مذکورہ بالا تفصیل بیان کرنے کے بعد، اپنی کبر سنی کے باوجود اپنے ذخیرۂ کتب سے ایک قلمی کتاب نکال کر دی۔ وہ اسے حکیم سراج الدین صاحب کی تصنیف قرار دے رہے تھے ـــ فقیر نے دیکھا تو اس قلمی کتاب میں کہیں کسی کا نام درج نہیں تھا۔ ہاں کئی جگہ حکیم سراج الدین صاحب کی مہر ثبت تھی ـــ یہ کتاب لغت کے موضوع پر تھی اور غالباً لغت قرآن یا لغت عرب کے موضوع پر ـــ جس کی ابتداء لفظ آلہ کے معانی کے بیان سے ہوئی تھی۔ اگر اس کتاب کو واقعتاً حکیم سراج الدین صاحب کی ہی کتاب تسلیم کر لیا جائے تو اس سے مصنف کی علمی جلالت بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ اور اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک عظیم علمی شخصیت تھی جس کی یادیں زمانے کی تہوں میں دب کر رہ گئیں۔

(۲) دوسرے استفتاء میں ولایت نکاح کے سلسلہ میں ایک صاحب امام احمد رضا قدس سرہ

---

[1] فتاوی رضویہ

سے طالب جواب ہیں ۔ اور یہ ہیں جناب شیخ عبد الواحد صاحب ۔ جن کی سکونت محلہ شاہ جمعہ سہسرام میں تھی ۔ انہوں نے یہ سوال بارگاہ رضا میں ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۲۸ھ کو روانہ کیا ۔ [۲]

(۲) حکیم سراج الدین صاحب نے ایک اور استفتاء ۲ رجمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ کو روانہ کیا، جو مہر معجل اور مؤجل کے سلسلے میں ہے کہ آیا ان کا لکھنا ضروری ہے یا نہیں اور مہر مثل مستورات خاندانی کا لحاظ اولیٰ ہے یا کچھ اور؟ [۳]

٥ ــــ جلد ششم ــــ ٥

ہمارے موضوع کے تعلق سے اس جلد میں تین فتاویٰ ملتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے ۔

(۱) یہ فتویٰ ایک استہزائیہ جملہ "کیا کعبہ کو جاڑا لگتا ہے" اور خلافت کے احکام کے اتباع سے متعلق ہے ۔ اس کے سائل جناب قدرت اللہ صاحب ہیں جو محلہ شاہ ہارون کے رہنے والے ہیں ۔ انہوں نے یہ سوال ۵ شوال المکرم ۱۳۲۹ھ کو بھیجا ۔ [۴]

(۲) یہ استفتاء حکیم سراج الدین صاحب کا ہے جو ۲ رجمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ کو روانہ کیا گیا اس کا موضوع یہ ہے کہ وقف کی جائیداد کو ان کے سجادہ نشیں، متولی، منیجر یا ممبر حضرات کو اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ [۱]

(۳) یہ بھی حکیم سراج الدین صاحب ہی کا استفتاء ہے جو مساجد و مدارس کی افضلیت کے تعلق سے ہے ۔ اس کے ارسال کی تاریخ بھی ۲ رجمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ ہی ہے ــــ

سوال کے الفاظ یہ ہیں :-

"فرق درمیان فضائل مسجد و مدارس کے کیا ہیں؟ حضور آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی مدرسہ بھی تعمیر کیا تھا یا نہیں؟

اس کا جواب ان لفظوں میں دیا جاتا ہے ــــ :

---

[۲] ایضاً (۴۲۵) [۳] ایضاً (۵/۵۱۰) [۴] ایضاً (۶/۱۸۷)

[۱] فتاویٰ رضویہ (۶/۲۷۵)

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے کوئی مدرسہ تعمیر نہ فرمایا نہ صدر اوّل میں کوئی عمارت بنام مدرسہ بنانے کا دستور تھا ان کی مساجد، ان کی مجالس یہی مدارس ہوتی تھیں ـــــ ہاں تعلیم علم دین ضرور فرض ہے، اسی لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوتی ہے .... مساجد کی تعمیر واجب ہے اور مدرسہ کے نام سے کسی عمارت کا بنانا واجب نہیں۔ ہاں تعلیم دین واجب ہے اور مدرسہ بنانا بدعت مستحبہ ـــ تعمیر مساجد کی فضیلت بے شمار ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں .... جو اللہ عزوجل کے لئے مسجد بنائے اس کے لئے اللہ عزوجل جنت میں موتیوں اور یاقوت کا گھر بنائے [2]

٥ ـــــ جلد ہفتم ـــــ ٥

اس جلد میں صرف ایک استفتاء جناب قادر بخش صاحب کا ہے جو محلہ مدار دروازہ کے رہنے والے ہیں ـــ انھوں نے اس میں اسی محلہ کی ایک مسجد کے تعلق سے سوال کیا ہے ـــ جس سے ایک تاریخی واقعہ کا بھی علم ہوتا ہے ـــ اس کی تفصیل انہی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے ـــ :

ایک مسجد محلہ مدار دروازہ میں واقع ہے جس کے اتر جانب کی دیوار سے ایک ہندو حلوائی نے اپنا مکان مسجد مذکور کی دیوار سے دیوار ملا کر اس طرح اٹھایا کہ جس سے مسجد کے اتر جانب ایک نوخانہ جھنجھری نما ہوا کے لئے ایک کھڑکی تھی۔ اس کو اپنی نو دیوار سے بند کر دیا ہے جس سے ہوا بالکل بند ہو گئی ہے۔ اب نمازیوں کو بہ سبب بند ہو جانے ہوا کے از حد تکلیف ہے اور جانب اتر و پورب کچھ اینٹ دیوار جدید فصیل مسجد پر زیادہ کر کے بنا لیا ہے جو قریب دو انچ کے ہوگی۔ مسجد کی فصیل پر اس کی اینٹ چڑھی ہوئی ہے اور اور ایک جانب پورب سے وہ ناگر معلوم ہوتی ہے۔ یہ مسجد زمانہ چھپن برس کی

---

[2] ایضاً (۶/۴۵۸)

بنی ہوئی ہے۔ اس نے آج یہ نیا کام بنایا ہے ـــــ ازروئے شرع شریف اس کا کیا حکم ہے؟ [۳]

یہاں چونکہ فقہی تفصیلات کا تذکرہ مقصود نہیں اس لئے اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے ـــــ غالباً یہ وہی مسجد ہے جسے بالائی مسجد کہا جاتا ہے جو محلہ مدار دروازہ کی سہ رخی سڑک کے کونے پر واقع ہے ـــــ یہ استفتاء ۳؍شوال المکرم ۱۳۳۵ھ کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجا گیا۔

٥ـــــ جلد ہشتم ـــــ٥

اس جلد میں تین فتاویٰ سہسرام کے سائلین کے ہیں۔

(۱) اس فتویٰ میں مستفتی کا نام ذکر نہیں۔ تاریخ روانگی درج ہے اور وہ ہے ۱۹؍ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ ـــــ اس سوال کا تعلق اس بات سے ہے کہ واعظ کو جو سفر خرچ دیا گیا۔ اگر واعظ نے اس جلسہ میں شرکت نہیں کی اور کسی وجہ سے راستہ ہی سے واپس آگیا تو کل کرایہ کی رقم امانت لوٹانی ہوگی۔ یا جتنا اس سفر میں خرچ ہوا اس کے علاوہ جو رقم بچی صرف اتنا ہی لوٹانا ہوگا؟ اس کے تفصیلی جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ واعظ کو جو روپیہ سفر خرچ کے لئے دیا اس کے ہاتھ میں امانت ہے، جو اس صرف کے علاوہ خرچ ہوا یا بچا اس کو واپس کرے۔ [۱]

(۲) حافظ عبدالجلیل صاحب ساکن محلہ دائرہ نے سوال کیا کہ ہندو کا مال مسلمان زبردستی کھا سکتا ہے یا نہیں؟ ـــــ تو بارگاہ رضا سے بڑا دلچسپ اور مختصر جواب موصول ہوا:-

زبردستی مال کھانے والے ایک دن بڑا گھر دیکھتے ہیں [۲]

اس استفتاء کی روانگی کی تاریخ ۱۶؍شوال المکرم ۱۳۲۲ھ بروز شنبہ ہے۔

(۳) یہ استفتاء قربانی کی کھال کے مصارف سے متعلق ہے کہ اس کے مصارف میں مدارس بھی آتے ہیں یا نہیں؟ ـــــ جواب ایجاب میں تھا ـــــ یہ استفتاء بھی حکیم سراج الدین صاحب کے نام ہے جسے

---

[۳] ایضاً (۵۲۸/۷)   [۱] فتاویٰ رضویہ (۳۲/۸)   [۲] ایضاً (۲۵۱/۸)

انہوں نے ۲۳ / جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ کو ارسال خدمت کیا۔ ۳؎

جلد نہم

اس جلد میں صرف ایک استفتاء ہے جسے حافظ عمر جلیل صاحب ساکن محلہ دائرہ نے ۱۶/ شوال المکرم ۱۳۳۳ھ کو بھیجا تھا ــــ سوال یہ تھا کہ درزی اگر کسی فاحشہ عورت کا کپڑا سیئے تو اس سے اس کی مزدوری لینی جائز ہے یا نہیں ؟ ۴؎

جلد دوازدہم

اس جلد میں بھی صرف ایک استفتاء جناب حکیم سراج الدین احمد صاحب کا ہے۔ جسے انہوں نے ۱۷/ شوال المکرم ۱۳۳۵ھ کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ اس میں حکیم صاحب نے حضرات دیابنہ کی بدعت اندوزی کا رونا رویا ہے اور ہر چیز کو بدعت، بدعت کہنے والوں کے بارے میں پوچھا ہے کہ " یہ مورد الزام ہوسکتے ہیں یا نہیں"؟ ــــ ۵؎

اتنی تفصیل پیش کرنے کے بعد بھی اس فہرست کو کسی صورت سے مکمل نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے فتاویٰ لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ آپ کی افتاء نویسی کا سفر ۱۲۸۶ھ سے شروع ہوتا ہے اور ۱۳۴۰ھ کے سرے پر ختم ــــ تقریباً اس چوّن سالہ مدت میں اسلام کے اس عبقری فقیہ کے فتاویٰ کی تعداد کا کون اندازہ کرسکتا ہے جس کے یہاں ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو استفتے جمع ہوجاتے ہیں ــــ اور ستم یہ کہ اس میں نصف سے زائد زمانے کی گردش اور غفلتوں کی نذر ہوگئے ــــ اور نصف سے بھی کم منظر عام پر آسکے ــــ مولانا بہاء المصطفٰی قادری نویں جلد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> مسائل کلامیہ اور شتّٰی کا مسوّدہ ناتمام ملا۔ کلامیہ کے مسودہ پر صفحات کا جو نمبر شمار ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مستقل جلد تھی۔ جس کے ۹۳۶

۳؎ ایضاً (۴۸۹/۸) ۴؎ ایضاً (۶۸/۹) مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی ۵؎ ایضاً (۲۱۱/۱۲) مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

نوسو چھتیس صفحات کسی اور کے پاس ہیں یا امتداد زمانہ سے ضائع ہو گئے [1]

(۶)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے اپنے معاصر علماء مشائخ اہل سنت سے کیسے گہرے اور کس قدر وسیع روابط تھے، اس کا جائزہ خود ایک مستقل موضوع ہے جو بہت ہی بسط اور تفصیل چاہتا ہے ــــ علماء ہوں یا مشائخ سبھی آپ کی عظمتوں کے معترف تھے امام احمد رضا ان کے قدر شناس ــــ اس کا اندازہ آپ کی تصانیف پر تقریظات، تصدیقات اور آپ کے مجموعۂ مکتوبات کے مطالعہ سے ہوتا ہے ـ مفکر اسلام علامہ یٰسین اختر مصباحی مدظلہ العالی نے "دبستان رضا" میں اختصار کے ساتھ اس موضوع کا جائزہ لیا ہے ــــ اور کچھ تذکرہ، حافظ الحدیث علامہ قادر بخش سہسرامی علیہ الرحمہ سے امام احمد رضا قدس سرہٗ کے روابط کی تفصیلات میں بھی آئے گا۔ آپ علماء و مشائخ عصر کی نگاہ میں کس قدر محبوب و معظم تھے اس کا قدرے اندازہ شیخ المشائخ سیدنا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کے اعزازانہ انداز ملاقات سے ہوتا ہے، جس کا تذکرہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود مجددی زید مجدھم ان الفاظ میں کرتے ہیں ــــ :

> محدث بریلوی کے محسنین میں شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی بھی تھے جنہوں نے فرنگی محل میں پڑھا اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بخاری شریف کی سماعت کی۔ گنج مرادآباد میں مستقل قیام کیا۔ محدث بریلوی اپنے دوست مولانا وصی احمد محدث سورتی کے ہمراہ گنج مرادآباد حاضر ہوئے تو شاہ صاحب نے قصبہ سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور فرمایا "مجھے آپ میں نور ہی نور نظر آتا ہے ــــ یہ وہی کلمات ہیں جو پہلے حج کے موقع پر شیخ صالح بن حسین جمل اللیل مکی نے فرمائے تھے جس کو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ مولانا رحمان علی نے (تذکرہ علمائے ہند) میں نقل کیا ہے [2]

---

[1] فتاوی رضویہ نہم مقدمہ ص ب [2] محدث بریلوی ـ مطبوعہ کراچی ص ۱۴۱

یہاں صرف سہسرام کے ان علماء و مشائخ کا ذکر ہو گا جو امام احمد رضا کے ہم عہد تھے اور ان کے امام موصوف کے ساتھ مخلصانہ تعلقات تھے ـــــ جن حضرات کے تعلقات کی تفصیل مجھے فراہم ہو سکی وہ درج ذیل ہیں :-

۱ ـ حضرت حافظ الحدیث علامہ محمد قادر بخش سہسرامی

۲ ـــ حضرت مولانا سید شاہ عبد الغنی سہسرامی

۳ ـــ حضرت مولانا شاہ ملیح الدین کبیری سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ سہسرام

۴ ـــ حضرت مولانا ابو صالح ظہیر الدین احمد فریدی

۵ ـــ حضرت مولانا سید شاہ غلام مخدوم مست سہسرامی

۶ ـــ حضرت مولانا فرخند علی سہسرامی

۷ ـــ حضرت مولانا محمد ابو الحسن سہسرامی

۸ ـــ حضرت مولانا فہیم الدین صاحب سہسرامی

۹ ـــ حضرت مولانا حکیم محمد یحییٰ صاحب سہسرامی

مزید تلاش و جستجو سے اس دائرے کو اور بڑھایا جا سکتا ہے :-

اب ہر ایک کے مختصر تعارف کے ساتھ ان کے روابط کی کیفیات ملاحظہ کیجئے۔

۱ ـ حافظ الحدیث حضرت علامہ محمد قادر بخش سہسرامی قدس سرہٗ ـــ :

ایک کثیر الجہات شخصیت جس کے علمی وجود پر، حافظ الحدیث، سلطان الواعظین، امام الثقلین، عارف باللہ اور مرشد برحق سبھی کچھ زیب دیتا ہے جس کے علمی اور روحانی فیضان سے ایک عالم فیضیاب ہوا ـــ سہسرام، بنارس، کلکتہ، کشن گنج وغیرہ جس کے سحاب کرم کے خاص مرکز توجہ تھے، اور جس کے دامن کرم سے وابستہ ہزاروں افراد اصلاح باطن اور تربیت ظاہر کی دولت گرانمایہ سے سرفراز تھے ـــ آپ صاحب تدریس بھی تھے اور صاحب تصنیف بھی، تفقہ سے بھی وافر حصہ نصیب تھا اور خطابت تو گویا آپ ہی کا فن تھا۔ فن طب میں بھی اچھی خاصی دسترس تھی اور شاعری سے بھی بے بہرہ نہ تھے۔ آپ کی تصانیف علمی رنگ لئے ہوئے تحقیق کے اعلیٰ معیار کو پورا کرتی ہیں۔ ۱۔ التقریر المعقول

فی فضل الصحابۃ واھل بیت الرسول ۔ ۲۔ الاربعین فی اشاعۃ مراسم الدین ۔ ۳۔ ضرب القادر علی رقبۃ الواعظ الفاجر ۔ ۴ ۔ رفع الارتیاب عن المغترین لشرف الانساب ۔ ۵ ۔ غایۃ المقال فی رویۃ الھلال ۔ ۶۔ تحفۃ الأتقیاء فی فضائل آل العباء ۔ ۷ ۔ جور الاشقیاء علی ریحانۃ سید الانبیاء [1] ۸ ۔ اور چہل حدیث، جیسی تصانیف آپ کی عبقریت کی بہترین شہادت ہیں ۔ اور آپ کے تفقہ کے شاہد وہ بے شمار فتاویٰ ہیں جو آپ نے کلکتہ، بنارس کھگڑہ اور کشن گنج وغیرہ کے دوران قیام تحریر فرمائے ــــ ایک فتویٰ خود فقیر کی نگاہ سے فتاوی رضویہ جلد سوم [2] میں گذرا جس پر آپ کی تصدیق تھی اور یہ مصدقہ فتویٰ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے پاس تصدیق کے لئے بھیجا گیا ــــ افسوس آپ کی یہ علمی امانتیں محفوظ نہ رکھی جاسکیں ــــ ہمارے اکثر اکابرین کی قلمی یادگاروں کے ساتھ یہی حادثہ پیش آیا ہے۔

علم حدیث میں عبقریت، مناظر احسن گیلانی کے ان الفاظ سے خوب نمایاں ہے ــ :

اور مولانا قادر بخش سہسرامی کے دیکھنے والے تو شاید اب موجود ہوں گے جو صحاح کے ورق کے ورق زبانی سناتے چلے جاتے تھے ــ بخاری کی حدیثیں سند کے ساتھ بیان کر کے فتح الباری، عینی وغیرہ شروح کی عبارتیں تک مولانا زبانی سناتے تھے [1]

قمر گیاوی کے یہ تاریخی مصرعے بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں ــ

پڑھتے تھے جس گھڑی وہ حدیثیں رسول کی
آتی تھی ہر طرف سے صدا روحنا فداک

تاریخ ارتحال ہے کیا خوب یہ قمر
مقبول سید العلماء نور خلد پاک [2]

اور خطابت کی بے مثل اثر انگریزی کے بارے [3] میں تو بے شمار عینی مشاہدین کے بیانات موجود [1]

---

[1] نزھۃ الخواطر (۸/۳۷۰) [2] فتاوی رضویہ (۳/۱۸۲)

[1] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص ۱۶۹۔ [2] قمر گیاوی کی حضرت کے سانحۂ وصال پر تاریخی قطعات کی قلمی دستاویز جو رضوی فقیر کے پاس محفوظ ہے ۱۲

موجود ہیں ـــــ یہاں صرف ایک عینی شاہد کا بیان انہی کے الفاظ میں :ـــــ

ابو محمد مقبلح سہسرامی آپ کے سانحۂ ارتحال پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

درا صل سرزمین سہسرام سے ایسے پرگو اور بے مثل واعظ کا اٹھ جانا سخت افسوس ناک ہے ۔ آپ کا انتقال ابھی حال میں ناگہانی طور پر ہوا ہے جس سے ہر چھوٹا بڑا یکساں غم میں مبتلا ہے ۔ ہندوستان کا کوئی نامی گرامی جلسۂ وعظ آپ کی شرکت سے خالی نہ رہتا اور اگر کسی وجہ سے اتفاقاً آپ کی شرکت نہ ہوتی تو بڑی کمی محسوس کی جاتی .... اثنائے وعظ میں حدیث شریف اس کثرت سے پڑھتے تھے کہ علماء نے آپ کو حافظ حدیث کا خطاب دے رکھا تھا ۔ جابجا مثنوی شریف کے اشعار اور بھی دلچسپی پر اضافہ کرتے تھے ـــــ بیان کا ربط اور موقع کی چیزیں ، برجستگی سب کچھ خدا نے دے رکھا تھا .... ایک مرتبہ آپ کے وعظ سے صاحب اسٹیٹ (کھگڑہ) اس قدر محظوظ ہوئے کہ ایک خرچ کثیر حج بیت اللہ کے لئے عنایت کیا [۱]

اور روحانی لطافتوں کا یہ عالم کہ جن وانس دونوں نماز میں آپ کی اقتداء کرتے ۔

اور اخیر وقت میں جب بعارضۂ چیچک دنیا سے تشریف لے گئے تو یہ کرامتیں دنیا نے چشم سر سے ملاحظہ کیں ـــــ عبد السلام نعمانی مجددی جن کے والد گرامی مولانا محمد ابراہیم کے حضرت مولانا قادر بخش علیہ الرحمہ کے ساتھ گہرے تعلقات تھے ، تذکرہ مشائخ بنارس میں لکھتے ہیں :ـ

انتقال کے بعد آپ کی (مولانا قادر بخش سہسرامی علیہ الرحمہ کی) دو کرامتیں قابل ذکر ہیں :ـــ

(۱) آپ کے تمام جسم میں چیچک کے بڑے بڑے دانے تھے جن کی گولائی انگریزی دور کے پیسوں کے برابر تھی لیکن جسم سے روح پرواز ہوتے ہی ایک دانے کا

---

[۱] تاریخ سہسرام جلد اول ص ۱۱۷ ـ ۱۱۸ ـ

بھی نام ونشان نہ تھا۔ سارا بدن بالکل صاف شفاف تھا۔

(۲) انتقال سے پہلے بار بار یہی فرماتے تھے کہ جنت میں کوئی بوڑھا نہ جائے گا اور انتقال کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی سفید داڑھی بالکل سیاہ ہو چکی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی بیس بائیس سالہ نوجوان لیٹا ہے۔ ؎۱

قمر گیاوی نے بھی آپ کی طہارت باطن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے

ہے قمر تاریخ یہ ترحیل کی ∴ پاک باطن آہ افخر سہسرام (۱۳۲۷ھ)

یہ ہے اس جلیل القدر عارف باللہ اور عالم دین کے گوشۂ حیات کا قدرے تفصیلی تعارف، جس کی زندگی کا سفر ۱۲۷۲ھ میں شروع ہوا اور ۱۳۲۷ھ میں اسے منزل نصیب ہوئی ـــ جس کی پاکیزہ صلاحیتوں کے لئے والد ماجد مولانا حکیم حسن علی سہسرامی مولانا سید شاہ احمد حسین صاحب سہسرامی، قاضی حکیم نور الحسین، شیر گھاٹوی، مولانا قاری عبد الرحمٰن پانی پتی، مولانا سید معین الدین کڑوی، علامہ ابو الحسنات عبد الحی لکھنوی اور مولانا محمد نعیم الدین لکھنوی کی آغوشِ تربیت، تعلیم وا رہی ـــ اور جس کے اوپر عارف باللہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت علامہ سید احمد دحلان مکی، حضرت شاہ عبد اللطیف ستھنی اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن ردولوی ثم مدنی ؎۲ جیسے عرفاء کاملین کے عرفان و علم کا بادل لوٹ لوٹ کر برسا اور جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ ـــ ۱۳۴۰ھ) سے ایک سال بعد وارد بزم کائنات ہوا اور ان سے تین سال پہلے فیض وکرم کی بساط سمیٹ لے گیا ـــ اس طور سے اس ذات کریم کو امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کی ذات گرامی سے مکمل معاصرت حاصل تھی۔

اگر ایسی بلند و بالا، علم وفضل کی جامع، روحانیت اور پاکیزگی کے اعلیٰ مراتب پر فائز قد آور شخصیت کسی کے تعلق سے اپنے تاثرات پیش کرے تو یقیناً وہ تاثرات بہت ہی گراں قدر، نہایت ہی اہم، کچھ زیادہ ہی قابل توجہ اور فکر و بصیرت کے لئے پُرکشش داعی ثابت ہوں گے ـــ اور

؎۱ تذکرۂ مشائخ بنارس ص ۱۴۵ ؎۲ تذکرۂ علماء حال ص ۶۷

اگر یہ تاثرات کسی معاصر سے وابستہ ہوں تب تو ان کی اہمیت کچھ اور ہی دوچند ہو جاتی ہے۔ کیونکہ معاصرت ایک کثیف حجاب ہے جس کے ہوتے ہوئے دوسروں کے علم و فضل کی روشنی کم ہی نمایاں ہو پاتی ہے ۔

لیجئے اب وہ نہایت بیش قیمت تاثرات ملاحظہ کیجئے جس سے دونوں حضرات کے گہرے اعتقادی رشتے، دینی تصلب، ذہن و دماغ میں دین و سنیت کا رچاؤ، اسلامی فکر میں مکمل یکسانیت اور باہمی اخلاص و مؤدت کا اچھی طرح اندازہ ہو سکے گا

ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین بہاری قدس سرہ جو مدرسہ خانقاہ کبیریہ ــــــــ محلہ دائرہ سہسرام کے مدرس اول (پرنسپل) رہ چکے ہیں، اپنے دوران قیام کا یہ مصدقہ واقعہ اپنی تصنیف حیات اعلیٰ حضرت میں بیان فرماتے ہیں :۔

جس طرح بد مذہب عموماً اعلیٰ حضرت کے بدگو اور مخالف تھے اسی طرح اہل سنت و جماعت اہل حق بالکلیہ حضرت کے محبت و اخلاص میں ڈوبے ہوئے تھے ــــ مولانا مولوی قادر بخش صاحب سہسرامی جو ایک بہت بڑے مشہور عالم اور زبردست واعظ تھے، ایک مرتبہ بسلسلۂ وعظ موضع زجہت ضلع گیا تشریف لے گئے ۔ یہ بستی سادات کرام کی ہے؛ اور اس بستی کے لوگ سجادہ نشینان سہسرام کے رشتہ دار ہیں .... وعظ کے بعد کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو کسی نے پوچھا کہ مولانا سنی اور وہابی کی کیا پہچان ہے؟ ایسی بات بتائیے جس کو ہم لوگ بھی کر سکیں اور اس کے ذریعہ سنی وہابی کو پہچان سکیں، کوئی بڑی علمی بات نہ ہو ــــ انہوں نے فرمایا۔ ایسا آسان اور کھرا قاعدہ آپ لوگوں کو بتا دیتا ہوں کہ اس سے اچھا ملنا مشکل ہے ــــ "آپ جب کسی کے بارے میں مشتبہ ہوں کہ سنی ہے یا وہابی بد مذہب؟ ــــ تو اس کے سامنے مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا تذکرہ چھیڑ دیجئے اور اس چہرے کو بغور دیکھئے ۔ اگر چہرہ پر بشاشت اور خوشی کے آثار دیکھئے تو یقین

جانیے کہ سنی ہے — اور اگر چہرہ پر پژمردگی اور کدورت دیکھیے تو سمجھیے کہ وہابی ہے اور اگر وہابی نہیں جب بھی اس میں کسی قسم کی بے دینی ضرور ہے — اس زمانہ میں لا یحبہ الا مومن ولا یبغضہ الا منافق (اس سے محبت وہی رکھے گا جو مومن ہوگا اور بغض وہی رکھے گا جو منافق ہوگا) میں یہ ضمیریں مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی طرف پھرتی ہیں۔"

اس لئے جتنے اہل سنت ہیں سب اعلیٰ حضرت کے مداح بلکہ عاشق صادق محب مخلص ہیں — اور ان سب میں بالخصوص یہ چند حضرات، حضرت سیدنا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب مارہروی، حضرت سیدنا شاہ سید اسمٰعیل حسن میاں صاحب مارہروی، حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبد القادر صاحب بدایونی، حضرت ابوالذکاء سراج الدین شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری، حضرت استاذ زمن مولانا شاہ احمد حسن صاحب کانپوری، حضرت صوفی باصفا مولانا شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی، حضرت مولانا شاہ محمد شفیع صاحب نامر رامپوری سہارنپوری، حضرت مولانا شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی، حضرت مولانا سید شاہ دیدار علی صاحب الوری لاہوری، جناب مولانا قاضی عبد الوحید صاحب عظیم آبادی، جناب حاجی محمد لعل خاں صاحب مدراسی جناب مولانا مولوی محمد رحیم بخش صاحب بانی مدرسہ فیض الغرباء آروی وغیرہم خصوصیت کے ساتھ اس بارے میں قابل ذکر ہیں۔" [۱]

اور اس علامتِ فکر میں حضرت مولانا قادر بخش سہسرامی قدس سرہٗ تنہا نہیں بلکہ اہل سنت کا ہر باخبر فرد، خواہ وہ مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا، عرب کا ہو عجم کا، ہند و پاک کے اہل اسلام کی اعتقادی صحت کے حوالے سے یہی زاویہ فکر رکھتا ہے — پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد اپنی بہت ہی قابلِ قدر تصنیف، "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" کے صفحات پر عالم عرب کے ایک

---

[۱] حیاتِ اعلیٰ حضرت۔ مطبوعہ کراچی ص ۶۲۔ ۶۳

جلیل القدر عالم کے تاثرات نقل کرتے ہیں جو مذکورہ بالا تاثرات سے حد درجہ قریب ہیں — آپ بھی اسکی تفصیل سننے چلیئے — : وہ لکھتے ہیں۔

"۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء میں مولانا غلام مصطفٰے صاحب مدرس مدرسہ عربیہ اشرف العلوم، گھوڑا مارا، راجشاہی، مشرقی پاکستان (ڈھاکہ) - زیارت حرمین شریفین کے لئے حاضر ہوئے .... موصوف نے اس سفر مبارک کے حالات و واقعات کو ایک سفر نامے کی صورت میں ۱۹۶۰ء میں شائع کیا۔ اس میں لکھا ہے کہ مولانا مفتی سعد اللہ مکی فرماتے تھے کہ بلاد عرب، میں عموماً اور حرمین طیبین میں خصوصاً، علمائے کرام جس قدر فاضل بریلوی سے واقف ہیں خود ہندوستان کے لوگ نہیں — چنانچہ آپ نے بطور آزمائش مولانا غلام مصطفٰے مذکور ان کے رفقاء کے ساتھ مولانا سید محمد علوی مالکی کی خدمت میں بھیجا جو اس وقت مکہ معظمہ کے قاضی القضاۃ (اسلامی چیف جسٹس) تھے — موصوف کے والد، فاضل بریلوی کے ہم عصر تھے — یہ حضرات ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مولوی غلام مصطفٰے نے اپنا اور اپنے رفقاء کا تعارف کرایا — نحن تلامیذ تلامیذ اعلیٰ حضرۃ مولانا احمد رضا خاں الفاضل البریلوی رحمۃ اللہ علیہ اتنا سننا تھا کہ مولانا سید محمد علوی سروقد کھڑے ہو گئے اور ایک ایک سے معانقہ فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا نحن نعرفہ بتصنیفاتہ وتالیفاتہ حبہ علامۃ السنۃ وبغضہ علامۃ المبدعۃ — ہم ان کو ان کی تصنیفات و تالیفات سے پہچانتے ہیں۔ ان سے محبت سنت کی نشانی ہے اور ان سے عداوت، بدعتی کی پہچان ہے[1]

سید محمد علوی مالکی وہ جلیل القدر عظیم الشان بزرگ سادات کرام سے ہیں جن کے بارے میں دیکھنے والے یہ کہتے ہیں : -

جب ہم در دولت پر حاضر ہوئے تھوڑی دیر کے بعد ایک حسین وجمیل

---

[1] فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، مطبوعہ لاہور ص ۱۶۵ - ۱۶۶

بزرگ تشریف لائے، جن کی صورت سے نورِ سیادت کی شعاعیں نکل رہی
تھیں، سب لوگ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے [۱]

یہ واقعہ ۱۳۷۹ھ کا ہے جبکہ امام اہلِ سنت کا وصال ۱۳۴۰ھ میں ہو چکا تھا، انتالیس برس کے بعد بھی اہلِ فضل و کمال کے دلوں میں ایک عاشقِ رسول اور امامِ اہلِ سنت کی یاد تازہ تھی ــــ علما اس کے فضل و کمال کے گن گائے جا رہے تھے ــــ جبکہ یہ معرفت علمی تھی، یہ تعلق فکری تھا، یہ وابستگی برہانی تھی اور یہ انس عرفانی تھا ــــ

اس امامِ عشق و محبت کے فضل و کمال اور عشق و عرفان کے ساتھ یہ مانوس آشنائی ایسی عام تھی کہ چھپائے نہیں چھپتی اور اس کی عبقریت کا اعتراف ایسا تام تھا کہ دبائے نہیں دبتا ــــ جبکہ ان سچائیوں کے چھپانے میں بہت ساری توانائیاں صرف کی جاتی ہیں ــــ آئیے آپ بھی دیکھیے کہ سچائی کیسے چھپائی جاتی ہے اور قدرت اسے کیسے بے نقاب کرتی ہے ــــ

ندوۃ العلماء جو ابن عبدالوہاب نجدی اور ابن تیمیہ کے افکار کی ترویج و اشاعت کا مرکز ہے جس کے نصابِ تعلیم میں نجدی کی کتاب التوحید بھی شامل ہے ــــ اس نے آج سے تقریباً تیئس سال پہلے (۲۵ تا ۲۸ شوال ۱۳۹۵ھ) اپنا پچاسی سالہ جشنِ تعلیمی منایا تھا۔ جس میں عالمِ عرب کے مشاہیر نے بھی شرکت کی تھی کیونکہ عالمِ عرب میں یہ ایک حنفی ادارۂ تعلیم کی حیثیت سے متعارف ہے جبکہ حقیقت کچھ اور ہے ــــ اس کے عباسیہ ہال میں تعلیمی نمائش کا انتظام تھا ــــ جس میں مشاہیر اہلِ قلم کی گراں قدر تصنیفات کا اجمالی تعارف بھی بڑے بڑے طغروں میں آویزاں تھا ــــ علمِ کلام اور فقہ کے حوالے سے امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کی چند تصانیف کے نام بھی درج تھے ــــ امام احمد رضا کا نام پڑھ کر کئی مشاہیر علماء چونک پڑے اور امین مجموعۃ فتاواہ کہہ کر آپ کے اس فقہی شاہکار دیکھنے کی خواہش ظاہر کی لیکن انہیں بڑی خوبصورتی کے ساتھ کسی اور طرف متوجہ کر دیا گیا ــــ انہی مشاہیر میں ایک عالمی شہرت یافتہ شامی عالم شیخ عبدالفتاح ابوغدہ بھی تھے جو کلیۃ الشریعہ محمد بن مسعود یونیورسٹی (ریاض) کے پروفیسر

---

[۱] سوانحِ اعلیٰ حضرت ص ۳۲۹

اور عربی زبان کی پچیسوں کتاب کے مصنف تھے جن کا تعارف ایک مشہور دیوبندی عالم نے بڑے زور دار انداز میں کرایا تھا ___ انہوں نے جب فتاویٰ رضویہ طلب کی تو ان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا اسے مفکر اسلام علامہ یٰسین اختر مصباحی زید مجدہم سے سنئے جو اس وقت لکھنؤ میں قیام پذیر تھے ___ وہ لکھتے ہیں :___

ان کی نگاہ جب فاضل بریلوی پر پڑی تو فوراً بول اٹھے " این مجموعۃ فتاویٰ الامام احمد رضا البریلوی " ان کے ساتھ ایک نہایت تجربہ کار قسم کے "مولوی" تھے ___ موقعہ نازک سمجھ کر انہوں نے کہہ دیا، فتاویٰ رضویہ یہاں موجود نہیں ___ حسن اتفاق سے ایک صاحب علم بھی ان کے پیچھے تھے ___ انہوں نے موقعہ غنیمت جان کر بتلا ہی دیا کہ انہا توجد فی ھذہ الدار فتاویٰ رضویہ یہاں کتب خانہ میں موجود ہے ___ یہ سن کر وہ مولوی صاحب آگ بگولہ ہوگئے اور انہیں ڈانٹ پلا کر وہاں سے رخصت کر دیا ___ کچھ دیر بعد انہوں نے مجھے اطلاع دی ۔ میں نے فوراً تفصیلی ملاقات کی کوشش کی اور ان کی قیام گاہ روم نمبر ۱۴ کلارک اودھ ہوٹل لکھنؤ میں ڈھائی بجے دن میں پہونچا ۔ میرے ساتھ وہ بھی تھے ___ کانفرنس کا آخری دن تھا تین بجے ان تمام نمائندوں کو بذریعہ ہوائی جہاز دلّی پہنچنا تھا جہاں صدر جمہوریۂ ہند جناب فخر الدین علی احمد کے یہاں دعوت کے ایک پروگرام میں شریک ہونا تھا ___ شیخ کوچ کی تیاریوں میں مصروف تھے ۔ بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور ماحضر سے ضیافت کی جو عربوں کی قدیم روایت ہے ___ دوران گفتگو میں نے پوچھا ۔ سمعت انک تشتاق الی مطالعۃ مجموعۃ فتاویٰ الشیخ الامام احمد رضا ۔ میں نے سنا ہے کہ آپ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے بہت مشتاق ہیں ___ نام سنتے ہی چہرہ دمک اٹھا اور بڑے مشتاقانہ انداز میں انہوں نے کہا ___ ہاں ! ۔ کیا آپ کے پاس موجود ہے ___ میں نے کہا اس وقت تو نہ مل سکے گی مگر انشاء اللہ بہت جلد

بذریعۂ ڈاک ارسال کردوں گا ——— میرا دوسرا سوال تھا کیف عرفت علمہ وفضلہ ۔ آپ ان کے علم وفضل سے کیسے متعارف ہوئے ۔ اس سوال سے ان کے چہرے پر تبسّم کی لہر دوڑ گئی فرمایا :— عطر بہرحال عطر ہی ہے کتنا بھی اسے بند شیشہ میں رکھا جائے ، اس کی بھینی بھینی خوشبو اہل ذوق تک پہنچ ہی جاتی ہے اس کے بعد شیخ نے ہمیں بتایا کہ میرے ایک دوست کہیں سفر پر جارہے تھے ۔ ان کے پاس فتاویٰ رضویہ کی ایک جلد موجود تھی ۔ میں نے جلدی جلدی میں ایک عربی فتویٰ مطالعہ کیا ۔ عبارت کی روانی اور کتاب وسنت واقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران وششدر رہ گیا اور اس ایک ہی فتویٰ کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے قائم کرلی کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہہ ہے ——[1]

اب اخیر میں عالم عرب کے ایک اور جید عالم دین کے یہ کلمات بھی پڑھتے چلئے جن سے حضرت علامہ قادر بخش سہسرامی قدس سرہٗ کے اس قول کی مکمل تصدیق ہوتی ہے کہ اس زمانے میں لایحبہ الا مومن ولا یبغضہ الا منافق میں یہ ضمیریں مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی طرف پھرتی ہیں "

علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ جو بیسوں مقبول کتابوں کے مصنف اور صاحب طرز خطیب تھے ، جب زیارت حرمین شریفین کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ معظمہ کے جلیل القدر محدث وفقیہ سے شرف ملاقات حاصل کیا اور سند حدیث وغیرہ بھی حاصل کی علامہ محمد بن العربی الجزائری سے اپنی ملاقات کی روداد ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں ۔ —

مولانا محمد بن العربی الجزائری مکہ مکرمہ کے اعلم العلماء ہیں اور حضرت مولانا سید علوی عباس اور اکثر علمائے مکہ مکرمہ کے استاد ہیں .... میں نے

---

[1] امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں ص ۱۹۲ ۔ ۱۹۳ ۔ ۱۹۴ ۔

ان کی خدمت میں ایک مرتبہ حدیث شریف کی قرأت بھی کی۔ میرے بارے میں چند مرتبہ حاضرین سے فرمایا کہ علی ھذا الرجل برکۃ المشائخ ـــــ اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

ہندوستان کا جب کوئی عالم ہم سے ملتا ہے تو اس سے مولانا شیخ احمد رضا خاں ہندی کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ اگر اس نے تعریف کی تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ یہ سنی ہے اور اگر اس نے مذمت کی تو ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ شخص گمراہ اور بدعتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہی ایک کسوٹی ہے [1]

اعظمی صاحب علیہ الرحمہ کا یہ سفر حج ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء میں ہوا۔

(۲) حضرت مولانا سید شاہ عبد الغنی سہسرامی قدس سرہٗ۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ سے حضرت مولانا سید شاہ عبد الغنی سہسرامی علیہ الرحمہ کے گہرے دوستانہ روابط تھے ـــــ حضرت ملک العلماء علامہ ظفر الدین قادری علیہ الرحمہ اس بے تکلف اور اعزازانہ مراسم کی منظر نگاری کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

میرے زمانہ قیام بریلی شریف یعنی ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۲۹ھ تک علمائے اہل سنت و مشائخ کرام و داعیان دین و دیگر حضرات اہل سنت و جماعت برابر تشریف لایا کرتے۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ ایک دو مہمان تشریف نہ لاتے ہوں۔ ان سب کی خاطر مدارت حسب مرتبہ کی جاتی ـــــ اور علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت اعلیٰ حضرت کے مسرت کی جو حالت ہوتی احاطۂ تحریر سے باہر ہے خصوصاً حضرت محدث سورتی مولانا شاہ وصی احمد صاحب پیلی بھیتی، حضرت ابو الوقت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی، حضرت مولانا سراج الدین ابو الذکاء شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری ......

---

[1] معمولات الابرار بمعانی الآثار (ص ۲۰۳، ۲۰۵)

...... مولانا سید شاہ عبد الغنی صاحب سہسرامی وغیرہ وغیرہ۔ علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت کا سماں بیان سے باہر ہے [۱]

افسوس کہ اس جلیل القدر شخصیت کے حالات زندگی زمانے کی تہوں نے چھپا رکھے ہیں جس کے اس قدر قریبی اور گہرے روابط تھے امام احمد رضا سے ــــ ورنہ دونوں حضرات کے درمیان کی نوعیت خلوص اور کیفیات مودّت کا پتہ چلتا اور دنیا کو یہ معلوم ہوتا کہ جید علماء اہل سنت کے کیسے اہم اہم روابط، امام احمد رضا قادری قدس سرہ سے تھے یہ ارتباط باہمی اور اخلاص قلبی کے رشتے صرف اور صرف اعتقادی وحدت اور دین و سنت کی حمایت کی بنیادوں پر استوار تھے۔

(۳۱) ــــ حضرت مولانا شاہ ملیح الدین کبیری سہسرامی رحمۃ اللہ

حضرت شاہ ملیح الدین کبیری اس عظیم الشان خانقاہ کے سجادہ نشیں تھے جو صدیوں سے چلی آرہی ہے اور ہر دور کے سلاطین اسلام اور اکابرین علم و فن نے اس در سے شرف نیاز حاصل کیا ہے ــــ اس خانقاہ پر پہلا وقف بادشاہ فرخ سیر نے اپنے عہد سلطنت کے پانچویں سن جلوس میں اٹھارہ مواضعات لاخراج ایک لاکھ درہم کی آمدنی کا دے کر فرمایا۔ اس وقت حضرت سیدی شاہ کبیر درویش قدس سرہ بقید حیات تھے [۲]

آپ کی عظیم خانقاہ کے سجادہ نشیں حضرت سید شاہ ملیح الدین صاحب کے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے بہت خوشگوار تعلقات تھے ــــ اسی گہری وابستگی کی وجہ سے جب حضرت مولانا حفیظ الدین صاحب مدرس اول مدرسہ خانقاہ کبیریہ کا انتقال ہو گیا تو تدریسی امور کی صدارت کے لئے کسی ذمہ دار عالم دین کے انتخاب کی ذمہ دارا علی حضرت قدس سرہ کے سپرد کی ــــ امام اہل سنت نے اپنے عزیز ترین شاگرد اور خلیفہ ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین قادری علیہ الرحمہ کو آپ کے پاس بھیجا۔ ملک العلماء نے آکر پوری ذمہ داری کے ساتھ اس عظیم منصب کو سنبھالا اور نہایت حسن و خوبی کے ساتھ تدریسی اور تعلیمی ذمہ داریاں نبھائیں جس سے مدرسہ نے علمی میدان میں کافی ترقی کی۔

---

[۱] حیات اعلیٰ حضرت ص ۱۹۸ [۲] تاریخ سہسرام (۷۹/۱)

مولانا محمود احمد قادری مولف تذکرۂ علمائے اہل سنت اپنے ایک تحقیقی مقالہ "ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری اور خدمت حدیث" میں لکھتے ہیں :-

خانقاہ کبیریہ سہسرام ضلع شاہ آباد ان خانقاہوں میں ہے جہاں بڑے بڑے جلال و جبروت، سطوت و شوکت کے مالک تاجداروں نے دل کی آنکھیں بچھائیں اور اس کی خاک کی عظمت کے قائل ہوئے ـــ شیر شاہ سوری خانقاہ کبیریہ کے حاضر باشوں اور عقیدت مندوں میں تھا۔ خانقاہ میں شروع ہی سے علم ظاہری کا بھی فیضان جاری تھا۔ حضرت سید شاہ ملیح الدین کبیری سجادہ نشین رحمۃ اللہ علیہ، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مخلصوں میں تھے ـــ حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین مرحوم رحمٰن پوری صدر مدرس کے انتقال کے بعد سجادہ نشین نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو خط لکھ کر ملک العلماء کو اپنے یہاں بلا لینے کی اجازت حاصل کر لی ـــ اس مرحلہ کے بعد حضرت سجادہ نشین نے حضرت الاستاذ کو سہسرام آنے کی دعوت دی اور اعلیٰ حضرت کی اجازت کا بھی تذکرہ کر دیا۔ چنانچہ ۱۳۲۴ھ کے آخر میں آغاز سال پر ملک العلماء سہسرام تشریف لے گئے۔ یہاں ایک طویل مدت تک ان کا قیام رہا اور وہ تدریس کے ساتھ وعظ و تبلیغ اور تصنیف کا کام بھی پورے انہماک اور توجہ سے کرتے تھے ـــ [1]

ملک العلماء کے صاحبزادے پروفیسر محمد مختار الدین آرزو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ اپنے والد گرامی کے مجموعہ احادیث صحیح البہاری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں جو ساٹھ ہزار فقہ حنفی کی مؤید احادیث کریمہ کا مجموعہ ہے جس کی پہلی جلد کا دوسرا ایڈیشن ابھی حال ہی میں پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب وغیرہ کی کوششوں سے شائع ہوا ہے۔

۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء میں سید شاہ ملیح الدین احمد سجادہ نشین خانقاہ

---

[1] ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور جولائی ۱۹۷۶ء ص ۲۰

کبیریہ سہسرام کی فرمائش پر وہ صدر مدرس ہوکر سہسرام ضلع شاہ آباد بہار چلے گئے جہاں وہ پانچ چھ سال مقیم رہے۔ وہاں ان کے رفقاء مدرسہ میں مولانا سید ابوالحسن خوشدل سہسرامی (۱۸۶۸ء — ۱۹۳۵ء) مولانا رحم الٰہی مظفر نگری متوفی ۱۳۶۳ھ، مولوی سید غیاث الدین چشتی ابوالعلائی نظامی رجہتی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ مولانا سید محمد موسیٰ رضا کاکوی بھی اس زمانے میں وہاں درس دے رہے تھے۔ وہ وہاں مدرس سوم تھے۔[۱]

سر دست صاحب سجادہ کے حالات زندگی بھی نہ مل سکے اس لئے ان کے تعلق سے کوئی تفصیل پیش نہیں کی جا سکتی۔ آپ کی تاریخ وصال پر مشتمل استاذ الشعراء جناب حشر سہسرامی کا ایک قطعۂ تاریخ دستیاب ہوا جس سے آپ کے تعلق سے کچھ معلومات فراہم ہوتی ہیں:۔ وہ قطعہ یہ ہے:۔

شہ ملیح الدین احمد پاکباز ؛ صاحب سجادہ، فخر سہسرام
خوش جمال و خوش خصال و خوش مزاج ؛ نیک صورت، نیک سیرت، نیک نام
یاد ہے اف پیر کا دن، دردناک ؛ بست‌ودوم ماہ محرم، وقت شام
عالم فانی کو کہہ کر الوداع ؛ چل بسا جنت کو وہ عالی مقام

حشر یہ ہے مصرع سال وفات
ربّنا ادخلہٗ فی دار السّلام (۱۳۵۰ھ)

(۴) حضرت مولانا ابو صالح محمد ظہیر الدین احمد فریدی علیہ الرحمہ۔

آپ ایک پرجوش داعیٔ حق اور دین و سنیت کے جواں حوصلہ مبلغ تھے۔ اچھی تنظیمی صلاحیتوں کے بھی مالک تھے۔ مدرسہ خانقاہ کبیریہ کے مدرس دوم اور تنظیمی امور کے انچارج بھی تھے۔ جس سے آپ کی اعلیٰ علمی، تدریسی اور تنظیمی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی بنا پر آپ کو آل بہار بزم حنفی کا صدر بھی نامزد کیا گیا۔ سنیت کی تبلیغ و حمایت اور باطل کی سرکوبی، معاشرے کی اصلاح اور وعظ و تذکیر آپ کی زندگی کے اہم مشاغل تھے۔ وہابیہ، دیابنہ سے متعدد مناظرے

[۱] صحیح البہاری جلد اول۔ مقدمہ ص ۸

بھی فرمائے ـــ آپ کے تبلیغی دورے کے تعلق سے ماہنامہ سنی لکھنؤ لکھتا ہے

مورخہ ٦/ فروری ١٩٦٠ء سے ٢٤/ فروری تک جھریا کول فلڈ، کتراہی، گوبند پور، گریڈیہہ، شالیمار، بخت پور، اکڑا، سنٹرل کرکینڈ میں حضرت مولانا شاہ ابوصالح ظہیر الدین احمد فریدی، صدر آل بہار بزم حنفی نے ایک تبلیغی دورہ فرمایا۔ ان اجلاس میں حضرت مولانا احتشام الدین صاحب فریدی، مولانا شبیر احمد اشرفی، جناب عابد عزیزی صاحب اور جناب آصف ظہیری صاحب نے ردِ وہابیت اور تبلیغ سنیت فرمائی ؎۲

آپ کے ایک مناظرے کی رپورٹ بھی ماہنامہ سنی لکھنوی شعبان ١٣٧٨ھ مطابق مارچ ١٩٥٩ء کے شمارے میں شائع ہوئی ـــ یہ اقتباس آپ کے علمی استحضار، اعلیٰ قابلیت، اور ذہنی جودت کا بہترین عکاس ہے کہ بغیر کسی سابقہ تیاری کے ان مخالفین سے برجستہ مناظرہ فرمایا جو پورے کیل کانٹوں سے لیس ہو کر میدان مقابلہ میں اترے تھے ـــ ماہنامہ سنی لکھتا ہے

٢٥/ دسمبر ١٩٥٨ء کو موضع جنگل پور میں ایک عظیم الشان جلسۂ سیرت منعقد ہوا جس میں سنی علماء مولانا احتشام الدین صاحب فریدی اور مولانا ابوصالح محمد ظہیر الدین صاحب سہسرامی کے علاوہ کچھ وہابی مولویوں کو بھی بغرض مناظرہ وہابیوں نے مدعو کر لیا۔ مقررہ وقت پر دونوں فریق پہنچ گئے ـــ وہابیہ کی جانب سے مولوی محی الدین، مولوی عبد الرزاق، مولوی عبد المجید وغیرہ کتابوں کا پلندہ باندھ کر جلسہ گاہ میں پہونچے اور سنی علماء کو مناظرے کا چیلنج دیا۔ سنی علماء نے جواب دیا کہ ہم لوگ اگرچہ مناظرہ کے لئے مدعو نہیں کئے گئے ہیں پھر بھی آپ سوال کریں ہم جواب دیں گے۔ وہابی ملاؤں نے سوالات شروع کر دیئے اور سنی علماء نے قرآن و احادیث سے میلاد و قیام

؎۱

؎۲ ماہنامہ سنی لکھنؤ اپریل ١٩٦٠ء ص ٨

فاتحہ واستمداد اولیاء وغیرہ کا ثبوت دینا شروع کیا۔ وہابی مولوی عدم جواز پر کوئی ثبوت نہ پیش کر سکے۔ بعد میں پبلک نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ علماء اہل سنت ہی حق پر ہیں۔ صلوٰۃ وسلام پر جلسہ کا اختتام ہوا [۱]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کے رسالۂ مبارکہ الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیعاشرۃ جو ایک استفتاء کا جواب ہے۔ اس پر آپ کے تصدیقی کلمات موجود ہیں۔ جس سے آپ کے امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ساتھ علمی اور دینی رشتہ کا پتہ چلتا ہے — آپ کے تصدیقی کلمات یہ ہیں۔

الجواب صحیح ابو صالح ظہیر الدین احمد فریدی مورخہ ۷ / فروری ۱۹۱۷ء روز چہار شنبہ — (انچارج مدرس دوم مدرسہ عالیہ)

آپ کے صاحبزادے منہاج الدین صاحب کچھ دنوں قبل بقید حیات تھے جس سے آپ کے متعلق بہت کچھ معلومات مہیا ہو سکتی تھیں۔ لیکن اس سال ربیع الاوّل شریف کے مہینہ میں آپ کے انتقال سے رہی سہی امید بھی جاتی رہی — مذکورہ بالا رسالہ مبارکہ کا تعارف آئندہ سطور میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۵) حضرت مولانا سید شاہ غلام مخدوم مست سہسرامی علیہ الرحمۃ:

تذکرۂ مسلم شعرائے بہار کے مرتب، آپ کے بارے میں جو تعارف پیش کرتے ہیں، سردست اس سے زیادہ اور کسی قسم کی معلومات فراہم نہ ہو سکیں اس لئے انہی تعارفی الفاظ پر اکتفا کی جاتی ہے — وہ لکھتے ہیں:—

> سید شاہ غلام مخدوم نام، مستؔ تخلص تھا، قصبہ سہسرام ضلع شاہ آباد آرہ محلہ کرن سرائے مسکن تھا۔ والد ماجد سید شاہ عبدالرحیم اس قصبہ کے مشہور رئیس تھے۔ جناب مستؔ نے علوم ظاہری کی تکمیل جناب مولانا

---

[۱] ماہنامہ سنی لکھنؤ مارچ ۱۹۵۹ء ص ۲۴

شوکت علی خاں مرحوم سے کی اور باطنی تعلیم اپنے جدامجد شاہ محمد عبد الکریم سے پائی۔ ابتداء میں صوفی تخلص کرتے تھے مگر جب آپ نے ایک دفعہ چائے نامہ لکھا اور جناب مولانا احمد رضا مغفور کے پاس بھیجا جسے مولانا ممدوح نے بہت پسند کیا اور آپ کو سنت کا خطاب دیا تو پھر آپ نے سنت تخلص اختیار کیا۔ آپ اپنے معاصرین شعراء میں امتیاز و عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ۲۹ مئی ۱۹۵۵ء کو انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے:

یہ کس خورشید رو کی رونمائی کو نکلتا ہے
کہ سورج روز مرّہ نور کے سانچے میں ڈھلتا ہے
زمیں کیا آسماں پر بھی حسیں رکھتے نہیں پاؤں
غرورِ حسن سے اوپر ہی اوپر ماہ چلتا ہے [1]

اب وہ زعفران زار نظم چائے نامہ بھی ملاحظہ کرتے چلیں جو مولانا سید نور محمد قادری علیہ الرحمہ کی عنایت سے محفوظ ہو گئی جسے انہوں نے ماہنامہ الرضا بریلی جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ ص ۷۔ ۸ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور جناب خواجہ انجم نظامی صاحب نے اپنی تالیف "امام احمد رضا دانشوروں کی نظر میں" کے آخری صفحات میں اسے نقل کر دیا۔

یہ نظم امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے شاعرانہ مذاق کو اس قدر بھا گئی کہ اس کے شاعر کو سنت کا خطاب عطا فرمایا۔ اور شاعر کو یہ خطاب اتنا پسند آیا کہ اسے اپنے اشعار کی شناخت بنا لیا۔ اس سے دونوں حضرات کے باہمی خلوص و محبت اور اپنائیت کے انداز معلوم ہوتے ہیں۔ لیجئے آپ بھی اس نظم کی دلچسپیوں سے محظوظ ہوئیے۔

:- اعلیٰ حضرت کی پسندیدہ نظم چائے نامہ :-

منظور جو ابتدا ہے خامہ ∴ لکھ دو رقم سے چائے نامہ

---

[1] تذکرہ مسلم شعرائے بہار جلد چہارم - ص ۱۵۲

صوفی ہوں تو لطف اور بھی ہو ⁘ چائے کا چمن میں دور بھی ہو
کہلاتی ہے یہ شراب صوفی ⁘ پیتے ہیں اسے جناب صوفی
دیکھو متر شدین آئے ⁘ پینے کے لئے چمن میں چائے
حکمت کی نگاہ سے جو دیکھیں ⁘ خلطوں کی طرح ہیں چار چیزیں
عنصر کی طرح ہیں چار اجزاء ⁘ انسان کی طرح ہیں چار اجزاء
کیلوس کی طرح پک رہی ہے ⁘ کیموں صفت مہک رہی ہے
شیرینی و شیر، چائے پانی ⁘ چاروں ہیں نشاط زندگانی
پانی سے ہے اس میں جان آتی ⁘ ہے آگ سے یہ فروغ پاتی
خالق نے کیا ہے خاک سے پاک ⁘ ہوتی ہے ہوا سے چست و چالاک
پاکیزہ لطف نور ہے یہ ⁘ انساں نہیں تو حور ہے یہ
سونے کا ہے رنگ صاف ظاہر ⁘ اکسیر ہے صوفیوں کی خاطر
دل میں ہے عجب سرور دیکھو ⁘ آنکھوں میں بھرا ہے نور دیکھو
لذت میں ہے انگبین چائے ⁘ کہلاتی ہے یہ رنگین چائے
کیا نور جہاں ہے چائے کشمیر ⁘ مشہور جہاں ہے چائے کشمیر
لپٹن کی ہیں پتیاں انوکھی ⁘ حوروں کی ادا پری کی شوخی
لپٹن کی چائے کی ہے کیا بات ⁘ سب کی ہے غرض جدا جدا بات
کوئی ہے پری تو حور کوئی ⁘ نزدیک ہے کوئی دور کوئی
جب یاد پڑی جمائی آئی ⁘ انگرائی پہ انگرائی آئی ...
کس درجہ ہے ان کا حسن نمکین ⁘ شیرینی ہے اس کی جان شیریں
ہے چاشنی نبات و شیر آج ⁘ لب چاٹتے ہیں جوان و پیر آج
سرخی تو کمال کر رہی ہے ⁘ تیزی بھی حلال کر رہی ہے
ہے آب بقا سفیدیٔ شیر ⁘ ہو جائے جواں اگر چکھے پیر

جاڑے کا اگرچہ ہے مہینہ ∴ حدّت سے بدن میں ہے پسینہ
کھل جاتے ہیں جسم کے مسامات ∴ ہو جاتے ہیں پاک بد بخارات
جمشید کو اس کی بو جو لگ جائے ∴ واللہ شراب سے قسم کھائے
چائے نوش بنے ہیں آج دولہا ∴ مرمر کی گھڑی جو نکتی ہے چولہا
وہ شوخ ہے رنگ زعفرانی ∴ پھیکی ہے شراب ارغوانی
جی چاہتا ہے دام لیجئے ∴ پیسہ جو نہ ہو ادھار لیجئے
دل میں ہے ہوس کہ یار جانی ∴ آنکھوں سے کریں مگس رانی
رکھے ہوئے طشت ہیں بلوری ∴ مجلس میں سماں ہے چھائی نوری
یاد رہے بلور کی پیالی ∴ ساغر میں ہے نور کے وہ ڈھالی
پوشیدہ ہے اس میں دور کا بھید ∴ ہے جام جہاں نمائے جمشید . .
منقوش دھری ہے چائے دانی ∴ کیسی ہے بہار جاودانی
پھولوں میں ہے چار دن کو جوبن ∴ اس کا ہے ہمیشہ رنگ و روغن
سن سن کے سماں دلوں کی آہٹ ∴ ہوتی ہے بدن میں سنسناہٹ
کوئلہ جسے دیگداں میں ڈالا ∴ کالے کا نصیب ہے اُجالا
شعلے کی طرح دہک رہے ہیں ∴ پھولوں کی صفت مہک رہے ہیں
ڈالے ہیں جگر میں اس نے چھالے ∴ دو گھونٹ پلا دے چائے والے
کی مست پہ تم نے کیا کرامات ∴ مضمون نیا ہے اور نئی بات
یہ لال پری ہے رکھ کے دیکھو ∴ باور جو نہ ہو چکھ کے دیکھو

مجبور ہوں میں زبان قاصر
خود دیکھ لیں اس کو پی کے ناظر [1]

---

[1] امام احمد رضا دانشوروں کی نظر میں۔ مطبوعہ پاکستان ص ۱۶۲۔۱۶۳

(۶) حضرت مولانا فرخند علی سہسرامی
(۷) حضرت مولانا ابوالحسن سہسرامی
(۸) حضرت مولانا فہیم الدین سہسرامی
(۹) حضرت مولانا حکیم محمد یحییٰ سہسرامی۔ علیہم الرحمۃ والرضوان

ان حضرات کے حالات زندگی دستیاب نہ ہوسکے۔ بس اتنا پتہ ہے کہ حضرت ملک العلماء کے زمانۂ صدارت میں مدرسہ خانقاہ کبیریہ کے منصب تدریس پر یہ حضرات فائز تھے ــــ اس کا علم اعلیٰ حضرت کے رسالہ الدلائل القاہرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ، پر ان حضرات کے تصدیقی کلمات سے ہوتا ہے۔ اور مدرسہ خیریہ کی ۱۳۳۲ھ کی روداد میں بھی بحیثیت ممتحن ان حضرات کے اسمارگرامی ملتے ہیں ــــ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ مولانا فرخند علی وہ نہیں جو مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام کے بانی اور مولانا عبدالکافی صاحب کے قابل افتخار تلامذہ سے ہیں کیونکہ انہوں نے کبھی بھی مدرسہ خانقاہ کبیریہ میں تدریسی فرائض انجام نہیں دیئے ــــ یہ کوئی اور ہیں جن کے حالات دستیاب نہیں ــــ اور مولانا سید ابوالحسن صاحب کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہوسکا آپ کی ولادت ۱۸۶۱ء اور وفات ۱۹۳۵ء میں جو بالکل قریب قریب اعلیٰ حضرت کا زمانہ ہے۔ آپ خوش فکر شاعر اور جید عالم تھے۔ اور بیدل اور خوشدل تخلص کرتے تھے آپ کے کئی تاریخی قطعات میری نگاہ سے گذرے ہیں۔ ان کا ایک فارسی قطعہ تاریخ یہ ہے

۱۔	مولوی شیر میر خان صاحب	⁂	آنکہ آمد ز صاحبان عقول
۲۔	بالیقیں از صفائے خاطر اوٗ	⁂	ایں کتاب لطیف شد مقبول
۳۔	سال تالیف خامۂ بے دل	⁂	زد رقم تحفۂ بہ "نعت رسول" } ۱۳۱۶ھ
۴۔	دیگر از انکشاف پر تو نور	⁂	باز گفتیم گفت "نعت رسول" }
۵۔	نیز از بہر سال آں گردید	⁂	شوق افزائے مخلصان منقول۔ ۱۳۱۶ھ

یہ قطعہ تاریخ ایک کتاب مسمّٰی بہ مولود مبارک منظوم پر ہے جو مولانا محمد شیر میر خاں قادری بن حیات میر خاں بے تاب سہسرامی کی تالیف ہے۔ یہ محلہ جھبل خاں کی کے رہنے والے تھے ــــ

دوسرا قطعہ تاریخ جس میں انہوں نے خوشدل تخلص فرمایا ہے۔ یہ ہے :-

شیخ عشرت علی پاک سرشت ✧ حیف در مرقد منور خفت
پیشکار عدالت او بودہ ست ✧ اہل تقویٰ باشکار و نہفت
تاجہانے ز مرگ او نالید ✧ عالمے رادل از غمش آشفت
سال ہجرت کہ خواستم خوشدل ✧ روح پاکش "ھوالغفور" بگفت ۱۳۲۸ھ

یہ قطعہ جناب عشرت علی (ولادت ۱۸۴۶ء ـــــ وفات ۱۳۲۸ھ) کے بارے میں ہے۔ جن کا عرفی نام میاں جان تھا۔

حضرت مولانا ابوالحسن خوشدل سہسرامی علیہ الرحمہ کی وفات ۱۳۵۴ھ میں ہوئی ان کے سانحۂ ارتحال پر استاذ الشعراء جناب حشر سہسرامی نے قطعہ تاریخ کہا جس سے آپ کے بارے میں کچھ باتیں معلوم ہوتی ہیں :-

میرے مخدوم ومکرم بوالحسن معجز بیاں ✧ تھی دلیل نکتہ سنجی آپ کی ہر بات آپ
دین ودنیا کی وجاہت حق نے دی تھی ہر طرح ✧ مختصر یہ ہے بہر صورت تھے خوش اوقات آپ
بدھ کے دن گیارہ بجے بستم جمادی الاولیں ✧ جانب خلد بریں رخصت ہوئے ہیہات آپ
اس سے بڑھ کر جنتی ہونے کا کیا ہوگا ثبوت ✧ منہمک رہتے تھے حق کی یاد میں دن رات آپ

حشر دوہرا سال لکھ دو رحلت مرحوم کا
(۱۹۳۵ء) چل بسے انیس سو پینتیس میں ہیہات آپ (۱۳۵۴ھ)

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ مبارکہ "الدلائل القاہرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ" کے کچھ مندرجات بھی نذر قارئین کر دیئے جن میں ان حضرات کے تصدیقی کلمات موجود ہیں تاکہ قلبی رفاقت اور فکری اتحاد کی دینی نوعیت بھی نمایاں ہو جائے۔

ہوا یہ کہ گونڈل کاٹھیاواڑ، راجستھان میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اراکین ومتعلقین کے زیر اہتمام کاٹھیاواڑ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقد ہوئی جس کے منشور میں یہ بھی شامل تھا کہ سنی مسلمان کے ساتھ ساتھ ہر کلمہ گو، بدمذہب، رافضی، نیچری، قادیانی، چکڑالوی وغیرہم بھی اس

کی ممبرشپ اختیار کر سکتا ہے ۔ تو ایسی تنظیم کی رکنیت، اس کی مالی اعانت، اس کے اجلاس میں شرکت اور ایسے بد مذہبوں کے ساتھ باہمی معاملت، مسلمانوں کے لئے کتاب وسنت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ ۔۔۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے کتاب وسنت کی تائیدات پر مشتمل نہایت ہی ہمدردانہ اور ایمان افروز جواب تحریر فرمایا۔۔۔ جس پر بہار، بنگال، ایم پی، حیدرآباد، کانپور، سیتاپور، احمدآباد، آگرہ، کاٹھیاواڑ، سورت، ملتان، مرادآباد، پہلی بھیت، شاہجہانپور، رامپور، میرٹھ، پنجاب ۔۔۔ غرض متحدہ ہندوپاک کے انیاسی۹ اکابرین اسلام کی تائیدات اور تصدیقی کلمات موجود ہیں ۔۔۔ یہ رسالہ حال ہی میں رضا اکیڈمی اور ادارۂ افکار حق بائسی پورنیہ، نے خوبصورت انداز میں "صلح کلیت اور دین حنیف" کے نام سے شائع کیا ہے ۔۔۔ اس کے کچھ اہم اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ۔۔۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ آیات کریمہ اور احادیث طیبہ سے اس امر کی حرمت وممانعت ثابت کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

> مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ ورسول سے زیادہ کوئی ہماری بھلائی چاہنے والا نہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس بات کی طرف بلائیں یقیناً ہمارے دونوں جہان کا اس میں بھلا ہے اور جس بات سے منع فرمائیں بلاشبہ سراسر ضرور بلا ہے۔ مسلمان صورت میں ظاہر ہو کر جو ان کے حکم خلاف کی طرف بلائے یقین جان لو کہ یہ ڈاکو ہے۔ اس کی تاویلوں پر ہرگز کان نہ رکھو۔ رہزن جو جماعت سے باہر نکال کر کسی کو لے جانا چاہتا ہے ضرور چکنی چکنی باتیں کرے گا اور جب یہ دھوکے میں آیا اور ساتھ ہو لیا تو گردن مارے گا مال لوٹے گا شامت اس بکری کی کہ اپنے راعی کا ارشاد نہ سنے اور بھیڑیا جو کسی بھیڑ کی اون پہن کر آیا اس کے ساتھ ہولے ۔۔۔ ارے! مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہیں منع فرماتے ہیں۔ وہ تمہاری جان سے بڑھ کر تمہارے خیر خواہ ہیں حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ تمہارا مشقت میں پڑنا ان کے قلب اقدس پر گراں ہے عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ ۔ واللہ وہ تم پر اس سے زیادہ مہربان ہیں جیسے نہایت

چھپتی ماں اکلوتے بیٹے پر بالمومنین رؤف رحیم۔ ارے! ان کی سنو، ان کا دامن تھام لو، ان کے قدموں سے لپٹ جاؤ۔ وہ فرماتے ہیں ایّاکُمْ وَ اِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ ـــ ان سے دور رہو اور ان کو اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں، کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں ـــ ابن حبان، وطبرانی، وعقیلی کی حدیث میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لاتواکلوھم ولاتشاربوھم ولاتجالسوھم ولاتناکحوھم و اذامرضوا فلاتعودوھم واذاماتوا فلاتشھدوھم ولاتصلوا علیھم ولا تصلوا معھم۔ ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے پاس نہ بیٹھو، ان سے رشتہ نہ کرو، وہ بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ، مر جائیں تو جنازہ پر نہ جاؤ نہ ان کی نماز پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

امیرالمومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد اقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز مغرب کے بعد کسی مسافر کو بھوکا پایا اپنے کاشانۂ خلافت میں لے آئے، اس کے لئے کھانا منگایا جب وہ کھانے بیٹھا کوئی بات بد مذہبی کی اس سے ظاہر ہوئی فوراً حکم ہوا کہ کھانا اٹھالیا جائے اور اسے نکال دیا جائے۔ سامنے سے کھانا اٹھوالیا اور اسے نکلوا دیا ـــ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی نے آکر عرض کی فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے فرمایا لاتقرأہ منی السلام فانی سمعت أنہ أحدث۔ میری طرف سے اسے سلام نہ کہنا کہ میں نے سنا ہے کہ اس نے کچھ بد مذہبی نکالی ـــ سیدنا سعید بن جبیر شاگرد عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو راستہ میں ایک بد مذہب ملا۔ کہا کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ـــ فرمایا میں سننا نہیں چاہتا ـــ عرض کی ایک کلمہ۔ اپنا انگوٹھا چھنگلیا کے سرے پر رکھ کر فرمایا ولانصف کلمۃ۔ آدھا لفظ بھی نہیں۔ لوگوں نے عرض کی،

اس کا کیا سبب ہے ؟ فرمایا از یشان منہم ہے ــــ امام محمد بن سیرین شاگرد انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دو بد مذہب آئے۔ عرض کی کچھ احادیث نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنائیں۔ فرمایا میں سننا نہیں چاہتا۔ انہوں نے اصرار کیا فرمایا۔ یا تو تم دونوں اٹھ جاؤ یا میں اٹھ جاتا ہوں۔ آخر وہ خائب و خاسر چلے گئے۔ لوگوں نے عرض کی۔ اے امام! آپ کا کیا حرج تھا اگر وہ کچھ آیتیں یا حدیثیں سناتے ؟ ــ فرمایا۔ میں نے خوف کیا کہ وہ آیات و احادیث کے ساتھ اپنی کچھ تاویل لگائے اور وہ میرے دل میں رہ جائے تو ہلاک ہو جاؤں۔

ائمہ کو یہ خوف تھا اور اب عوام کو جرأت ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ ــــ [1]

(۷)

اہل سہسرام کے سیدنا امام احمد رضا قادری قدس سرہ سے تعلقات کیسے تھے ؟ آپ نے دیکھا ــ استفادہ کرنے والوں سے لے کر علم و فن کی بساط بچھانے والوں تک ــ ایک لمبی قطار نظر آتی ہے، آپ سے فکری وابستگی رکھنے والے حضرات کی ــ جن میں اپنے عہد کی عبقری شخصیتیں بھی شامل ہیں ــــ جو اہل سنت کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں ــــ لیکن یہ سب تفصیلات امام احمد رضا قدس سرہ کے عہد حیات اور ماحول کی یادگاریں ہیں۔ کیا آپ کے بعد تعارف اور وابستگی کا یہ سلسلہ جاری رہا ؟ ــ آئیے اس پر بھی ایک نگاہ ڈالتے چلیں۔

تحریک خلافت، تحریک ترک موالات اور کوائٹ انڈیا جیسی تحریکوں کے بعد سہسرام کی دینی اور علمی فضا جن حضرات کے سوز نفس سے گرم رہی ــ وہ یہ تھے ــ

۱۔ حضرت مولانا سید وصی احمد سہسرامی قدس سرہٗ متوفی

۲۔ حضرت مولانا محمد صدیق صادق سہسرامی علیہ الرحمہ متوفی ۱۹۷۶ء

---

[1] صلح کلیت اور دین حنیف (ص ۴ تا ۶)

۳۔ حضرت مولانا محمد میاں کامل سہسرامی علیہ الرحمہ متوفی ۱۹۷۹ء

۴۔ حضرت علامہ ضیاء الحسن ضیاءؔ سہسرامی قدس سرہٗ متوفی ۱۹۸۱ء

ان میں سے ہر ایک علم و فن کے پیکرِ جمیل اور صفائے باطن و ظاہر کے شفاف آئینہ تھے ——

یہ سبھی حضرات فکری طور سے امام احمد رضا قدس سرہٗ سے مانوس تھے —— حضرت مولانا سید وصی احمد سہسرامی علیہ الرحمہ جامعہ نعیمیہ کے شیخ الحدیث اور حضور حافظ ملت قدس سرہٗ کے استاذِ گرامی ہیں ۔ اخیر عمر میں بھی حاضر العلم تھے ۔ آپ کی قوت علمی، دینی تصلب، سنیت سے حد درجہ شیفتگی اور بد مذہبوں سے نفرت کے آثار دیکھنے والے آج بھی موجود ہیں —— اخیر عمر میں آپ شاہی جامع مسجد سہسرام کے امام بھی تھے اور ہر سال تراویح میں ختم قرآن فرماتے، بہت عمدہ حافظ اور حکیم تھے —— آپ کے زمانۂ امامت میں جمعہ کی اذان ثانی مسجد سے باہر ہوا کرتی تھی —— مولانا صدیق صاحب علیہ الرحمہ کا ایک فتویٰ "مجرم کون ہے" میں ملتا ہے جو علامہ مشتاق نظامی علیہ الرحمہ کی رد وہابیہ و دیابنہ میں ایک مختصر تالیف ہے ۔ اور بڑے حضرت علامہ ضیاء الحسن ضیاء سہسرامی علیہ الرحمہ جو ایک خدا رسیدہ بزرگ، جید فقیہ و محدث اور حضرت علامہ عبد الکافی صاحب الہ آبادی علیہ الرحمہ کے شاگرد و مرید تھے اور

برصغیر ہندو پاک میں امام احمد رضا کے نعتیہ دیوان "حدائقِ بخشش" کو جو شہرت و قبولیت حاصل ہے دوسرے کسی شاعر کے نعتیہ کلام کو نہیں۔ اس میں کسی طرح کا مبالغہ بھی نہیں نہ اس سے کسی شخصیت یا کسی ذات کو نیچا دکھانا مقصود ہے ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک جن لوگوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں نعتیں لکھی ہیں ایمان و عقیدے کی صحت و سلامتی کے ساتھ سب کے سب قابلِ احترام ہیں۔ لیکن جو حقیقت ہوتی ہے وہ زبان سے خود بخود نکل جاتی ہے۔ اس میں عقیدت اور کسی خارجی دباؤ کا بہت کم اثر ہوتا ہے۔ بلکہ ہماری نگاہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو وظیفہ کے طور پر امام احمد رضا کا نعتیہ کلام پڑھتے ہیں۔ اور اپنے بچوں کو پڑھنے کی تلقین بھی کرتے ہیں نعت پاک کا پڑھنا لکھنا، سننا سب عبادت ہے۔ حدیث پاک ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ا للہ یعطی وانا قاسم نعمت اللہ عطا فرماتا ہے اور میں بانٹتا ہوں ۔

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیئے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی!

امام احمد رضا کا نعتیہ کلام پڑھیئے تو بھی سنئے تو بھی فوراً دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ کلام کا ہر حرف عشق کی دولت لئے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عشاق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے گنگناتے رہتے ہیں آپ کے کلام کی قبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ شعراء نے جتنی تظمینیں آپ کے کلام پر کی ہیں اور کر رہے ہیں اس کی کوئی مثال نہیں پیش کی جا سکتی۔

امام احمد رضا کا لکھا ہوا سلام "مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" پوری دنیا میں مساجد و مدارس اور محافل میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے

اس کا اقرار اپنے دبے گانے سب کو ہے۔ مولانا مودودی صاحب کے دست راست مولانا کوثر نیازی جنکا قد علمی دنیا میں بہت بڑا ہے بمبئی میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :

" امام احمد رضا کا لکھا ہوا سلام " مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام " عجم کا قصیدہ بردہ ہے "۔

مصطفےٰ جانِ رحمت پر بھی شعراء نے کثرت سے تضمینیں کی ہیں۔ لیکن یہاں جو تضمین پیش کی جا رہی ہے اسے یہ شرف حاصل ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر مواجہہ شریف کے سامنے بیٹھ کر لکھی گئی ہے اس لئے اس کی اہمیت عشاقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بتا سکتے ہیں۔

محترم نوشاد عالم چشتی صاحب پور بندر گجرات کے اپنے ایک تبلیغی سفر سے واپسی پر بمبئی ہم سے ملنے کی غرض سے تشریف لائے۔ "پیغام رضا" کے امام احمد رضا نمبر کی ترتیب مکمل ہو چکی تھی ہم نے مسودہ ان کے سامنے رکھا کہ اسے دیکھ لیں اگر کوئی کمی ہو تو اس کی نشاندہی کر دیں انہوں نے مسودہ الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہا کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہونے کے باوجود ایک کمی رہ گئی ہے، ہم نے تعجب سے پوچھا کہ آخر وہ کمی کیا ہے ؟ تو نوشاد صاحب گویا ہوئے کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کا لکھا ہوا سلام، مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام پر تضمینیں شعراء نے بہت زیادہ لکھی ہیں لیکن میرے پاس ایک ایسی تضمین ہے جو درِ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر لکھی گئی ہے۔ اس لئے تم (رحمت اللہ صدیقی) اسے جیسے بھی ہو اس میں شامل کر لو! اپنی سعادت جان کر ہم اس کی شمولیت پر تیار ہو گئے، یہ تضمین کیسے تیار ہوئی اس کی کچھ کیفیت خود شاعر کی زبان سے سنئے حضرت علامہ قاضی عبدالدائم صاحب لکھتے ہیں :

"ہفتے کی صبح نمازِ فجر کے بعد حسبِ معمول آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کی جانب بیٹھا تھا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوع بنوع عظمتوں کا تصور کر کے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ پاؤں کی طرف بیٹھا ہونے کی وجہ سے آپ کے پائے مبارک کے اعزاز و اکرام کی جانب خیال چلا گیا اور بے ساختہ زبان پر سورۃ البلد کی وہ مبارک آئتیں رواں ہو گئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کی قسم کھائی ہے۔ مگر ساتھ ہی وضاحت فرمائی ہے کہ اس شہر کی قسم اس بنا پر نہیں کھا رہا ہوں کہ اس میں حرم ہے آبِ زمزم ہے صفا ہے مروہ ہے قسم کھانے کی یہ وجہ بھی نہیں ہے کہ یہاں میرا وہ عظیم الشان گھر ہے جس کے گرد دیوانہ وار گھومنے کے لئے عشاق اقصائے عالم سے کھنچے چلے آتے ہیں بلکہ قسم کھانے کا سبب صرف اور صرف یہ ہے کہ اس شہر میں میرا محبوب قیام پذیر ہے۔ لَا اُقسِمُ بِھٰذَا البَلَدِ وَاَنتَ حِلٌّ بِھٰذَا البَلَدِ انہیں آیات کی جانب تلمیح کرتے ہوئے اعلیٰحضرت بریلوی نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے کی حرمت و عظمت پر یوں سلام پیش کیا ہے ؎

کھائی قرآں نے خاکِ گذر کی قسم!
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

اپنے پورے پس منظر کے ساتھ یہ خوبصورت شعر جونہی ذہن میں آیا اس کا مفہوم واضح کرنے کے لئے پر دہ خیال پر چند مزید مصرع بھی جھلملانے لگے اور تھوڑی دیر میں تضمین کا درج ذیل بند تیار ہو گیا ؎

انت حل بھذا البلد پڑھ کے ہم — دیکھتے رہ گئے شانِ بیدِ حرم
پائے نازان کا ہے اس قدر محترم — کھائی قرآں نے خاکِ گذر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

یہ نہ پوچھئے کہ ان کے پائے کے پاس بیٹھے بیٹھے اس بند کے دل پر وارد ہونے سے روحِ مشتاق کو کیسا حظ اور سرور حاصل ہوا۔ یہ بند کیا تیار ہوا کہ مجھے ایک روح پرور مشغلہ ہاتھ آگیا اور روزانہ ایک بند صبح کو اور ایک بند شام کو بارگاہِ اقدس میں پیش کرنے لگا۔ مدینہ منورہ میں میرے پاس سلامِ رضا تھا نہ اس پر لکھی گئی بے شمار تضمینوں میں سے کوئی تضمین تاہم سلام کے چند اشعار یاد تھے وہی کافی ثابت ہوئے۔ اور اس طرح تضمین کے متعدد بند تیار ہو گئے۔" (جامِ عرفان شمارہ ۸/۹)

اب تضمین کو پڑھئے اور روح بے قرار کے قرار کا سامان پیدا کیجئے یقیناً تضمین کا ہر بند عشق و محبت کا پیمانہ لئے ہوئے ہے۔

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا!
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی (اعلیٰحضرت)

رحمت اللہ صدیقی۔

رحمتوں کا سبب، کن کی کنجی کہیں ✤ ترجمانِ غضب، کن کی کنجی کہیں
مظہرِ نطقِ رب، کن کی کنجی کہیں ✤ وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

ہیں مقدس اُحد کی وہ سب گھاٹیاں ✤ جن میں عشاق نے دے کے قربانیاں
مصطفیٰ سے نبھائیں وفاداریاں ✤ ان کے آگے وہ حمزہ کی جاں بازیاں
شیرِ غرّانِ سطوت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شاہ کے ہم سفر جو صحابہ رہیں ✤ تشنہ کامی کے دکھ وہ بھلا کیوں سہیں
پانی بالکل نہیں آقا! جب بھی کہیں ✤ نور کے چشمے لہرائیں، دریا بہیں
انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

سن! ارے مبتلائے وبال و زوال ✤ ختم ہونے کو ہے دورِ حزن و ملال
شادمانی کے آئیں گے اب ماہ و سال ✤ عیدِ مشکل کشائی کے چمکے ہلال
ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

کھاتے دن بھر میں آقا ذرا سی غذا ✤ وہ بھی سادہ عرب کی عوامی غذا
کیسی شاہی میں کیسی فقیری غذا ✤ کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

حسنِ رخسارِ احمد کوئی کیا بتائے ✤ کس کو یارا ہے بھر کے نظر دیکھ پائے
جن کی تابش سے سورج خجل منہ چھپائے ✤ جن کے آگے چراغِ قمر جھلملائے

گلبانگِ مدینہ

حضرت علامہ قاضی عبدالدائم، دائمؔ، سجادہ نشین خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ ہری پور ہزارہ

اَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ پڑھ کے ہم — دیکھتے رہ گئے شانِ میرِ حرم
پائے نازان کا ہے اس قدر محترم ❖ کھائی قرآں نے خاکِ گذر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام
مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

دستِ داتا نے کیسا غنی کر دیا — بھر دیا کاسہ میرا، غنی کر دیا
دونوں عالم سے منگتا غنی کر دیا ❖ ہاتھ جس سمت اٹھا، غنی کر دیا
موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام
مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

سرخ و شاداب وہ رس بھری پتیاں — نرم و نازک حسیں، ریشمی پتیاں،
تازہ جیسے کھلی ہوں ابھی پتیاں ❖ پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

دیکھ کر جس کو پروانے آنے لگے — بن کے دیوانے پھیرے لگانے لگے
جسم و جاں اس کی ضو پر لٹانے لگے ❖ جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام
مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام
مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

بے قدم دوڑے آئیں شجر اور حجر، جب بلائیں انہیں مالکِ خشک و تر
چاند سورج بھی محکوم وزیرِ اثر ✤ صاحبِ رجعتِ شمس و شقِ القمر
نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

جسمِ بیمار بے حس میں دم آگیا چشمِ بے جان و بے نم میں دم آگیا
دم نکلنے کے عالم میں دم آگیا ✤ جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

دلکش و دلربا، گیسوئے مشک سا خم بہ خم، خوش نما گیسوئے مشک سا
جس سے مہکی فضا، گیسوئے مشک سا ✤ وہ کرم کی گھٹا، گیسوئے مشک سا
لکۂ ابرِ رحمت پہ لاکھوں سلام
مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

سلطنت میں ہیں داخل سبھی عالمیں اور رعیت میں کل اوّلیں آخریں
ہے اسی کے تصرّف میں خلدِ بریں ✤ عرش تا فرش ہے جس کے زیرِ نگیں
اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام
مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

چشمِ تاباں کے حسن و ضیا پر درود ہلکی سی سرخی خوشنما پر درود
اٹھنے جھکنے کی ہر اک ادا پر درود ✤ نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام
مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

اللہ اللہ! یہ سمعِ ہمایوں کی شان المدد یا نبی! جب کہے خستہ جان
پہنچیں امداد کو دستگیرِ جہان ✽ دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام
مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

دانت ایسے کہ ٹکڑے لگیں نور کے جن کی تابش سے تارے کھلیں نور کے
عکس دیوار و در پر پڑیں نور کے ✽ جن کے گچھے سے لچھے جھڑیں نور کے
ان ستاروں کی نزہت پہ لاکھوں سلام
مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

جان سے ہاتھ دھوتے ہوئے ہنس پڑیں چور زخموں سے ہوتے ہوئے ہنس پڑیں
غم کی مالا پروتے ہوئے ہنس پڑیں ✽ جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

یورشِ غم ہو کیسی ہی پروا نہیں مشکلیں آئیں جتنی بھی پروا نہیں
ہو وہ بازو اگر حامی، پروا نہیں ✽ جس کو بارِ دو عالم کی پروا نہیں
ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

کب بھلا یارو! محرابِ کعبہ جھکی ہاں وہ آئے تو محرابِ کعبہ جھکی
بولے سب اے لو! محرابِ کعبہ جھکی ✽ جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شہرِ مکہ سے جب ابھرا طیبہ کا چاند خوبصورت سا، پیارا سا طیبہ کا چاند
دھوم ہر سو مچی نکلا طیبہ کا چاند ✽ جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند

اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

کیا جلال تجلّی کو جانے کوئی ریزے ریزے ہوا، طور دیکھے کوئی
خرّ موسیٰ کے معنی بھی سمجھے کوئی ❊ کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
آنکھ والوں کی ہمّت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

قوت و طاقتِ چشمِ خیر الوریٰ کیا بتاؤں تجھے عاشقِ مصطفیٰ
کر کے آئی وہ دیدارِ ربُّ العلا ❊ معنیٔ قد رأی مقصدِ ما طغیٰ
نرگسِ باغ قدرت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

گلشن مصطفیٰ کا وہ شاداب گل جس سے مہکے ہیں مہر وفا کے سبل
جن کو مانا ہے امّت نے سردارِ کل ❊ یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل
ثانیٔ اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

اہلِ حق سارے نازاں ہیں فاروق پر توڑ دی جس نے باطل کی بالکل کمر
ہے دعائے نبی کا حسیں تر ثمر ❊ وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر
اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

ان کے منگتا ہو دامن ذرا پھیلا اور کون ایسا ملے گا سخی تجھکو اور
بھر کے دامن ترا جو کہے یہ لو اور ❊ کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور
بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

آرزو ہے یہ کیسی فروزاں رضا ! ✻ جس سے مقطع ہے اتنا درخشاں رضا !
ہیں تری اس تمنا پہ قرباں رضا ! ✻ مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا !

مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

کاش جس دم سنائیں رضا یہ سلام ✻ یہ ترنم سے بھرپور دلکش کلام !
پاس دائم کھڑا ہو بصد احترام ✻ اور پڑھیں ساتھ ان کے شوقِ تمام

مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

✻✻✻✻✻✻

جب اجتماعی طور پر یہ سلام پڑھا جارہا ہو تو آخری تضمین اس طرح پڑھی جائے

کاش جس دم سنائیں رضا یہ سلام — یہ ترنم سے بھرپور دل کش کلام !
پاس ہم بھی کھڑے ہوں بصد احترام — اور پڑھیں ساتھ ان کے بشوقِ تمام

مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

حدائق بخشش میں محاوروں کا استعمال

ڈاکٹر صابر سنبھلی (ریڈر)
صدر شعبۂ اردو، ایم۔ایچ کالج مراد آباد

محاورے کی کئی تعریفیں بیان کی گئی ہیں، لیکن سب سے جامع تعریف ڈاکٹر سیفی پریمی نے دی ہے لکھی ہے۔

"دو لفظوں یا اس سے زیادہ لفظوں کا وہ مجموعہ ہے جو مصدر سے مل کر اور اپنے حقیقی معنی سے ہٹ کر مجازی معنی میں بولا جاتا ہے۔ ("ہمارے محاورے" پانچواں ایڈیشن، ناشر مکتبہ پیامِ تعلیم دلّی ص ۶)

محاورات کی لفظی حیثیت پر ہمارے زبان دانوں نے بہت زور دیا ہے۔ وہ اس بات کو کہتے نہیں تھکتے کہ محاورے کی لفظیات میں تبدیلی جائز نہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ محاورے اور کہاوتیں چلتے ہوئے سکے ہیں اور ان میں تصرف نہیں ہو سکتا۔ دو تین آراء یہاں درج کر رہا ہوں۔

ڈاکٹر سیفی پریمی۔ "محاورے میں کسی قسم کے تصرّف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔" (ایضاً ص ۶)

ڈاکٹر زبیر احمد۔ "اصل محاورے میں کوئی تصرّف نہیں کیا جا سکتا۔" (زبدۃ القواعد ناشر لالہ صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز الہ آباد و لاہور ۱۹۳۶ء، ص ۲۱۷)

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی۔ "محاورہ کسی قسم کے تصرّف یعنی کمی بیشی یا تغیر کی مداخلت کو برداشت نہیں کرتا۔" (کیفیہ، ناشر انجمن ترقی اردو (ہند) دلّی، فروری ۱۹۷۵ء ص ۱۳۵)

لیکن یہ آراء اس لیے محلِ نظر ہیں کہ اوّل تو شعر میں محاورے کے الفاظ کی ترتیب جوں کی توں قائم نہیں رہتی۔ کسی بھی شاعر کے یہاں اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ دوئم یہ کہ محاوروں اور ضرب الامثال کی الگ الگ لغات میں ایک ایک محاورے کی کئی کئی شکلیں ملتی ہیں اسی پر بس نہیں

بلکہ ایک ہی مصنف کی دُو کتابوں میں ایک ہی محاورے کی لفظیات کی الگ الگ شکلیں ملتی ہیں اور اس سے بھی آگے تفتیش حال کیجئے تو ایک مصنف کی ایک ہی کتاب میں ایک ہی محاورہ دُو جگہ آیا ہے تو دونوں جگہ لفظیات میں فرق ہے (جبکہ وہ کتاب کوئی عام کتاب نہیں بلکہ محاوروں اور ضرب الامثال کی لغت ہی ہے) یہاں اس بحث کا موقع نہیں۔ اس بات کو ایک دوسرے مضمون میں تفصیل سے اور مثالیں دے کر لکھ چکا ہوں، جو ایک موقر جریدے کو بغرض اشاعت بھیجا جا چکا ہے۔ شائع ہونے پر یہ تفصیل اس میں دیکھی جا سکے گی۔

محاورے کلام میں زور اور اثر پیدا کرتے ہیں بشرطیکہ ان کو چابکدستی کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے حدائق بخشش میں بڑی تعداد میں محاوروں کا استعمال کیا ہے اور پوری فنکارانہ چابکدستی کے ساتھ۔ کہیں کہیں ایک شعر میں ایک سے زیادہ محاورے بھی استعمال کیے ہیں۔ بعض جگہ تو محاورہ شعر میں جان ڈال دیتا ہے اور سامع اور قاری پھڑک اٹھتا ہے تو بعض جگہ اس استادی اور قادر الکلامی سے واسطہ پڑتا ہے کہ محاورہ استعمال بھی کیا ہے اور پھر بھی اُس کی لفظیات کے حقیقی معنی مراد لیے گئے ہیں۔ یہ کام بڑے بڑے اساتذہ سے ہی ممکن ہے۔

یہاں حدائق بخشش میں مستعمل محاوروں کی ایک فہرست حروف تہجی کے لحاظ سے پیش کی جا رہی ہے۔ محاوروں کے معنی بھی درج کئے گئے ہیں خاص طور سے وہ معنی جو شاعر کا مقصود ہیں۔ وہ اشعار بھی درج کیے جا رہے ہیں جن میں متعلقہ محاورہ استعمال ہوا ہے۔ واضح ہو کہ حدائق بخشش میں ضرب الامثال کا استعمال بہت کم ہوا ہے۔ جو چند ضرب الامثال استعمال ہوئی ہیں اُن کو آخر میں درج کر دیا جائے گا۔

(الف ممدودہ)

<u>آنکھ سے کاجل چُرانا</u> (نہایت صفائی سے چوری کر لینا)

؎ آنکھ سے کاجل صاف چرا لیں یاں وہ چور بلا کے ہیں۔ تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے۔

<u>آنکھوں سے دریا بہانا</u> (بہت زیادہ رونا)

ے دل نکل جانے کی جا ہے آہ کن آنکھوں سے وہ۔ ہم پیاسوں کے لئے دریا بہاتے جائیں گے

آنکھوں میں حلقے پڑنا۔ (کسی صدمے یا لاغری کے باعث آنکھوں کا اندر دھنس جانا)

ے زبانیں سوکھی دکھا کے موجیں تڑپ رہی تھیں کہ پانی پائیں
بھنور کو یہ ضعف تشنگی تھا کہ حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے

آنکھیں بچھنا۔ (خاطر و مدارات ہونا)

ے غبار بن کر نثار جائیں، کہاں اب اُس رہ گزر کو پائیں
ہمارے دل حوریوں کی آنکھیں فرشتوں کے پر جہاں بچھے تھے

آنکھیں بہنا۔ (شدّت سے رونا، خون کے آنسو بہانا)

ے یا الٰہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جرم میں ۔ ان تبسّم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو

آنکھیں پھرنا۔ (بے مروّتی ہونا، موت کی علامت ظاہر ہونا)

ے بازِ اشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی ۔ دیکھ اُڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا

آنکھیں ٹھنڈی ہونا (تسلّی و تشفی ہونا، جی خوش ہونا، اطمینان حاصل ہونا)

ے آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب
سچے سورج وہ دلآرا ہے اُجالا تیرا

آنکھیں تلووں سے ملنا۔ (تعظیم کرنا۔ عزت دینا)

ے سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا ۔ اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

آنکھیں قدموں سے ملنا (بہت تعظیم کرنا)

ے جھکا تھا مجرے کو عرشِ اعلیٰ، گری تھی سجدے میں بزمِ بالا
یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا وہ گرد قربان ہو رہے تھے

(الف مقصورہ)

اُلٹے پاؤں پلٹنا / اُلٹے قدم پھرنا۔ (فوراً واپس ہو جانا)

ے تیری مرضی پا گیا سورج پھرا اُلٹے قدم ۔ تیری انگلی اُٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا

سورج اُلٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک

اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

اُلٹی چھُری سے حلال کرنا۔ (بڑا ستم کرنا، بڑی اذیت دے کر مارنا)

ے یہ رائے کیا تھی وہاں سے پلٹنے کی اے نفس ۔ ستمگر اُلٹی چھُری سے ہمیں حلال کیا

اوچھا ہاتھ پڑنا۔ (وار کرنے میں چوک جانا۔ بھرپور وار نہ ہونا)

ے کوہ سر مکھ ہو تو اک وار میں دو پر کالے ۔ ہاتھ پڑتا ہی نہیں بھول کے اوچھا تیرا

اوس پڑنا۔ (بے رونق ہونا، پژمردہ ہونا)

ے اوس مہر حشر پر پڑ جائے پیاسو تو سہی ۔ اُس گل خنداں کا رونا گریۂ شبنم نہیں

ایڑیاں رگڑ کر مر جانا۔ (بہت تکلیف اور مصیبت اٹھا کر مرنا، حسرت سے مر جانا)

ے اُن کا منگتا پاؤں سے ٹھکرا دے وہ دنیا کا تاج

جس کی خاطر مر گئے منعم رگڑ کر ایڑیاں

(ب)

بات بڑھانا۔ (بحث کو طول دینا)

ے طیبہ نہ سہی افضل، مکہ ہی بڑا زاہد ۔ ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

بات پوچھنا۔ (خبر لینا، تواضع کرنا، وقعت دینا، کچھ سمجھنا)

ے کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا ۔ تجھ سے شیدا ہزار پھرتے ہیں

باج لینا۔ (خراج حاصل کرنا، حکومت کرنا)

ے راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدام ۔ باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا

بجلی گرانا۔ (جلا دینا، خاکستر کر دینا)

ے لو وہ آئے مسکراتے ہم اسیروں کی طرف ۔ خرمنِ عصیاں پہ اب بجلی گراتے جائیں گے

بخار نکلنا (بوجھ ہلکا ہونا، تسلی ہونا، مطمئن ہو جانا)

ے اشک برساؤں چلے کوچۂ جاناں سے نسیم ۔ یا خدا جلد کہیں نکلے بخارِ دامن

بخت جاگنا۔ (تقدیر کا بن جانا، قسمت کا سنور جانا، اچھے دن آنا)

ے تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا ۔ بخت جاگا نور کا، چمکا ستارہ نور کا

بلا / بلائیں ٹوٹنا۔ (مصیبت / مصیبت میں گرفتار ہونا)

ے کون آفت زدہ ہے کس پہ بلا ٹوٹی ہے ۔ کس مصیبت میں گرفتار ہے صدمہ کیا ہے

لوٹ پڑتی ہیں بلائیں جن پر، جن کو ملتا نہیں کوئی یاور

ہر طرف سے وہ پُر ارماں ہو کر اُن کے دامن میں چھپا کرتے ہیں

بلا میں پڑنا۔ (مصیبت میں پھنسنا، بے وجہ کی زحمت اُٹھانا)

ے کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں مری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارہ، ناں نہیں

بن آنا۔ (قسمت کھل جانا۔ حسب مراد ہونا)

ے سنتے ہیں کہ محشر میں صرف اُن کی رسائی ہے ۔ گر اُن کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے

بنوں کی خاک لے ڈالنا۔ (جنگل جنگل آوارہ پھرنا، جنگلوں میں خاک اُڑاتے رہنا)

ے بہکا ہے کہاں مجنوں، لے ڈالی بنوں کی خاک

دم بھر نہ کیا خیمہ لیلیٰ نے بڑے دل سے

بول بالا ہونا۔ (بات اونچی ہونا، مرتبہ بلند ہونا، اقبال بلند ہونا)

ے ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر ۔ بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

بے دام کا بندہ ہونا۔ (خانہ زاد غلام ہونا، ایسا غلام ہونا جو آزادی نہ چاہے، غلام جو خریدا نہ ہو)

ے تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عجم ۔ تیرے بے دام کے بندے ہیں ہزارانِ عرب

بیڑا پار ہونا۔ (مشکل آسان ہونا، مصیبت سے چھٹکارا پانا، مراد کو پہنچنا، کامیاب ہونا)

ے تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا ۔ تیرے صدقے میں نجی اللہ کا بجرا اتر گیا

اہلِ سنّت کا ہے بیڑا پار اصحاب حضور

نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

(پ)

پانی پھرنا۔ (معدوم ہوجانا، ضائع ہونا، اکارت ہونا)

؎ بندھ چلی تیری ہوا ساوہ میں خاک اڑنے لگی
بڑھ چلی تیری ضیاء، آتش پہ پانی پھر گیا

پاؤں اٹھائے نہ اُٹھنا۔ (خواہش کے باوجود کچھ نہ کرپانا)

؎ شوق روکے نہ رُکے پاؤں اُٹھائے نہ اُٹھے
کیسی مشکل میں ہے اللہ تمنائیِ دوست

پلّہ ہلکا ہونا۔ (کمزور پڑنا، بے وقار ہونا)

؎ دل عبث خوف سے پتّہ سا اُڑا جاتا ہے ۔ پلّہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا
ہلکا ہے اگر ہمارا پلّہ ۔ بھاری ہے ترا وقار آقا

پنجہ پھیر دینا۔ (مغلوب کرنا، غالب آنا)

؎ پھیر دیجئے پنجۂ دیو لعیں ۔ مصطفٰے کے بل پہ طاقت کیجئے

پھولنا پھلنا۔ (با اقبال اور دولت مند ہونا، سرسبز و شاداب ہونا، صاحب دولت اور صاحبِ اولاد ہونا)

؎ فصلِ گل لاکھ نہ ہو وصل کی رکھ آس ہزار
پھولتے پھلتے ہیں بے فصل گلستانِ عرب

پیاس سے زبانیں باہر آنا۔ (پیاس کی شدّت سے بے حال ہونا)

؎ یا الٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے ۔ صاحبِ کوثر شہِ جود و عطا کا ساتھ ہو

(ت)

تلووں سے آنکھیں ملنا۔ دیکھئے "آنکھیں تلووں سے ملنا"

توتا اُڑ جانا۔ (حواس باختہ ہوجانا، ہاتھ سے نکل جانا)

؎ باز اشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی ۔ دیکھ اُڑ جائے گا ایمان کا توتا تیرا

(ٹ)

ٹکڑوں پہ پلنا۔ (سہارے پر رہنا، پرورش پانا، محتاج ہونا)

؎ تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال۔ جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

ٹکسال باہر ہونا۔ (غیر معتبر، غیر مستند، غیر مروّج، متروک)

؎ طلائے مہر ہے ٹکسال باہر ۔ کہ خارج مرکز حامل ہے یا غوث

ٹوپی مقام کے دیکھنا۔ (بہت اونچائی پر نظر کرنا)

؎ کرچکیں رفعت کعبہ پہ نظر پروازیں ۔ ٹوپی اب تھام کے خاک در بالا دیکھو

ٹوپی خاک پہ ہونا۔ (تعظیم دینا، خود کو حقیر ترین خیال کرنا)

؎ سب کرّ و فر سلام کو حاضر ہیں السّلام ۔ ٹوپی یہیں تو خاک پہ ہر کرّ و فر کی ہے

ٹھوکریں کھانا۔ (صدمہ اُٹھانا، اُلجھ کر گر پڑنا، نقصان اٹھانا، دُتکارا جانا، خراب حال پھرنا)

؎ ٹھوکریں کھاتے پھروگے اُن کے در پہ پڑ رہو ۔ قافلہ تو اے رضاؔ اوّل گیا آخر گیا

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں

دل کو جو عقل دے خدا، تیری گلی سے جائے کیوں

(ج)

جالوں پہ جال پڑنا۔ (بُری طرح پھنس جانا، رہائی کی صورت نظر نہ آنا، سخت قید و بند کا اسیر ہونا)

؎ جالوں پہ جال پڑ گئے للہ وقت ہے ۔ مشکلکشائی آپ کے ناخن اگر کریں

جان پھیر دینا۔ (مرتے کو بچالینا، مردے کو زندہ کر دینا)

؎ تم نے تو لاکھوں کی جانیں پھیر دیں ۔ ایسا کتنا رکھتے ہیں آزار ہم

ہاں تونے اُن کو جان اُنہیں پھیر دی نماز ۔ پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

جگر میں چبھنا۔ (بہت پسند آنا، بہت محبوب ہونا، دل سے جدا نہ ہونا)

؎ کھبتی ہوئی نظر میں ادا کس سحر کی ہے ۔ چبھتی ہوئی جگر میں صدا کس گجر کی ہے

جل کر خاک ہونا ۔ (حسد کے مارے قریب المرگ ہو جانا یا مر جانا)

؎ خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر اُن کا سناتے جائیں گے
رہے گا یوں ہی اُن کا چرچہ رہے گا ۔ پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

جواب دے دینا ۔ (بالکل انکار کر دینا)

؎ سب طبیبوں نے دے دیا ہے جواب ۔ آہ عیسیٰ اگر دوا نہ کرے

(چ)

چار چاند لگانا ۔ (مرتبہ اور عزت بڑھانا، چوگنی زینت بخشنا)

؎ عکس سم نے چاند سورج کو لگائے چار چاند ۔ پڑ گیا سیم و زر گردوں پہ سکّہ نور کا

چراغ جھلملانا ۔ (کمزور پڑنا، شہرت کم ہونا، وقت میں کمی ہونا، بے رونق ہونا، آخری سانسیں لینا)

؎ آفتاب اُن کا ہی چمکے گا سب اوروں کے چراغ
صرصرِ جوشِ بلا سے جھلملاتے جائیں گے
جن کے آگے چراغ قمر جھلملائے ۔ اُن عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام

چھوٹ پڑنا ۔ (منعکس ہونا، خوبصورتی ظاہر ہونا)

؎ یہ چھوٹ پڑتی تھی اُن کے رُخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی، جگہ جگہ نصب آئینے تھے

(ح)

حسرت نکلنا ۔ (تکمیلِ آرزو ہونا، ارمان پورا ہونا، تمنا باقی نہ رہنا)

؎ دل کھول کے خوں روئے غمِ عارضِ شہ میں
نکلے تو کہیں حسرت خونابہ شدن بھول

(خ)

خاک اڑانا۔ (آوارہ پھرنا، واہی تباہی پھرنا)

؎ ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی ۔ آباد رضا جس پہ مدینہ ہے ہمارا

دن بھر کھیلوں میں خاک اڑائی ۔ لاج آئی نہ ذرّوں کی ہنسی سے

خاک پر ٹوپی ہونا۔ دیکھئے "ٹوپی خاک پر ہونا"

خاک چھاننا۔ (خوب تلاش کرنا، تجسس کرنا، ملک در ملک پھرنا)

؎ جہاں کی خاکروبی نے چمن آرا کیا تجھ کو ۔ صبا ہم نے بھی اُن گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے

خاک کرنا۔ (اجاڑنا، تباہ کرنا، نام ونشان مٹا دینا)

؎ اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں ۔ یہ خاک تو سرکار سے تمغہ ہے ہمارا

خاک میں ملنا۔ (برباد و بے نشان اور ناپید ہونا)

؎ ہم خاک میں مل چکے ہیں کب کے ۔ نکلا نہ بخار تیرے جی سے

خاک ہونا۔ (گل کر مٹی ہو جانا، مٹ جانا)

؎ خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا ۔ جان کی اکسیر ہے اُلفت رسول اللہ کی

خدائی خوار ہونا۔ (آوارہ ہونا، خانہ خراب ہونا)

؎ اپنے کوچے سے نکالا تو نہ دو ۔ ہیں تو حد بھر کے خدائی خوار ہم

خطرے میں نہ لانا۔ (خاطر میں نہ لانا، حقیر سمجھنا، کچھ نہ سمجھنا، وقعت نہ جاننا)

؎ کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا ۔ شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتّا تیرا

خوار پھرنا۔ (ذلیل ہونا، رسوا ہونا، آوارہ گھومنا، بے اعتبار ہو جانا)

؎ جو ترے در سے یار پھرتے ہیں ۔ در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

خوار ہونا۔ (ذلیل ہونا، آوارہ ہونا، رُسوا ہونا، بے اعتبار ہونا)

؎ تیری عزّت کے نثار اے مرے غیرت والے ۔ آہ صد آہ کہ یوں خوار ہو بروہ تیرا

خود کنوئیں میں گرنا۔ (اپنے آپ کو خود ہلاکت میں ڈالنا، اپنی تباہی کا خود ذمّے دار ہونا)

ے اللہ کنویں میں خود گرا ہوں ۔ اپنی نالش کروں تجھی سے

خون خشک ہونا ۔ (خوف کھانا، کسی سے ڈرنا، خوف کے مارے خون کی حرکت کا بند ہو جانا)

ے خشک ہے خون کہ دشمن ظالم ۔ سخت خونخوار ہے کیا ہونا ہے

(د)

دام نقد ہونا ۔ (فائدے کا سودا ہونا، فوراً فائدہ ملنا)

ے جان دے دو وعدۂ دیدار پر ۔ نقد اپنا دام ہو ہی جائے گا

دامن کش ہونا ۔ (رغبت ہونا، متوجہ ہونا)

ے صدقے رحمت کے کہاں پھول کہاں خار کا کام
خود ہے دامن کش بلبل گلِ خندان عرب

دامن کھینچنا ۔ (راغب ہونا، متوجہ ہونا) پھر اٹھا ولولۂ یادِ مغیلان عرب
پھر کھنچا دامن دل سوئے بیابانِ عرب

دامن میں آنا ۔ (پناہ میں آنا)

ے کر کے تمہارے گناہ، مانگیں تمہاری پناہ
تم کہو دامن میں آ، تم پہ کروڑوں درود

دامن میں چھپنا ۔ (پناہ لینا)

ے چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا
ٹوٹ پڑتی ہیں بلائیں جن پر، جن کو ملتا نہیں کوئی یاور
ہر طرف سے وہ پُر ارماں ہو کر، اُن کے دامن میں چھپا کرتے ہیں

دامن میں لینا ۔ (پناہ میں لینا، عیب پوشی کرنا، سہارا دینا، پرورش کرنا)

ے انت فیھم نے عدو کو بھی لیا دامن میں ۔ عیش جاوید مبارک تجھے شیدائی دوست

دربدر پھرنا ۔ (مارا مارا پھرنا، آوارہ گھومنا)

ے دربدر کب تک پھریں خستہ خراب ۔ طیبہ میں مدفن عنایت کیجئے

دل بچھنا۔ (بہت تعظیم ملنا)

؎ غبار بن کر نثار جائیں، کہاں اب اُس رہ گذر کو پائیں
ہمارے دل حوریوں کی آنکھیں فرشتوں کے پر جہاں بچھے تھے

دل کے میل دُھلنا۔ (دل کا ملال دور ہونا، دل صاف اور ہلکا ہو جانا)

؎ تو جو چاہے تو ابھی مَیل مرے دل کے دُھلیں ۔ کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

دل کباب کرنا۔ (دل کو جلانا، بہت غم اٹھانا)

؎ آتش تر دامنی نے دل کے کیا کیا کباب ۔ خضر کی جاں ہو جلا دو ماہیانِ سوختہ

دل کی کلی کھلنا۔ (شگفتہ خاطر ہونا)

؎ صبا ہے مجھے صرصرِ دشتِ طیبہ ۔ اسی سے کلی میرے دل کی کھلی ہے

دل کی لگی بجھانا۔ (خواہش کی تکمیل کرنا، آرزو پوری کرنا)

؎ سوختہ جانوں پہ وہ پُر جوش رحمت آئے ہیں۔ آبِ کوثر سے لگی دل کی بجھاتے جائیں گے
لبِ سیراب کا صدقہ پانی ۔ اے لگی دل کی بجھانے والے

دل لگانا۔ (محبّت کرنا)

؎ دل ہمیں تم سے لگانا ہی نہ تھا ۔ اب سفر بار ہے کیا ہونا ہے

دل مَیلا کرنا۔ (دل کو غمگین کرنا، رنج اٹھانا)

؎ تو جو چاہے تو ابھی مَیل مرے دل کے دھلیں ۔ کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

دل میں بخار ہونا۔ (پوشیدہ عداوت رکھنا، بغض اور کینہ رکھنا)

؎ وہ حبیب پیارا تو عمر بھر، کرے فیض وجود ہی سربسر
ارے تجھ کو کھائے تپِ سقر، ترے دل میں کس سے بخار ہے

دل فگار ہونا۔ (نہایت غمگین ہونا، بہت دکھ اٹھائے ہوئے ہونا)

؎ نہ دِل بشر ہی فگار ہے کہ ملک بھی اس کا شکار ہے
یہ جہاں کہ ہژدہ ہزار ہے، جسے دیکھا اس کا ہزار ہے

دل میں زہر بھرا ہونا۔ (دلی نفرت کرنا، عداوت رکھنا، دل میں بغض رکھنا)

؎ ابنِ زہرا سے ترے دل میں ہیں یہ زہر بھرے
بل بے او منکر بے باک یہ زہرا تیرا

دل میں گھر کرنا۔ (دل میں بیٹھنا، عزت کا مقام حاصل کرنا، یاد سے جُدا نہ ہونا)

؎ اُن کی حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لئے ۔ آنکھوں میں آئیں، سر پہ رہیں دل میں گھر کریں

دم چڑھنا۔ (سانس پھولنا، ہانپنا)

؎ جلو میں جو مرغِ عقل اُڑے تھے، عجب برے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ پر ہی رہے تھے تھک کر، چڑھا تھا دم تیور آگئے تھے

دم میں آنا۔ (فریب کھانا، دھوکے میں آنا)

؎ یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے

دم میں نہ آنا۔ (فریب میں نہ پھنسنا، دھوکے میں نہ آنا)

؎ رضا نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا ۔ کہاں تم نے دیکھے ہیں چندرانے والے

دم میں دم آنا۔ (جان میں جان آنا، زندگی کی امید ہونا، اطمینان ہو جانا)

؎ جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا ۔ اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

دم میں دم ہونا۔ (سانس چلتے رہنا، زندہ رہنا)

؎ خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا ۔ دم میں جب تک دم ہے ذکر اُن کا سناتے جائیں گے

دن پھرنا۔ (اچھے دن آنا)

؎ وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں ۔ تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

دھک سے ہو جانا۔ (حیرت میں رہ جانا، ناگہانی صدمے یا خوف سے دل دھڑک جانا)

؎ ہو گیا دھک سے کلیجہ میرا ۔ ہائے رخصت کی سنانے والے

دو چار ہونا۔ (واسطہ پڑنا، آمنا سامنا ہونا)

ے نظر اک حسن سے دوچار ہے نہ چمن چمن بھی نثار ہے
عجب اُس کے گل کی بہار ہے کہ بہار بلبل زار ہے

دھوم ہونا/ڈالنا۔ (ہنگامہ برپا کرنا، غل مچانا، شور کرنا، خوب خوشی منانا)

ے شش جہت سمت مقابل شب و روز ایک ہی حال
دھوم والنجم میں ہے آپ کی بینائی کی

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائشِ مولیٰ کی دھوم۔ مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

دھوم مچانا۔ (شور و غل کرنا، ہنگامہ برپا کرنا، خوب خوشی منانا)

ے وہاں فلک پر یہاں زمیں پر رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے ادھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے

دھونی رمانا۔ (آگ جلا کر جوگیوں کی طرح بیٹھ جانا)

ے اے دل یہ سلگنا کیا جلنا ہے تو جل بھی اُٹھ۔ دم گھٹنے لگا ظالم کیا دھونی رمائی ہے

(ر)

رستہ تکنا۔ (شدّت سے انتظار کرنا)

ے عرضِ احوال کی پیاسوں میں کہاں تاب مگر۔ آنکھیں اے ابرِ کرم تکتی ہیں رستہ تیرا

رو رو کے دریا بہانا۔ (حد سے زیادہ رونا)

ے اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا۔ رو رو کے مصطفٰے نے دریا بہا دیئے ہیں

(ز)

زانو تہہ کرنا۔ (علم سیکھنا، شاگردی کرنا، ادب کرنا)

ے انبیاء تہہ کریں زانو ان کے حضور۔ زانوؤں کی وجاہت پہ لاکھوں سلام

زبان پر کانٹے ہونا۔ (بہت پیاس لگنا۔ منہ خشک ہونا)

ے گرمی یہ قیامت ہے کہ کانٹے ہیں زباں پر۔ بلبل کو بھی اے ساقیِ صہبا و لبن پھول

(س)

سرِ بازار رسوا ہونا۔ (بدنامی عام ہو جانا، ہر کسی کی نظر میں ذلیل ہو جانا)

؎ اپنی ستاری کا یارب واسطہ ۔ ہوں نہ رسوا برسرِ بازار ہم

سر پہ تلوار ہونا۔ (سخت خطرے سے دوچار ہونا، زندگی سے مایوس ہونا)

؎ ارے او مجرم بے پروا دیکھ ۔ سر پہ تلوار ہے کیا ہونا ہے

سر پہ ہاتھ دھرنا۔ (پچھتاوا کرنا، قسمت کو رونا)

؎ چھوڑ کے اس حرم کو آپ بن میں ٹھگوں کے آبسو

پھر کہو سر پہ دھر کے ہاتھ، لٹ گئی سب کمائی کیوں

سر پھر جانا۔ (سر چکرانا، دماغ پریشان ہونا، سر میں چکر آنا)

؎ مجھ کو دیوانہ بتاتے ہو میں وہ ہشیار ہوں ۔ پاؤں جب طوفِ حرم میں تھک گئے سر پھر گیا

سودا نہ بننا۔ (خریدار نہ ملنا، پوچھ نہ ہونا، معاملہ نہ پٹنا)

؎ بازارِ عمل میں تو سودا نہ بنا اپنا ۔ سرکارِ کرم تجھ میں عیبی کی سمائی ہے

سہرا ماتھے (سر) رہنا۔ (کسی کام کو انجام دینا، فتح حاصل کرنا)

؎ تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا ۔ بخت جاگا نور کا، چمکا ستارہ نور کا

سینے سے سِل سرکنا۔ (دل سے بوجھ اترنا، فکر دور ہونا)

؎ گھڑیاں گنی ہیں برسوں کہ یہ سُکھ گھڑی پھری ۔ مر مر کے پھر یہ سِل مرے سینے سے سرکی ہے

(ش)

شاخ پر بیٹھ کر جڑ کاٹنا۔ (بے وقوفی کا کام کرنا، بد اندیشی سے کام کرنا، اپنے نقصان کی خود صورت پیدا کرنا)

؎ شاخ پہ بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے ۔ کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرہ تیرا

شادی رچنا۔ (خوشیاں منانا)

؎ وہاں فلک پر یہاں زمیں پر رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں

اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے

شوخ دیدہ ہونا۔ (گستاخی کرنا، بے ادب ہونا)

؎ نظارہ خاکِ مدینہ کا اور تیری آنکھ ۔ نہ اس قدر بھی قمر شوخ دیدہ ہونا تھا

(ط)

طوطا اڑ جانا۔ دیکھئے "توتا اڑ جانا"

(غ)

غبار بننا۔ (خاک ہو جانا، مٹ جانا)

؎ غبار ہو کر نثار جائیں، کہاں اب اس رہگذر کو پائیں
ہمارے دل حوریوں کی آنکھیں فرشتوں کے پر جہاں بچھے تھے

غم کی گھٹائیں چھانا۔ (غم کی فراوانی ہونا)

؎ گھنگھور گھٹائیں غم کی چھائیں ۔ اے شمع جمالِ مصطفائی

(ق)

قدموں پر لوٹنا۔ (پیروں پر گرنا، پاؤں پر سر رکھنا، پاؤں کو چومنا، خوشامد کرنا)

؎ یہ جوشش نور کا اثر تھا، کہ آبِ گوہر کمر کمر تھا۔ صفائے رہ سے پھسل پھسل کر ستارے قدموں پہ لوٹتے تھے

قدموں سے آنکھیں ملنا۔ دیکھئے "آنکھیں قدموں سے ملنا"

(ک)

کٹ مرنا۔ (مرنے کی حد تک لڑنا)

؎ عندلیبی پہ جھگڑتے ہیں کٹے مرتے ہیں ۔ گل و بلبل کو لڑاتا ہے گلستانِ عرب

کلیجہ چیر کر دیکھنا۔ (اصلیت معلوم کرنا، سینہ چاک کرنا)

؎ میرے سیاف کے خنجر سے تجھے باک نہیں ۔ چیر کر دیکھے کوئی آہ کلیجہ تیرا

کمر آرائی کرنا۔ (تیار ہونا)

؎ قافلے نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی ۔ مشکل آسان الٰہی مری تنہائی کی

کمر بندھنا۔ (پکا ارادہ کرنا، کام کے لیے مستعد ہونا، تیار ہونا)

؎ جو کہ عزم شفاعت پہ کھنچ کے بندھی ۔ اُس کمر کی حمایت پہ لاکھوں سلام

ایسی بندھی نصیب کھُلے مشکلیں کھلیں ۔ دونوں جہاں میں دھوم تمہاری کمر کی ہے

کنارے ہونا ۔ (ایک طرف ہو جانا، الگ ہو جانا)

؎ تارِ شیرازہ مجموعۂ کونین ہیں یہ ۔ حال کھل جائے جو اک دم ہوں کنارے گیسو

کوڑی کے تین ہونا ۔ (نہایت ارزاں ہونا، نہایت بے وقعت ہونا، کوئی قدر و قیمت نہ ہونا)

؎ گندے نکمے کمین، مہنگے ہوں کوڑی کے تین ۔ کون ہمیں پالتا، تم پہ کروروں درود

کھٹکا ہونا ۔ (آہٹ ہونا، ڈر ہونا)

؎ جان سفر نصیب کو کس نے کہا مزے میں سو ۔ کھٹکا اگر سحر کا ہو شام سے موت آئے کیوں

کھُلے ہاتھ ہونا ۔ (سخی ہونا، فیاض ہونا، داتا ہونا)

؎ کریم ایسا ملا ہے جس کے کھلے ہیں ہاتھ اور بھرے خزانے

بتاؤ اے مفلسو کہ پھر کیوں تمہارا دل اضطراب میں ہے

کھیل بگڑ جانا ۔ (بنے ہوئے کام کا بگڑ جانا، کام میں رخنہ پڑنا، رنگ میں بھنگ ہونا)

؎ بگڑا جاتا ہے کھیل میرا ۔ آقا آقا سنوار آقا

(گ)

گرمیاں کرنا ۔ (گرمجوشی دکھانا، کمال محبت جتانا)

؎ یہ اُن کے جلوے نے کیں گرمیاں شبِ جلوہ ۔ کہ جیسے چرخ میں ہے نقرۂ طلائے فلک (قطعہ بندشعر)

گُل کھلانا ۔ (پھول کھلانا، پھولوں سے سجانا، باغ لگانا، عجیب و غریب کام کرنا، طُرفہ تماشا دکھانا)

؎ بُراق کے نقشِ سُم کے صدقے وہ گُل کھلائے کہ سارے رستے

مہکتے گلبن، لہکتے گلشن، ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

گلے میں پٹہ رہنا ۔ (غلامی کی علامت موجود رہنا، وفاداری کی نشانی ہونا)

؎ اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے ۔ حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

گوشمالی کرنا ۔ (سزا دینا، کان امیٹھنا، تنبیہہ کرنا، چشم نمائی کرنا)

ے یارسول اللہ دہائی آپ کی ۔ گوشمالی اہلِ بدعت کیجئے

گھر کا اجالا ہونا ۔ (بے حد عزیز ہونا ، گھر کی رونق ہونا ، آبادیٔ خانہ ، نورِ عین)

ے تھک کے بیٹھے تو درِ دل پہ تمنائی دوست ۔ کون سے گھر کا اجالا نہیں زیبائی دوست

کمی کرنا ۔ (کمی کرنا ، کسر چھوڑنا)

ے ہم نے خطا میں نہ کی تم نے عطا میں نہ کی ۔ کوئی کمی سرورا تم پہ کروروں درود

(م)

مٹی عزیز ہونا ۔ (اپنے عزیز و اقارب کے ہاتھوں دفن ہونا ، عزت کے ساتھ تدفین ہو جانا ، مٹی ٹھکانے لگنا)

ے دشتِ حرم میں رہنے دے صیاد گر ہمیں ۔ مٹی عزیز بلبلِ بے بال و پر کی ہے

مجرا بجالانا ۔ (با ادب سلام کرنا ، آداب بجالانا ، کورنش و تسلیمات ادا کرنا)

ے صفِ ہر شجرہ میں ہوتی ہے سلامی تیری ۔ شاخیں جھک جھک کے بجالاتی ہیں مجرا تیرا

مرے دل سے کرنا ۔ (بے دلی سے کرنا ، گرمجوشی نہ ہونا ، دل نہ چاہے مگر کرنا)

ے مومن وہ ہے جو اُن کی عزت پہ مرے دل سے ۔ تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

منہ پڑنا ۔ (حوصلہ پڑنا ، جرأت ہونا)

ے پھر منہ نہ پڑے کبھی کسی کا ۔ دے دے ایسی بہار آقا

منہ بھر جانا ۔ (سیر ہونا ، جی بھر جانا ، توجہ نہ رہنا ، اور طرف خیال ہو جانا)

ے میں ترے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منہ پھر گیا
کیوں جناب بوہریرہ تھا وہ کیسا جام شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ بھر گیا

منہ تکنا ۔ (منہ دیکھنا ، سہارے کا طلبگار ہونا ، حسرت سے دیکھنا)

ے کس کا منہ تکیے کہاں جائیے کس سے کہیے ۔ تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا

منہ چھپانا۔ (شرمندہ ہونا، کنارہ کشی کرنا، پہلو تہی کرنا، لجانا)

؎ تجھ سے چھپاؤں منہ تو کروں کس کے سامنے ۔ کیا اور بھی کسی سے توقع نظر کی ہے

منہ دیکھنا۔ (حسرت سے نظر کرنا، نا امیدانہ منہ تکنا، حاضری دینا، سہارا تکنا)

؎ تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں ۔ کون نظروں میں چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

منہ نکل آنا۔ (چہرہ اتر جانا، گال پچک جانا، دبلا ہو جانا)

؎ تم مقابل تھے تو پہروں چاند بڑھتا لوز کا ۔ تم سے چھپ کر منہ نکل آیا ذرا سا لوز کا

میرا تیرا ہونا۔ (غیرت ہونا، ملکیت میں امتیاز ہونا، سیان گیان ہونا)

؎ میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

(ن)

نبضیں چھٹنا۔ (قریب مرگ ہو جانا، نزع کا عالم ہونا، زندگی کے آثار نہ رہنا، مطلق ہوش نہ رہنا، مردہ سا ہو جانا، ادھ موا ہو جانا، گھبرا جانا)

؎ جانِ وجہانِ مسیح، داد کہ دل ہے جرتح

نبضیں چھٹیں دم چلا، تم پہ کروروں درود

نظر میں خار ہونا۔ (آنکھوں کو ناگوار ہونا، آنکھوں میں کھٹکنا)

؎ دشمنوں کی آنکھ میں بھی پھول تم ۔ دوستوں کی بھی نظر میں خار ہم

نظر میں کھبنا۔ (پسند آنا، اچھا لگنا)

؎ کھبتی ہوئی نظر میں ادا کس سحر کی ہے ۔ چبھتی ہوئی جگر میں صدا کس گجر کی ہے

نظروں میں چڑھنا۔ (نظروں میں آنا، خوبصورتی کے باعث نظر میں سمانا)

؎ تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں ۔ کون نظروں میں چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

نفس رام ہونا۔ (خواہشات پر قابو پانا)

؎ یاد رہ جائیں گی یہ بے باکیاں ۔ نفس تو تو رام ہو ہی جائے گا

نکالا دینا۔ (جلا وطن کرنا، شہر بدر کرنا، دھتکار دینا)

؎ اپنے کوچے سے نکالا تو نہ دو ۔ ہیں تو حد بھر کے خدائی خواہم

نہال کرنا۔ (مالا مال کر دینا، نوازنا، سرفراز کرنا، خوش کرنا، مراد بخشنا)

؎ خراب حال کیا دل کو پُر ملال کیا ۔ تمہارے کوچے سے رخصت نے کیا نہال کیا

نیند نکالنا: (سونا، نیند پوری کرنا)

؎ آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

(۵)

ہاتھ اوچھا پڑنا۔ دیکھئے "اوچھا ہاتھ پڑنا"

ہوا بگڑنا۔ (ہوا کا صحت بخش نہ رہنا، زمانے کا ناموافق ہونا، زمانے کا خلاف ہو جانا، اعتبار اُٹھ جانا، بات بگڑ جانا)

؎ خدارا ناخدا آدے سہارا ۔ ہوا بگڑی بھنور حائل ہے یا غوث

ہوا بندھ جانا۔ (دھاک بیٹھنا، شہرہ ہو جانا، ساکھ بن جانا، رُعب جمنا)

؎ بندھ گئی تیری ہوا ساوہ میں خاک اُڑنے لگی ۔ بڑھ چلی تیری ضیا، آتش پہ پانی بھر گیا

(ضرب الامثال)

بے حکم پرندہ پر نہیں مارتا۔ (اُس موقع پر بولتے ہیں جب کسی کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہ ہو سکے)

؎ آنکھ مل سکتی نہیں در پہ ہے پہرہ نور کا ۔ تاب ہے بے حکم پر مارے پرندہ نور کا

جان ہے تو جہان ہے۔ (زندگی ہے تو سب کچھ ہے، حیات باقی نہ رہے تو یہ دنیا کس کام کی!؟)

؎ وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

چشم بد دور۔ (خدا نظر بد سے بچائے)

؎ یہ سماں دیکھ کے محشر میں اُٹھے شور کہ واہ ۔ چشم بد دور ہو کیا شان ہے رتبہ کیا ہے

<u>دور کے ڈھول سہانے۔</u> (دور کی سُنی ہوئی بات اچھی معلوم ہوتی ہے، کسی چیز کی تعریف سُننے اور دیکھنے میں بہتر نہ ہونے کے موقع پر بولتے ہیں)

ع ہر جا ہے بلندی فلک کا مذکور ۔ شاید ابھی دیکھے نہیں طیبہ کے قصور

انسان کو انصاف کا بھی پاس رہے ۔ گو دور کے ڈھول ہیں سہانے مشہور

<u>گھر کا نہ گھاٹ کا۔</u> (کہیں کا نہ رہنا)

ع باٹ نہ در کے کہیں، گھاٹ نہ گھر کے کہیں۔ ایسے تمہی پالنا، تم پہ کروروں درود

<u>منہ چاہیئے۔</u> (ہمت اور حوصلۂ مردانہ و دل رُستمانہ لازم ہے)

ع کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیئے ۔ دینے والا ہے سچّا ہمارا نبی

حدائقِ بخشش جلد اوّل و دوم سے یہاں تقریباً ڈیڑھ سو محاوروں اور ضرب الامثال کو مع اشعار کے پیش کیا گیا ہے۔ یہ وہ محاورے اور ضرب الامثال ہیں جو اردو کلام میں پائے گئے ہیں۔ عربی و فارسی اشعار میں مستعمل محاورات اور ضرب الامثال کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

دیکھنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کہیں بھی کوئی محاورہ برائے محاورہ نظم نہیں ہوا ہے سبھی محاورے شعر کی زبان کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی قدرتِ زبان پر دال ہے۔

مولانا وارث جمال قادری کی خود نوشت سوانح کا عکس

Telex No. 76633-GNC-IN

Phone Office : 386 70 45
872 10 37

786

آل انڈیا تبلیغ سیرت

A-1 گراؤنڈ فلور ۵۸ حبیب منزل ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، بمبئی ۸

ALL INDIA TABLIGH-E-SEERAT

A-1-Ground Floor, 58/Habib Manzil, Dimtimker Road, Nagpada, Bombay-400 008.

Ref.________________ Date

۷۸۶
۹۲

پیش نظیر مولانا محمد وارث جمال قادری سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے ایک نامور عالم دین صاحب طرز انشا پرداز۔ ایک منفرد اسلوب نگارش کے مالک اور صف اول کے ممتاز صاحب قلم عصر
نسل میں یہاں ہندوستان میں آپ پہلے خوش نصیب ہیں جنہوں نے عشق و ارشاد حضور سیدنا امام احمد رضا کو مستقل اپنا موضوع بنایا تو پھر مستقل کرتے ہی رہے۔ اور تادم تحریر یہ سلسلہ جاری ہے
مولانا موصوف کی ہمہ جہت مصروفیات کے باوجود مسلسل لکھ رہے ہیں مختلف موضوعات پر ایک درجن سے زیادہ کتابیں اور درجنوں مقالے منظر عام پر آچکے ہیں!
برصغیر ہند کے مشہور ادیب وصاحب نگارش جناب [illegible] کے علاوہ ممتاز اردو زبان وادب وانشا نگاری کے آشنا رفقا جناب حسن منظور پوری
آپ کی ایک شاہکار تصنیف "اسلوم الرشاد" پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولای صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلہم

امام احمد رضا مدح وقدح کے درمیان!

الامام احمد رضا بین المدح والقدح از مولانا محمد وارث جمال قادری جنرل سکریٹری آل انڈیا اسلامک مشنری
وصدر مدرسہ غوثیہ فیض الاسلام مجرہیا کھٹور ضلع سدھارتھ نگر یوپی

عصر جدید کی قاموس المشاہیر اور شخصیات و متعددہ رجال کے تذکرے کسی ایسی شخصیت سے اب تک آشنا نہیں
جس کی مدح وقدح تعریف وتنقیص توصیف وتشریف تکریم وتذلیل اور اس کے ہمہ جہت وجود کی نفی واثبات
اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی طرح کی گئی ہو۔ جہاں آپ کی خداداد عظمتوں کو خراج تحسین وعقیدت پیش کرنے والوں کی
ایک طویل فہرست ہے وہ اہل فہرست میں ایسی بھی ہے جو عرب وعجم حل وحرم کی بلند قامت کوہ پیکر ومشاہیر عالم شخصیتوں کی
جنہیں آپ کی توہین وتنقیص بلکہ تذلیل اور آپ کی شان اقدس میں ہرزہ سرائی بیہودہ گوئی اور آپ کی بے کراں وہمہ جہت ہمہ داں
شخصیت کی نفی کرنے والوں کا بھی ایک طبقہ خاص ہے جس کی ریشہ دوانیوں بیہودہ گوئیوں ہرزہ سرائیوں کا سلسلہ ابھی دور تک

مولانا وارث جمال کے مقالے کا عکس

جناب رحمت اللہ صدیقی صاحب !

۲۹ر اگست ۱۹۹۶ء

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

آپ نے میرے اخلاص کا جس انداز میں خون کیا ہے اور میرے جذبۂ خلوص کو جس بے دردی و بے شرمی سے پامال کیا ہے اور جس ذہنی و قلبی اذیت میں آپ نے مجھے مبتلا کیا ہے اور آپ کی بہاریت نے جس انداز میں مجھے ڈسا ہے اس کیلئے بر وقت فالی اللہ المشتکٰی ہی پر اکتفا کر رہا ہوں۔ البتہ اس کے انتقام اور اس کی سزا آپ کے آئندہ رویے پر منحصر ہے سر دست آپ میرا مقالہ فوراً بذریعہ رجسٹری مجھے واپس کر دیں یا خود دیکر مجھے پہونچا دیں آپ نے زیروکس واپس کرنے کی جو بات کی تھی وہ غلط ہے میں نے احتیاطاً تلاش ڈالا مگر کہیں ملا نہیں۔ آپ اسے ہرگز ہرگز دوسرے شمارے یا اور کسی شکل میں اسے شائع نہیں کر سکتے ہم نے اسے امام احمد رضا نمبر کے لیئے لکھا تھا نہ کہ عام شمارے کے لئے لہٰذا اپنی پہلی فرصت میں وہ مجھے فوراً واپس کیجیے جس بھی حالت میں وہ ہو۔ اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا اور کسی طرح کی بہاریت دکھائی تو آپ اس کے انجام اور اس کے منطقی نتیجے تک پہونچ جائیں گے۔ میں نے کس ذہنی انتشار بے چینی اور نازک ترین حالات میں لکھا تھا جب کسی نے آپ کو منہ نہیں لگایا تو میں نے جذباتی حوصلہ بخشا تھا کتنے مفید مشورے دئے سے بجٹ وغیرہ۔ میرے اخلاص کے مقابلے میں یہ عذر لنگ وہ بھی دوسروں سے کہ کتابت خراب ہو گئی تھی۔؟ معاذ اللہ! تم حقیقی وجہ کبھی بتانے کی جرأت نہ کر سکو گے۔ اگر تم نے میرا مسودہ واپس نہیں کیا تو میں سمجھ لوں گا اور یقین کر لوں گا کہ تمہاری اصل میں خطا ہے۔ یا پھر تم حسینی نہ ہو۔ پھر میرا ردِ عمل اسی کے اعتبار سے ظاہر ہو گا۔

مولیٰ تعالیٰ تمہیں دنیا میں روسیاہ کرے اور دل دکھانے اور اخلاص کو پامال کرنے کی سزا تمہیں اسی دنیا میں دے اور آیندہ تمہیں اس لائق ہی نہ رکھے کہ تم پھر اس انداز میں کسی مخلص کا دل دکھا سکو اور ایک عاشقِ رسول کے نام پر۔ پھر تم کسی تجارت کے لائق نہ رہ جاؤ۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است از ہزاراں کعبہ اک دل بہتر است

فقط تمہاری روسیاہی کا شدت سے منتظر ایک ستم رسیدہ۔ وارث جمال قادری۔

ایک ضروری وضاحت

ادیب شہیر رئیس التحریر وارث العلماء حضرت علامہ وارث جمال قادری مصباحی صاحب (جنرل سکریٹری آل انڈیا تبلیغ سیرت بمبئی) کی شخصیت دور حاضر میں غیر معروف نہیں ہے۔ آپ ایک بہترین تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین عالم و قلمکار بھی ہیں۔ بعض احباب اور بقول خود آپ ایک سیاسی سوجھ بوجھ کے بھی مالک ہیں۔ اپنے افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کیلئے جب سے آپ نے قلم کا سہارا لیا ہے گلستان علم و ادب میں نت نئے گل کھلائے ہیں۔ آپ کی بے باکی جرأت و ہمت اور موقع سناشی کی کوئی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی۔ فقیہ ملت مفتی جلال الدین صاحب امجدی سے آپ کی قلمی معرکہ آرائی کی کئی قسطیں عوامی حلقے میں داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ موصوف لکھتے ہیں خوب لکھتے ہیں اور خود لکھتے ہیں۔ آپ کی تحریری کاوشوں میں "اسلام اور شادی" "بھیگی پلکوں کا بوجھ"، "عربی مدارس اور جدید عصری تقاضے" جیسی کتابیں کافی شہرت پائیں۔ واقعی اسلام اور شادی موصوف کی ایک اچھی قلمی کاوش ہے جس پر معروف ادیب شین مظفر پوری نے بہت اعلیٰ تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ موصوف نے اپنی خود نوشت سوانح میں لکھا ہے لیکن جناب کی کتاب عربی مدارس اور جدید عصری تقاضے میں موصوف نے عنوان پر کم اور فقیہ ملت مفتی جلال الدین صاحب امجدی کے افکار کو زیادہ موضوع بحث بنایا ہے۔ ایک غیر جانبدار مبصر کی رائے یہ ہے کہ اس کتاب کا نام فقیہ ملت اور مسئلہ الحاق ہوتا تو یہ اپنے موضوع کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہوتا۔ علامہ موصوف مجلہ پیغام رضا کے مدیر اعلیٰ مولانا رحمت اللہ صدیقی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پیغام رضا کے امام احمد رضا نمبر ۱۹۹۶ء کے لئے ایک مبسوط علمی مقالہ بنام " الامام احمد رضا بین المدح و القدح " عطا فرمایا تھا۔ اس مقالے کے ساتھ موصوف نے اپنے دست اقدس سے لکھی ہوئی اپنی ایک مختصر سوانح بھی عنایت کی تھی۔ بہر صورت مذکورہ مقالہ کو نمبر میں آنا چاہیے تھا۔ لیکن اسے سوئے قسمت کہیے یا حالات کی ستم ظریفی کہ اس نمبر میں شامل نہ ہو سکا۔ شامل اشاعت نہ ہونے کے اسباب تو بہت ہیں لیکن مختصر طور پر ہم قارئین کو

مقالہ کی عدمِ اشاعت کی وجوہات میں سے صرف یہ بتانا چاہیں گے کہ حضرت موصوف کا خوشخط کاتب صاحب کے مبلغ علم کی دسترس سے بہت ہی بالاتر تھا۔ اس لئے کاتب صاحب نے کتابت میں اتنی غلطیاں کی تھیں کہ بروقت اس کی تصحیح محال نہیں تو ناممکن یقیناً تھی جیسا کہ دیگر مقالات کی غلطیوں کی نشاندہی کے لئے الگ سے صحت نامہ لگانا پڑا۔ اگر علامہ موصوف کا مقالہ بھی شامل اشاعت ہوتا تو صحت نامہ کی ضخامت ۶ر۷ صفحات پر پھیل سکتی تھی۔

علامہ موصوف کے اخلاصِ پیہم اور جذبۂ تعاون کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مجلس مشاورت کے اراکین نے یہ طے کیا کہ مذکورہ مقالہ کو تصحیح کے بعد آئندہ شمارے میں یقینی طور پر شامل کر لیا جائے گا جیسا کہ صحت نامہ میں اعلان بھی کر دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود علامہ موصوف کا پیمانۂ صبر چھلک اٹھا اور علامہ صاحب نے اپنی شاہ صاحبی کی نخوت کے ساتھ ایسے لب و لہجے میں گفتگو کرنے لگے جو ایک مہذب انسان کے شایانِ شان قطعی نہ تھا چہ جائیکہ وارث الانبیاء یا وارث العلماء کہلانے والے حضرات لعن و طعن کا اتنا گھٹیا اور بازاری انداز اختیار کریں۔

قارئین کی آگاہی کے لئے ہم علامہ موصوف کا مقالہ اور موصوف کی مختصر خود نوشت سوانح کے ساتھ ساتھ اس خط کو بھی شائع کر رہے ہیں جو مدیرِ اعلیٰ مولانا رحمت اللہ صدیقی کے نام ارسال کیا گیا تھا۔ ادارہ نے فیصلہ کیا کہ موصوف کی تحریرات کو عوام کی عدالت میں پیش کر دیا جائے۔ اور معاملہ رب کی ذات پر چھوڑ دیا جائے۔ حالاں کہ ردِ عمل کے طور پر اس جارحانہ خط کی بنیاد پر کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا جا سکتا تھا۔ لیکن اراکین ادارہ خلوص کے ساتھ دین کی خدمات انجام دے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم نے دنیاوی کورٹ میں نہ فریق بننا چاہا، اور نہ بنانا چاہا۔ کیوں کہ احبابِ ادارہ کا مطمحِ نظر صرف یہ ہے کہ ؎

ان کا جو کام ہے وہ اہلِ سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

اور بقول ڈاکٹر اقبال ؎

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب ✧ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ موصوف نے ادارے کی اس وقت اخلاقی مدد کی، جس وقت اس کے کمزور وجود کو سخت سہارے کی ضرورت تھی۔ ادارہ علامہ موصوف کا تہہ دل سے مشکور ہے اور آج بھی انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور یہ عزم بھی رکھتا ہے کہ جب بھی موصوف اپنی قلمی کاوشوں سے نوازیں گے موقع کی مناسبت سے اسے شائع کیا جائے گا۔

ادارہ

یہ مختصر سوانح مولوی وارث جمال قادری نے اپنے ہاتھوں سے لکھ کر پیغام رضا میں اشاعت کیلئے دیا تھا جو قارئین کی نذر ہے۔

ادیب شہیر مولانا محمد وارث جمال قادری سواد اعظم اہلسنت و جماعت کے ایک نامور عالم دین صاحب طرز انشا پرداز ایک منفرد اسلوب نگارش کے مالک اور صف اوّل کے ممتاز صاحب قلم ہیں۔ نئی نسل میں یہاں ہندوستان میں آپ پہلے خوش نصیب ہیں جنہوں نے عبقری الشرق حضور سیدنا امام احمد رضا کو مستقل اپنا موضوع بنایا تو پھر مستقل لکھتے ہی رہے اور تادم تحریر سلسلہ جاری ہے۔ مولانا اپنی ہمہ جہت مصروفیات کے باوجود مسلسل لکھ رہے ہیں مختلف موضوعات پر ایک درجن سے زائد کتابیں اور درجنوں مقالے منظر عام پر آچکے ہیں۔

برصغیر ہند و پاک کے مشہور ادیب افسانہ نگار پرانی نسلوں اور قدروں کے علامتی یادگار اور اردو زبان و ادب و انشا نگاری کے آثار قدیمہ جناب شین مظفر پوری آپ کی ایک شاہکار تصنیف "اسلام اور شادی" پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں ؎

"آپ کی تصنیف اسلام اور شادی" کا تحفہ عزیزی قاری صاحب کی معرفت ملا۔ اس عنایت کے لئے ممنون ہوں کتاب نہایت دلچسپ اور مفید ہے آپ نے اس موضوع پر بڑے ادبی پیرائے میں کافی معلومات سے قاری کو مستفید کیا ہے۔ کئی نئے نکتے خود میری سمجھ میں آئے۔ میں نے پوری کتاب لفظ بلفظ پورے استغراق سے پڑھی اس طرح شاذ و نادر ہی کسی کتاب کا مطالعہ کرتا ہوں، کیونکہ نہ کتاب میں اتنی کشش ہوتی ہے اور نہ مجھے اتنی فرصت ہوتی ہے زیادہ تر کتابوں اور رسالوں کو جابجا پڑھ لیا کرتا ہوں بعضوں کو تو بس سونگھ کر رکھ دیا کرتا ہوں لیکن آپ کی کتاب میں تو مقناطیس ہے۔"

محررہ مکتوب ۱۷ر جولائی سنہ ۱۹۹۰ء نواب لاج مراد پور پٹنہ ۴۔ ۸۰۰۰۰

بنام مولانا وارث جمال قادری

ایشیا کے اتنے بڑے ادیب کے اس خراج تحسین کے بعد اب کچھ کہنا سورج کو آئینہ

دکھانے کے مترادف ہوگا۔

مولانا وارث جمال قادری کا آبائی وطن تو شمالی یوپی کے ضلع سدھارتھ نگر کا مشہور مقام موضع بڑھیا ہے۔ جسے رئیس الاتقیا حضرت علامہ مفتی بدرالدین قادری علیہ الرحمۃ کی آخری آرام گاہ ہونے کا بھی شرف و اعزاز حاصل ہے۔ جو شمالی یو۔ پی کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف سے جانب شمال چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مگر بیس برس سے زائد ہوا مستقل قیام بمبئی ہی میں ہے۔

تعلیمی زندگی کا زیادہ عرصہ بڑھیا، براؤں شریف میں گذرا۔ صدر العلماء حضرت سید غلام جیلانی میرٹھی سے خصوصیت کے ساتھ پڑھنے کی تڑپ انہیں میرٹھ لے گئی اور آخر میں دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور سے فراغت حاصل کی۔

شیخ العلماء علی الاطلاق حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی، استاذ العلماء حضور حافظ ملت، صدر العلماء حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی، امام الحکمت حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب مبارکپور، شیخ الاساتذہ حضرت علامہ مفتی شاہ بدرالدین احمد قادری، قدست اسرارہم، اور بحرالعلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ مدظلہ العالی شیخ الحدیث شمس العلوم گھوسی ضلع اعظم گڑھ مشہور اساتذہ میں سے ہیں۔

مولانا آل انڈیا تبلیغ سیرت کے جنرل سکریٹری اور مدرسہ غوثیہ فیض العلوم بڑھیا کے صدر ہیں۔ بمبئی میں سنیت کش تنظیم علماء کونسل کے ایک مختصر عرصے تک کے لیے سکریٹری بھی رہ چکے ہیں بالآخر جب مذہبی مضرت رسانیاں آشکار ہوگئیں تو قابل علماء کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ آپ اس تحریک سے الگ ہوگئے۔ اور پھر آل انڈیا تبلیغ سیرت کے پرچم تلے اس سنیت کش تحریک کے خلاف براءت کی ایک بڑی زبردست مہم چلائی۔ مولانا وارث جمال قادری کی سیاست حاضرہ پر بھی بڑی گہری نظر ہے۔ اور من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل کے مطابق دنیا کے ہر پل بدلتے حالات پر ان کی نگاہ ہے۔ ۱۹۸۹ء ہی سے وہ باقاعدہ سیاست ڈیل کر رہے ہیں پورے سنی بریلوی تشخص کے ساتھ۔ اپنے مسلسل جدوجہد سے سیاسی پارٹیوں اور ان کی قیادت کو سنی

بریلوی علماء کے وزن کو محسوس کرایا ہے۔
چنانچہ یہی وجہ ہے کہ الیکشن کے وقت ہر پارٹی کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ ہیں آل انڈیا تبلیغ سیرت کی حمایت حاصل ہو جائے۔
۱۹۹۰ء میں عراق وکویت کے قضیے میں جب اپنے بڑے بڑے جغادری حضرات مصلحتوں کے پیش نظر شس وپنج میں تھے تو مولانا نے مصلحتوں کی چادروں کو پھاڑتے ہوئے مردانہ وار عراق کی حمایت میں تبلیغ سیرت کو لے کر آگے بڑھے۔ اور بڑی برق رفتاری کے ساتھ ان لمحوں کو کیچ کیا۔ جن پر صدیاں تعمیر کی جاتی ہیں۔ چنانچہ دنیا نے اس آواز کی اثر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور آج اسی کی برکتوں کا فیضان ہے کہ آل انڈیا تبلیغ سیرت اپنے سنی بریلوی تشخص کے ساتھ ساتھ عالمی اسٹیج پوری قوت کے ساتھ نمودار ہوئی۔ اور بڑے بڑے وہابی، دیوبندی جغادری جو عراق میں سنی قادری بن کر ہندوستان کی نمائندگی کرتے تھے اور عراقی خزانے کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے تھے وہ ہمیشہ کے لئے بلیک لسٹ ہوئے۔ اور حقیقت کا سورج پوری شدت کے ساتھ طلوع ہوا۔ بیشک مولانا وارث جمال قادری اپنے دینی وقلمی خدمات کے سبب ایک عالمی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ اور یہاں بمبئی میں اپنی تجارتی مصروفیات کے ساتھ ساتھ دینی مذہبی سیاسی سماجی مصروفیات اس پر مستزاد مگر جب میں نے ان کے سامنے اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا بریلوی پر اپنے اس منصوبے کو رکھا تو انہوں نے بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ اور میری مخلصانہ گذارش پر یہ طویل مقالہ لکھ کر دیا جو مولانا موصوف کے شکریے کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الامام احمد رضا بین المدح والقدح

مولای صل وسلم دائما ابدا ❊ علی حبیبک خیر الخلق کلھم

از: مولانا محمد وارث جمال قادری جنرل سکریٹری آل انڈیا تبلیغ سیرت بمبئی و صدر مدرس غوثیہ فیض العلوم برھیا یو پی

عصر جدید کی قاموس المشاہیر اور شخصیات و رجال کے تذکرے کسی ایسی شخصیت سے اب تک آشنا ہی نہیں جس کی مدح و قدح تعریف و تنقیص توصیف و تعریض تکریم و توہین اور اس کے ہمہ جہت وجود کی نفی و اثبات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی طرح کی گئی ہو۔ جہاں آپ کی خداداد عظمتوں کو خراج تحسین و عقیدت پیش کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے (اور فہرست بھی کیسی؛ عرب و عجم حل و حرم کی بلند قامت کوہ پیکر و مشاہیر عالم شخصیتوں کی) وہیں آپ کی توہین و تنقیص بلکہ تذلیل اور آپ کی شان اقدس میں ہرزہ سرائی بیہودہ گوئی، اور آپ کی بے کراں و ہمہ جہت و ہمہ داں شخصیت کی نفی کرنے والوں کا بھی ایک طبقۂ خاص ہے جس کی ریشہ دوانیوں بیہودہ گوئیوں ہرزہ سرائیوں کا سلسلہ بھی دور تک پھیلا ہوا ہے۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے الدولۃ المکیہ عربی (اعلیٰ حضرت بریلوی) حسام الحرمین (اعلحضرت بریلوی) الاجازات المتینہ لعلماء البکۃ والمدینہ (مولانا حامد رضا خاں بریلوی) فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں (پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد) امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں۔ (مولانا یٰسین اختر مصباحی) انوار رضا۔ ناشر: ضیاء القرآن۔ معارف رضا۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی وغیرہ وغیرہ۔

جہاں آپ کے قصیدہ خوانوں اور آپ کی عبقری و بے پناہ محترم ذات کو خراج تحسین و عقیدت پیش کرنے والوں اور آپ کی مدحت سراؤں کا ایک بڑا مبارک و مربوط سلسلہ ہے جو براعظم ایشیا براعظم یورپ، براعظم امریکہ، براعظم افریقہ تک پھیلا ہوا ہے۔ وہیں آپ کے ہجو خواہوں، اذیت کوشوں، اور کردار کشی کرنے والوں کا ایک مختصر مگر بڑا منظم طبقہ بھی ہے۔ جس نے پٹرو ڈالر کے ذریعہ بڑی چابکدستی کے ساتھ آپ کی کردار کشی کی ایک تحریک چلا رکھی ہے۔ بیشک اصحاب فضل و کمال وارباب فکر و فن جہاں آپ کے شکوہ علمی، فکر اسلامی، استقامت فی الدین اور حب رسول پر انگشت بدنداں ہیں وہیں آپ کے حاسدین، مانعین، معاندین اور ظالمین نے بھی جرح و قدح، بہتان و افترار دجل و فریب دروغ گوئی مذمت و اذیت کا کوئی تیر اپنے ترکش میں باقی نہ رہنے دیا ؎

الزام تراشی کی ضرورت نہ تھی لوگو!
دینے کو سزا جرم محبت ہی بہت ہے

اور یہ سلسلہ ان کے عہد ہی سے چل پڑا تھا۔ اور اسی وقت سے آپ کے وجود کی نفی اور آپ کو مسلم امۃ سے الگ تھلگ کرنے کی جان توڑ کوشش کی گئی جس کے لئے زبان و قلم اور ذرائع ابلاغ کا استعمال ناجائز طور پر بڑی بے دردی کے ساتھ ہوا۔ آپ کے مخالفین و معاندین ابتدا ہی سے آپ کے خلاف کذب و افترار دمن گھڑت الزامات کا جو سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اس کے تعلق سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خود ہی فرماتے ہیں:

"عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علما اہلسنت کے فتاویٰ تکفیر کا کیا اعتبار یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر کے فتوے چھپا کرتے ہیں" (حسام الحرمین)

اور پھر الزام لگا کر خاموش نہیں بیٹھے بلکہ ہٹلر کے دست راست اور گوئلز کے قول کو کہ "ایک جھوٹ کو اتنی بار دہراؤ کہ وہ سچ معلوم ہونے لگے" دانتوں سے پکڑ لیا اور اسے بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ دہراتے رہے۔ اور جھوٹ وافترا کے اس ڈھول کو اپنا فریضہ

منصبی سمجھ کر بڑی بے شرمی کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ بیٹھے رہے۔ ڈھولیں پھٹتی رہیں بنتی رہیں ہاتھ تھکتے رہے اور ٹوٹتے رہے اس کی جگہ فوراً تازہ دم نئے ہاتھ اور مہیا ہوتے رہے اور اس خصوص میں ان کا ہر آدمی ناول نویس اور اخبار نویس سے لے کر شیخ وقت و شیخ الجامعہ رئیس التحریر و حضرت العلام تک اس حمام میں بے لباس نظر آئے۔ یا للعجب امام احمد رضا کی دشمنی میں بے لباس ہونے والوں کو اپنی اپنی حیثیتیں یاد نہ رہ گئیں۔ عبدالرزاق ملیح آبادی کے ذکر آزاد و رئیس احمد جعفری کے آزادیٔ ہند سے لے مولانا عبدالحئی و مولانا ابوالحسن علی ندوی کہ نزہۃ الخواطر ہو یا الشہاب الثاقب ہو یا اشد العذاب یا ابھی حالیہ عربی تصنیف البریلویہ یہ سب امام احمد رضا بریلوی کے مخالفین و معاندین کی وہ دست کاریاں ہیں کہ ان میں مکر و فریب کذب و افترا دروغ و بہتان کا سورج سوا نیزے پر دکھائی دے رہے ہیں ؎

کانٹوں سے کہو ہوشیار رہیں نورانی وہ سب پھرے ہیں
پہلے پھولوں کو ڈستے ہیں پھر بادِ صبا بن جاتے ہیں

ایک طرف تو مخالفین و معاندین تھے اور ہیں اور دوسری طرف حاسدین و مانعین تھے اور ہیں جو اپنے ہو کر بھی آنکھیں بچا کر کوئی نہ کوئی تیر چھوڑ دیتے ہیں جو معاندین و مخالفین و اعداء دین کو نا دانستگی میں ڈھال فراہم کرتے ہیں۔ یہ وہ چوٹ ہوتی ہے جو اپنی اہلیت میں بڑی منفرد اور بڑی کسک لیئے ہوتی ہے ؎

ہم کو چمن کے کانٹوں سے کوئی گلہ نہیں
پھولوں نے کر دیا مرے دامن کو تار تار

یہ جو اپنے ہیں، حسد نے جن کے نورِ بصیرت پر چادر ڈال رکھی ہے آؤ ان کے لیئے امام احمد رضا کے طریقے ہی کو اپنائیں۔

اک طرف اعدائے دیں، ایک طرف ہیں حاسدین
بندہ ہے تنہا شہا تم پہ کروروں درود
کر دو عدو کو تباہ، حاسدوں کو رو براہ
اہلِ ولا کا ہو بھلا تم پہ کروروں درود

اور جب ان کے عہد ہی میں آپ سے حسد و عناد نقطۂ عروج کی طرف بڑھنے لگا تو پھر اپنے آقا و مولیٰ حضور غوثیت کبریٰ جن کی حرمت و ناموس کا دم وہ زندگی بھر بھرتے رہے سے

میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد
ہند میں رہ کے بھی دیتا رہوں پہرہ تیرا

ان کی بارگاہِ قدس میں وہ فریادی ہوئے اور اپنے زخمِ دل کے لئے اپنے سرکار کی خاکِ قدم کو مرہم بنا لیا سے

خدارا مرہمِ خاکِ قدم دے ۔۔۔ جگر زخمی ہے دل گھائل ہے یاغوث
عدو بد دین مذہب والے حاسد ۔۔۔ تو ہی تنہا کا زورِ دل ہے یاغوث
حسد سے ان کے سینے پاک کر دے ۔۔۔ کہ بدتر دِق سے بھی یہ سِل ہے یاغوث
دیا مجھ کو انھیں محرومِ چھوڑا ۔۔۔ مرا کیا جرم حق فاصل ہے یاغوث
عطائیں مقتدر غفار کی ہیں ۔۔۔ فقط بندوں کے دل میں غل ہے یاغوث

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جہاں ان کے ثنا خوانوں کی فہرست میں اپنے بیگانے عقیدہ و مسلک سے اختلاف رکھنے والوں کی بلند قامت شخصیتیں بڑی تعداد میں نظر آتی ہیں وہیں بدخواہی اور اذیت کوشوں میں بھی اپنے دبیگانے دونوں نظر آتے ہیں۔ اوپر کے استغاثے کا یہ شعر کہ

عدو بد دین مذہب والے حاسد
تو ہی تنہا کا زورِ دل ہے یاغوث

اس حقیقت کی طرف مشیر ہے۔

برصغیر ہند و پاک کے نیم سیاسی بردہ فروشوں، مذہبی و نیم مذہبی سوداگروں ڈپلومیٹ دلالوں نے آپ کے خلاف کردار کشی بلکہ آپ کی ہمہ جہت وجود کی نفی کے لئے بڑی زبردست مہم چلائی۔ اور آپ کو تاریخ کی برگزیدہ شخصیتوں کی فہرست سے نکالنے کی بڑی کوششیں کی اور ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ تاموس المشاہیر میں کوئی کہیں جگہ نہ مل سکے۔ مگر سے

کھلنا کہیں چھپا بھی ہے چاہت کے پھول کا ۔۔۔ لی گھر میں سانس اور گلی تک مہک گئی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات سے بغض وعناد، حسد وعداوت اور عشق وعقیدت ادب واحترام اور آپ کے وجود با مسعود کی نفی و اثبات کی ناکام و کامیاب کوششوں کا اصل محور کیا ہے؟ اس انداز میں آپ کی مدح و قدح، تعریف و تنقیص کیوں کی گئی ایک محیر العقول اور قدسی صفات ذات اتنی متنازعہ فیہ کیوں بنادی گئی؟ اور ایک ہمالیائی وجود کو حیرت انگیز طور پر کیوں نظر انداز کیا گیا؟

اس کے بظاہر تین اسباب ہیں۔

(۱) علمی فکری توانائیوں اور دینی و ملی اولوالعزمیوں کی جولان گاہ میں آپ کی بے مثل انفرادیت!

(۲) احقاقِ حق وابطال باطل میں امامت کبریٰ کا منصب بلند!!

(۳) عشقِ رسول و حبّ آلِ رسول میں آپ کی یکتائی و بے نظیری۔!!!

یہی وہ حقیقی مدار اور یہی وہ بنیادی اینٹیں ہیں جس پر اس عبقری الشرق اور امامِ عشق و محبت کی قصر عظمت تعمیر ہوئی، جس کے گرد اہل محبت پروانوں کی طرح جمع ہو گئے۔ اور پورا سواد اعظم اور ان کا دل و دماغ آپ کے حضور خمیدہ سر ہو گیا۔ اور آج اکناف عالم میں ربع مسکوں پر شرق سے غرب تک حل سے حرم تک نت نئے فتنوں کی آماجگاہ میں حق کی شناخت اور معیار حق آپ کی ذات قرار پائی! اور یہی حقیقی اسباب ہیں آپ کی ذات سے عداوت و خشونت حسد وطعن اور نفرت و بیزاری کا بھی۔

بیشک تعریف و توصیف مدح و ثنا اور جرح و تنقید توہین و تنقیص کے اصل محور یہی ہیں۔

لہٰذا آپ کی ذات سے بے پناہ احترام و عقیدت اور سواد اعظم کی شدید وابستگی کو اور ساتھ ہی آپ سے خشونت و عداوت حسد و جلن اور نفرت و بیزاری کے اسباب کو اس پس منظر میں تلاش کرنا چاہیئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس عہد کے مذہبی سیاسی اور اقتصادی حالات نگاہوں کے سامنے ہوں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی ذات سے سواد اعظم اہلسنت وجماعت کے عوام

وخواص کی شدید وابستگی و بے پناہ احترام وعقیدت کی بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ انسان اپنی جبینِ عقیدت وہیں خم کرتا ہے جس سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے اور انسان متاثر کسی حسن سے ہی ہوتا ہے۔ خواہ وہ حسن داخلی ہو یا خارجی ظاہری ہو یا باطنی اس نظریے سے جب ہم اعلیٰحضرت امام احمد رضا کو دیکھتے ہیں تو وہاں حسن ہی حسن نظر آتا ہے۔ ہر طرف حسن کی چاندنی چھٹکی نظر آتی ہے۔ اندر کا حسن، باہر کا حسن ان کے علم وفضل کا حسن، ان کے اخلاص فی الدین کا حسن، ان کے ملی تڑپ کا حسن ان کے قومی درد کا حسن، ان کے عشق رسول کا حسن، ان کے حب آل رسول کا حسن، ان کے فنا فی غوث الاعظم کا حسن، ان کے رخ زیبا کا جمال اور ان کا ذاتی فضل وکمال دیکھنے والی آنکھیں تو اب نہیں رہ گئیں ہیں البتہ مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں کی شکل میں ان کے جمال وکمال کے آئینہ تمثال کو دیکھنے والے تو ابھی لاکھوں کی تعداد میں باحیات ہیں۔ ہاں ہاں وہی آئینہ حسن وخوباں جو فضل وکمال حسن وجمال جاہ وجلال میں الولد سر لابیہ کا مظہر اتم تھا ؏

وہ جدھر گذرا خدائی ساری اس کی ہوگئی!

دونوں شخصیتوں کو دیکھنے والی خوش بخت آنکھوں کا فیصلہ ہے کہ شہزادۂ اصغر یعنی حضور مفتی اعظم ہند اپنے عظیم المرتبت والد گرامی اعلیٰحضرت امام احمد رضا کے ہم شکل تھے۔ جبکہ برادر اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں فضل وکمال میں اپنے والد ماجد اعلیٰحضرت کے صحیح جانشین ہونے کے ساتھ ساتھ حیرت انگیز حسن وجمال سے مالا مال تھے انہیں دیکھنے والی آنکھوں کا بیان ہے کہ ان کا حسن وجمال کرامت کی منزل میں تھا۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ لاہور کا مناظرہ جو مشہور گستاخ رسول مولوی اشرفعلی تھانوی اور ان کے حوارین کے ساتھ طے تھا۔ جس میں علماء اہلسنت کی امامت وقیادت کرتے ہوئے جب آپ خود تشریف لائے۔ تو مولوی اشرفعلی صاحب کو سامنے آنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ سامنا کرنے سے ہمیشہ گریزپا رہے۔ چنانچہ آپ نے اہل محبت سے فرمایا کہ جاؤ مولوی اشرف علی سے کہدو کہ وہ آکر صرف مجھے دیکھ لیں۔ وہ ایمان لے آئیں گے کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ مگر مولوی صاحب اس کی بھی ہمت نہ کرسکے۔ گویا اعلیٰحضرت کے فرزند اکبر اور ان کی عظمتوں کے وارث وجانشیں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں حسن وجمال کے ایسے آئینہ تھے کہ انہیں دیکھ

نظریں دیکھنے والے خود آئینۂ حیرت بن جاتے ہیں ؎

گل ہو مہتاب ہو آئینہ ہو خورشید ہو میر
اپنا محبوب وہی ہے جو ادا رکھتا ہے

یوں امام احمد رضا اپنے وجود میں ایک جہان حیرت تھے اسی جہان حیرت کی ایک جھلک دیکھ کر ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کو کہنا پڑا کہ سنا کرتا تھا کہ علم لدنی کوئی چیز ہے آج آنکھوں سے دیکھ لیا۔

اور اگر ان تمام اوصاف وکمالات سے صرف نظر بھی کر لیا جائے تو ان سے محبت اور ان کی بارگاہ میں احترام وعقیدت کے لئے یہی وصف خاص بہت کافی ہے کہ وہ نہ صرف ایک عاشق رسول بلکہ فنا فی الرسول تھے۔ جس کا برملا اعتراف ان کے معاندین، و مخالفین کو بھی ہے اور ان کے حاسدین ومانعین کو بھی۔ ؎

جان ہے عشق مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں
پیش نظر وہ نوبہار سجدے کو دل ہے بیقرار
روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے

بریلی شریف جو ایک عالمگیر مرکز عقیدت ومحبت ہے اس کی حقیقی وجہ ہے کہ وہ مرکز حب رسول ہے۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

بریلی شریف جو سواد اعظم اہلسنت وجماعت کا ایک عالمگیر مرکز عقیدت ومحبت ہے۔ وہ اعلیٰ حضرت کے وجود باسعود کی بدولت کہ ان کی ذات ہی مرکز حب رسول تھی اور ان کا مسلک بھی حب رسول ہے۔ اور حق وباطل کے درمیان نشان امتیاز بھی آپ کی ذات ہے عشق وعرفان کے ساتھ ساتھ ان فتنہائے حشر کے ہجوم میں امام احمد رضا ایک کسوٹی اور پرکھ کے مترادف ہیں۔

یہ جو سارے عالم میں بریلی کا غلغلہ، اس کا شہرہ اس کا آوازہ گونج رہا تو کسی

یونیورسٹی، جامعہ و دارالعلوم کی بنیاد پر نہیں۔ بلکہ سارے عالم میں بریلی کی خوشبو جو پھیلی اس کا جو غلغلہ بلند ہوا وہ صرف اور صرف اعلیٰحضرت امام عشق و محبت سیدنا امام احمد رضا بریلوی کے وجود مسعود کی برکتوں سے بے شک ان کے وجود حیرت میں بیک وقت بڑی بڑی یونیورسٹیاں، جامعات و دانشکدے گم تھے۔

سارے جہان میں بریلی کی گونج اور اس کی مشکبوئی صرف اعلیٰحضرت کے علم و عرفان عشق و جدان کی بدولت ہے ؎

ہے مجھ سے گریباں گل صبح معطّر — میں عطر نسیم چمن باد صبا ہوں

ان سے کروڑہا کروڑ لوگوں نے ان کی بارگاہ میں عرب و عجم حل و حرم کے علماء و مشائخ اور ارباب فضل و کمال نے احترام و عقیدت پیش کیا۔ کہ وہ خود ہی سراپا محبت، سراپا ادب اور مجسم احترام تھے۔ ان کے رگ و پے سے محبت کے چشمے ابلتے تھے۔ وہ سرتاپا عشق ہی عشق تھے۔ ان کا مسلک ہی محبت تھا محبت رسول! زندگی بھر اسی کے لئے جئے اور اسی پر چلے۔ اور اسی پر خاتمہ بالخیر بھی ہوا ؎

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس اک جہاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

ان کا مسلک وہی حب رسول ہے جو آج مسلکِ اعلیٰحضرت سے پہچانا جاتا ہے۔ جس پر مخالفین و معاندین منکرین و مانعین حاسدین و ظالمین نے جانے کیسے کیسے حاشیے چڑھائے اور چڑھاتے ہیں اور چڑھاتے رہیں گے۔ ان کے مسلک محبت کا ایک انداز یہ بھی ہے ؎

دشمنِ احمد پہ شدت کیجئے — ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
مثل فارس زلزلے ہو نجد میں — ذکر آیات ولادت کیجئے
غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل — یارسول اللہ کی کثرت کیجئے
کیجئے چرچا انہیں کا صبح و شام — جانِ کافر پر قیامت کیجئے

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب | اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے
بیٹھتے اٹھتے حضور پاک سے | التجا و استعانت کیجئے
یا رسول اللہ دہائی آپ کی | گوشمال اہل بدعت کیجئے

ان کی محبت اور مسلک کا ایک رخ یہ بھی ہے ؛

سر سوئے روضہ جھکا پھر تجھ کو کیا | دل تھا ساجد نجدیا پھر تجھ کو کیا
بیٹھتے اٹھتے مدد کے واسطے | یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا
بے خودی میں سجدہ در یا طواف | جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا
ان کو تملیک ملیک الملک سے | مالک عالم کہا پھر تجھ کو کیا
ان کے نام پاک پر سب جان و مال | نجدیا سب تجدیا پھر تجھ کو کیا
نجدی مرتا ہے کہ کیوں تعظیم کی ؛ | یہ ہمارا دین تھا پھر تجھ کو کیا
دیو تم سے خوش ہے تو ہم کیا کریں | ہم سے راضی ہے خدا پھر تجھ کو کیا

اہلسنت وجماعت ہمیشہ چار طریقوں پر ہوتے چلے آئے ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی؛ اہلسنت کے چاروں راستے و طریقے برحق ہیں۔ امام احمد رضا مجتہدین کے تمام تر اوصاف کے باوجود وہ امام اعظم ابو حنیفہ کے ہی مقلد اور خود مذہب حنفیت کے ایک بڑے امام تھے۔ وہ سواد اعظم اہلسنت وجماعت کے ایک عظیم مقتدای امام اعظم ابو حنیفہ کے ایک بہت بڑے مؤید و مقلد اور طریقت میں حضور سیدنا غوث الاعظم کے طریقے پر سنی مشربًا قادری تھے۔ اہل باطل نے جب بڑے بڑے القابات کے ساتھ حنفیت کی چادر اوڑھ کر مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہا۔ تو اسی حنفیت کی صیانت کے لئے اسے امام احمد رضا کی نسبت دینی پڑی۔ گویا کہ دوسرے لفظوں میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ جو حنفیت امام احمد رضا کے حوالے سے سامنے آئے وہی حق ہے وہی مقبول ہے اور اسی کی اللہ کے نزدیک قرار واقعی حیثیت ہے۔ اور جو حنفیت دیوبند سے ہو کر آئے مردود بارگاہ و مردود خلائق ہے۔ کہ دیوبندیت خدا اور رسول سے بغاوت کا دوسرا نام ہے ؎

مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے | تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

اور اب اہل حق کی اصطلاح میں اہل حنفیت پوری حفاظت وصیانت کے ساتھ مسلکِ اعلیٰحضرت سے مترادف ہو کر رہ گئی ہے۔ لہٰذا اس دورِ فتن میں جب کبھی مسلک اعلیٰحضرت بولا جائے گا تو اس سے مراد مسلک امام اعظم ابو حنیفہ ہی ہو گا تاکہ وہ دیوبندیت کی آمیزش سے پاک و محفوظ رہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ امام احمد رضا مذہباً سنی، مسلکاً حنفی، اور مشرباً قادری ہیں۔ اس کے علاوہ مسلکِ اعلیٰحضرت پر کوئی اور حاشیہ مردود نامقبول ہے۔ جو عناد و حسد کے ساختانے کے سوا کچھ نہیں۔

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خوں چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

یہ تھی محبت اور اہل محبت کی باتیں۔ اب رہ گئیں امام احمد رضا سے عداوت وخشونت حسد وجلن اور نفرت و بیزاری ان کی کردار کشی اور ان کی شخصیت کی نفی کی باتیں اور مسلمانوں کو ان سے بہت دور کرنے کی سازشیں۔ اور اس کے لئے ان پر بے سروپا الزامات وبہتانات کہ ان کی کتابیں پڑھنا ناجائز و حرام وہ مروجہ بدعات ورسومات کے مجوز علمبردار بلکہ موجد کتابوں کا علم وتحقیق سے کوئی علاقہ نہیں ان کی تصنیفات میں صرف میلاد قیام، نذر و نیاز، فاتحہ چہلم عرس، گیارہویں، ندا ریا، غیر اللہ پر اور حاضر و ناظر جیسے فروعی مسائل پر زور۔

وہ بہت سخت مزاج لڑاکو اور شدت پسند تھے۔
انھوں نے ہندوستان میں کفر وفسق کا جھنڈا بلند کر رکھا تھا۔
وہ ہر اصلاحی تقریر کے دشمن تھے۔
وہ مسلمانوں کو کافر کہنے میں بہت بے باک تھے اور بات بات پر کفر کے فتوے لگایا کرتے تھے
وہ رسول اللہ کے علم کو علم الٰہی کے برابر مانتے تھے۔
وہ دشمنی خصومت میں بہت ہی سخت اور اپنی ذات واپنے علم پر بیجا غرور میں مبتلا تھے
تفسیر وحدیث میں معمولی علم رکھتے تھے۔

اور مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی بھرپور اور منظم کوششیں کی گئیں کہ وہ مکفر المسلمین تھے۔ (العیاذ باللہ)

اور بریلی میں انہوں نے کفر کی سازشیں نصب کر رکھی تھیں۔ وغیرہ وغیرہ

اور ان سارے معاملات کا جو سب سے بڑا المیہ ہے۔ وہ یہ کہ اس خصوص میں ایں قدر سے آں قدر تک سب کے سب بے ستر ہو گئے۔ یہ بازاری باتیں اور بے بنیاد الزامات و بہتانات اگر صرف سڑک چھاپ افسانہ و ناول نویس و اخباری کالم نگار و ڈرامہ نویس ہی تک ہوتی تو اس کے وہ اثرات ہی نہ مرتب ہوتے مگر امام احمد رضا کی دشمنی میں اندھے ہو کر بغیر کسی ہرف کے تیر چلانے والوں میں ایسے چہرے شامل ہیں جن کی حیثیت عرفی ایک مخصوص حلقے میں مسلم ہے، جو وقت کے شیخ الاسلام بھی کہلائے اور مفکر اسلام مورخ اسلام بھی۔ جن سنجیدگی و متانت و صلح جوئی و صلح کل کا ڈھنڈورا پیٹا گیا، اور اصحاب قلم، اصحاب تصنیف تالیف اور اصحاب زبان و بیان کی فہرست میں جنہیں دی گئیں، اور جنہیں قلم کے مزدور اور زبان و بیان کی روٹی کھانے والے بڑے فخر سے علامہ زمن مفکر اسلام، شیخ الاسلام مورخ اسلام جیسے خطابات سے نوازتے رہے۔ مگر یہی لوگ امام احمد رضا پر جب زبان و قلم کو حرکت دینے پر آئے! تو دیانت، متانت، سنجیدگی، شائستگی تہذیب و شرافت کا لباس اتار کر شارع عام پر بھری دوپہر میں ننگے ہو گئے۔ یہ سوچ اور اپنی حیثیت عرفی کا لحاظ کئے بغیر کہ جب ہمارے اس جھوٹے فریب مکر بہتان، افترا اور من گھڑت الزاما کا پردہ چاک ہوگا، تو ہم کہاں ہوں گے۔ امام احمد رضا کی دشمنی میں نہ تو احساس مذمت باقی رہ گیا اور نہ ہی پاس وقار ؎

تالیاں پٹتی ہیں بازار میں تیرے پیچھے!
تجھ کو احساس مذمت ہے نہ کچھ پاس وقار

اعلیٰحضرت امام احمد رضا کے خلاف کردار کشی کرنے والوں نیشلسٹوں، سیاسی بردہ فروشوں، قوم کے سوداگروں، اخبار ناول افسانہ و ناول نگاروں کی صف میں

شانہ سے شانہ ملائی ہوئی یہ شخصیتیں اور ان کے نام کیسے اور کتنے عجیب لگتے ہیں۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد ٹانڈوی، امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد۔ مورخ اسلام مولانا عبد الحئی حسنی۔ مفکر اسلام مولانا ابو الحسن علی ندوی۔ مولانا احسان الٰہی ظہیر وغیرہ وغیرہ رہ گئے حال کے این قدر تو ان کا ذکر ہی کیا یہ اساطین امت وہابیہ ودیابنہ ہیں جو محاسبۂ آخرت سے بے نیاز ہو کر اتنی نچلی سطح پر اتر آئے!! اور اس کے لئے ایک عالمگیر زبان جو کتاب وسنت اور فقہ و تفسیر کی بھی زبان ہے یعنی عربی زبان کو بھی استعمال کیا تاکہ اس زبان کے ذریعے عالمی سطح پر انہیں مذہبی دہشت گرد بنا کر پیش کیا جائے! ؎

قریب ہے یارو روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

اعلیٰحضرت کے خلاف محاذ بنانے والے سیاسی بردہ فروشوں اقتدارِ وقت کے دلالوں، چڑھتے سورج کے پجاریوں اور ان کی کردار کشی کو پیشہ آبائے سپہ گری بنانے والوں کے ان اقدام کو بھی تناظر میں دیکھنا ہوگا۔ جیسا کہ اوپر میں نے ذکر کیا۔

یعنی احقاق حق وابطال باطل میں امامت کبریٰ کا منصب بلند! وغیرہ وغیرہ اس پس منظر سے آگاہ ہونے اور صحیح حالات کے ادراک کے لئے اس عہد کے حالات وواقعات کا جاننا بہت ضروری ہے۔ قومی مذہبی سیاسی، اور اقتصادی حالات۔

اس وقت برصغیر ہند و پاک سیاسی، قومی، مذہبی فتنوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔

اعلیٰحضرت کے عہد سے بہت پہلے ہی سیاسی فتنے مذہبی ٹائیٹل لگا کر سر اٹھا چکے تھے۔ جس کی سرکوبی کے لئے شیر حق مجاہد حریت حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علماء فقہا محدثین ومتکلمین کی ایک مقدس جماعت لے کر میدان میں اتر چکے تھے۔ مگر چوں کہ وہ فتنے برطانوی استعمار کے سیاسی بطن سے تولد ہوئے تھے اس لئے حکومت برطانیہ کی عظیم قوت اسے توانائی فراہم کر رہی تھی! ان فتنوں کو مستقل زندگی دینے اور مسلمانوں کے شیرازی کو منتشر کرنے کیلئے حکومت برطانیہ نے شیران حق کی اس مقدس جماعت کے اندر خوف وہراس پھیلا کر انھیں

تتر بتر کر دیا سب سے پہلے ان کے قائد و سالار کو قید با مشقت میں ڈال کر جزیرہ انڈمان (کالا پانی) بھیج دیا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کے ایک رفیق کو طرح کے ہر اس منٹ کے ذریعہ میدان سے ہٹا دیا گیا۔ تاکہ وہ فتنے جڑ پکڑ لیں۔ تاکہ ان سے انتشار بین المسلمین کا کام لیا جا سکے

اعلیٰحضرت امام احمد رضا کے دور میں ہندوستان اس طرح کے فتنوں کا دنگل بن چکا تھا۔ انہیں تمام فتنوں کی سرکوبی کے لئے مولیٰ عزوجل نے اسی اجل عظیم (امام احمد رضا) کا انتخاب فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے مولیٰ عزوجل کی دی ہوئی توفیق سے اس طرح کے تمام فتنوں کا استیصال فرمایا اور ان کی مکمل سرکوبی فرمائی۔

تحریک مواخاتہ، تحریک ترک موالات، تحریک ہجرت، تحریک ترک گاؤکشی، تحریک خلافت مسئلہ قومیت، تحریک ندوہ، تحریک وہابیت، تحریک نیچریت وغیرہ وغیرہ یہ وہ سیاسی و نیم مذہبی فتنے تھے جو مغربی استعمار و ہندو سامراج کی خوفناک سازش کا نتیجہ تھے۔ اور جس کی حقیقی قیادت اور باگ ڈور دشمن کے ہاتھ میں تھی۔ امام احمد رضا کا سیاسی و مذہبی و قومی شعور وبالغ نظری اور سب سے بڑھ کر انکی فراست مومن پوری طرح چاک و چوبند تھی۔ وہ ایک عظیم دانائے راز تھے۔ ان کی فراست مومن اپنے زمانے سے بہت آگے زمان و مکان کی موٹی دیواروں اور دبیز پردوں کو چیر کر دیکھتی تھی۔

اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله فراستِ مومن سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق اک دانائے راز آید برون

پورے برصغیر کے مسلمان اس طرح کے حالات و معاملات میں صرف بریلی شریف کی طرف دیکھتے تھے کہ اعلیٰحضرت کی ذات دین سنیت و قوم و ملت کے عظیم محافظ کی حیثیت لئے ہوئے تھی۔ آپ کا وجود با مسعود سیاسی بردہ فروشوں اقتدار وقت کے دلالوں،

(نیسلسٹوں) نیم مذہبی، نیم سیاسی کاروباریوں کے راستے کی سب سے بڑی چٹان تھی جسے ہٹانا تو بڑی بات تھی۔ ہلا بھی نہیں سکتے تھے۔ اور نہ انہیں کسی قیمت پر خریدا جا سکتا تھا کہ بہت پہلے سے مع اہل خانہ من اب وجد بغداد شریف قطب ربانی محبوب سبحانی محی الدین جیلانی سیدنا غوث الاعظم پیران پیر دستگیر کی مقدس چوکھٹ پہ بک چکے تھے۔ اور اپنی نقد جاں ان کے قدموں میں پیش کر کے ہمیشہ کے لئے اپنے گلے میں اپنے آقا کی غلامی کا پٹہ ڈال لیا تھا۔ اور اپنے اس غلامی پر زندگی بھر وہ مفتخر و نازاں تھے ؎

تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھکو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا
میری قسمت کی قسم کھائیں سگان بغداد
ہند میں رہ کے بھی دیتا رہوں پہرا تیرا
بد سہی، چور سہی، مجرم و ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

جناح و اقبال جب دو قومی نظریئے کی سرحد ادراک تک بھی نہ پہنچے تھے اس سے بہت پہلے اعلیحضرت امام احمد رضا بستر علالت سے "المحجۃ الموتمنہ فی آیات الممتحنہ" کے ذریعے مسلمانوں کو یہ پیغام دے چکے تھے کہ امت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مستقل ایک قوم ہے۔ جس کا ابو لہب کی قوم سے کوئی تعلق نہیں۔

اور یہ پیغام ہندوستان کے مسلمان اچھی طرح سے ذہن نشین کر کے دلوں کے نہاں خانوں میں محفوظ بھی کر چکے تھے۔

چنانچہ وقت آنے پر مسلمانوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ بیشک امت رسول مستقل ایک قوم ہے۔ اعلیحضرت سیدنا امام احمد رضا کی دینی حمیت قومی غیرت اور سیاسی

بصیرت نے اقتدار وقت کے دلالوں ملت اسلامیہ کے سوداگروں کی تمام چالیں الٹ دیں۔ وہ اپنا ہی لہو چاٹتے رہ گئے، انہیں جب کچھ اور نہیں ملا تو آپ کے خلاف بہتان وافترا دجل وفریب کذب افترا کے پہاڑ کھڑا کرنا شروع کر دیئے۔

رہ گئی مذہبی فتنوں کی بات تو اس کی تفصیل بڑی دردناک ہے۔ دو جملوں میں! یہ تمام مذہبی فتنے سیاست ہی کی کوکھ سے نکلے ہوئے ہیں جو مغربی سامراج کی دین ہیں۔ آپ کے عہد میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی فتنہ خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو پنپ نہیں سکا۔ کلک رضا کے سامنے وہ بے دم ہو چکے تھے۔

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار!!
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

برصغیر ہند ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام صدر اسلام و مرکز اسلام مکہ معظمہ و مدینہ منورہ تک میں آپ کے علم وفضل اور عشق واخلاص کی دھوم تھی۔ بقول حضرت صدر الافاضل مفسر قرآن علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی

"موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا جس کی طرف تمام عالم اسلام کے حوادث ووقائع استفتار کے لئے رجوع کئے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کے فقہ کے فیصلے دے رہا تھا۔ وہیں تمام بدمذہبوں کے جواب بھی لکھتا تھا۔ اہل باطل کی تصانیف کا بالغ رد بھی کرتا تھا۔ اور زمانہ بھر کے سوالوں کا جواب بھی دیتا تھا۔"

یہی وجہ تھی کہ پورے برصغیر کا مسلمان اپنے مذہبی ودینی معاملات میں صرف بریلی شریف کی طرف دیکھتا تھا جو وہاں سے فیصلہ ہو جاتا اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتا۔ متحدہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے دلوں پر پورے ادب واحترام کے ساتھ امام احمد رضا کا قبضہ تھا۔ اس لئے جدھر وہ رخ کرتے ادھر ہی پورا برصغیر چل پڑتا۔ اعلیٰحضرت کا ایک جنبش قلم ساری بساط الٹ دیتا تھا۔ اس صورت حال سے امام احمد رضا

کے حریف بہت پریشان رہا کرتے تھے اور رات دن اسی سوچ و فکر میں لگے رہتے کہ مولانا احمد رضا خاں سے کیسے دور کیا جائے۔

چنانچہ بڑے منظم اور منصوبہ بند طریقے سے بیک وقت کئی محاذوں پر آپ کے خلاف تحریک چلائی گئی۔ کردار کشی کی تحریک اور آپ کے خلاف کذب و افترا دجل و فریب بہتانات و الزامات کا کاروبار جنگی پیمانے پر پھیلایا گیا۔ اور ایسی ایسی بے سر و پا باتیں آپ کی ذات سے منسوب کر دی گئیں جس کا دور دور سے آپ سے کوئی علاقہ ہی نہیں تھا۔ اور اس کے لئے زبان و قلم اور پریس کا ناجائز استعمال بڑی بے دردی کے ساتھ کیا گیا۔ اور ہٹلر کے دست راست گوئبلز کے اس فارمولے پر بڑی سختی سے عمل کیا گیا کہ ؎

"ایک جھوٹ کو اتنی بار دہراؤ کہ وہ سچ معلوم ہونے لگے"۔

دینی مذہبی سیاسی رہنمائی اور احقاق حق و ابطال باطل کا جو فریضہ آپ نے انجام دیا۔ اس کی پاداشں میں باطل قوتوں، اقتدار وقت کے دلالوں، اور ملی سوداگروں نے آپ کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنا لیا تھا۔ اور اس امام برحق کے خلاف اندر سے باہر تک سینہ سپر ہو گئے اور آپ کے خلاف وہ سارے ہتھکنڈے استعمال کئے گئے جو انسانی امکان میں تھا آپ کے خلاف فرضی لٹریچروں کا طوفان کھڑا کر دیا گیا حد یہ کہ آپ کے نام کو مذہبی دہشت گردی کی علامت قرار دے دیا گیا۔ اور آپ کی حیرت انگیز کوہ پیکر قد آور علمی و دینی شخصیت کو طرح طرح کے الزامات سے ڈھک دینے کی پوری کوشش کی گئی۔ اور اس کے لئے اردو زبان کے ساتھ ان زبانوں کو بھی استعمال کیا گیا۔ جو عالمگیر اور آفاقی ہیں۔ کیوں کہ آپ کی شخصیت بھی ایک عالم گیر و آفاقی شخصیت تھی۔ خصوصاً عربی زبان کو اس زبان میں آپ کے خلاف ضخیم کتابیں لکھائی گئیں۔ اور اسے پوری دنیا میں مفت تقسیم کیا گیا جسے احسان الٰہی ظہیر پاکستان کی "البریلویہ" وغیرہ پھر یہ کوشش اندر اندر اس حد تک ہو گئی کہ سواد اعظم اہلسنت وجماعت کو بریلویت کے عنوان سے قادیانیت کے طرز پر خارج از اسلام کر دیا جائے۔ جس میں سعودی عرب کو ایک کلیدی کردار ادا کرنا تھا۔

جس کے لئے زمین ہموار کرنا شروع کر دی گئی تھی۔ اور اس کے لئے بعض عرب ریاستوں کے کثیر الاشاعت عربی مجلّے اس طرح کے مضامین چھاپنے شروع کر دیئے تھے۔ خارج از اسلام فرقوں، جیسے وہابی، بہائی، مرزائی، یعنی وہابیت، بہائیت، قادیانیت کے بعد البریلویت کا نمبر آچکا تھا۔ یہ تو کویت پر عراق قہرِ الٰہی بن کر نہ نازل ہو گیا ہوتا اور سعودی عرب کویت وغیرہ اپنے بقا کی جنگ میں نہ مصروف ہو جاتے تو اب تک اس محاذ پر کچھ نہ کچھ ہو چکا ہوتا۔ قاتلہم اللہ انّی یوفکون!

یہ سب کیوں اور کس لئے! اس کی تفصیل وتحقیق کے لئے اس عہد کے حالات کا جاننا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔ اسلام کے خلاف سیاسی ونیم سیاسی ومذہبی فتنوں کا پس منظر، اور اس کے برخلاف امام احمد رضا بریلوی کا جہاد بالقلم اور ان کے خلفاء تلامذہ اہل محبت (جو بڑی بڑی حیثیتوں کے حامل تھے) ان کی بے مثال قربانیاں اور اس راہ محبت میں ان کی عزیمت واستقامت! اس کا علم بھی ضروری ہے۔ اعلیٰحضرت کے خلاف ان محرکات اور مذہبی وسیاسی، قومی فتنوں کی تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف

تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغوای۔ فضل حق۔ علامہ ومجاہد اعظم، سیف الجبار۔ فضل رسول بدایونی، علامہ، تنزیہ الرحمن عن شائبۃ الکذب والنقصان۔ احمد حسن کانپوری۔ مولانا، امتناع النظیر۔ فضل حق علامہ ومجاہد اعظم۔

عله حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین۔ احمد رضا خاں، امام ومجدد۔ المعتمد المستند احمد رضا خاں، امام ومجدد، انفس الفکر فی قربان البقر۔ احمد رضا خاں۔ امام ومجدد۔ فتویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین۔ احمد رضا خاں۔ امام ومجدد، سوانح اعلیٰحضرت بدرالدین احمد قادری۔ محقق وعلامہ۔ فتاویٰ رضویہ جلد ششم۔ احمد رضا خاں، امام ومجدد۔ المحجۃ المؤتمنۃ فی آیات الممتحنۃ، احمد رضا خاں۔ امام ومجدد، النور۔ سید سلیمان اشرف بہاری۔ پروفیسر وعلامہ۔ الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ۔ امام احمد رضا خاں۔ امام ومجدد، فاضل بریلوی اور ترک موالات۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر وپروفیسر، تحریک آزادی ہند، والسواد الاعظم، محمد مسعود احمد، ڈاکٹر وپروفیسر، خون کے آنسو۔ مشتاق احمد نظامی۔ علامہ، تاریخ تناولیاں۔ سید مراد مورخ، امتیاز حق۔ راجہ غلام محمد مبصر۔ سید احمد شہید کی صحیح تصویر۔ وحید احمد مسعود بدایونی، پروفیسر،

رجوع کریں۔

بیشک یہ موضوع ایسا ہے جس پر ایک مبسوط کتاب کی ضرورت ہے۔ یہ مختصر سا مقالہ اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ دیدۂ بینا رکھنے والے با صلاحیت اور اہل قلم سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اس کوچۂ محبت میں ضرور قدم رکھیں اور اس موضوع پر اپنے نگارشات پیش کریں۔ میری خود بھی خواہش ہے کہ مولیٰ عزوجل میرے ہی وقت میں اتنی برکت عطا فرمادے اور میری ہمہ جہت مصروفیات سے اتنا وقت و توفیق عطا فرمادے کہ میں خود اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کر سکوں۔

اب ہم اعلیٰحضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی مدح و قدح تعریف و تنقیص، تنقید و تعریض پر مشتمل ان شخصیتوں کے اظہار خیال کا اقتباس پیش کریں گے جو اپنی اپنی صفوں میں بہت نمایاں و ممتاز ہیں۔ جو اظہار عقیدت بھی ہے اور اظہار حقیقت بھی! جو جرح و تنقید بھی ہے اور تعریف و تنقیص بھی!

جس کی ابتداء ہم مکہ معظمہ (زاد اللہ شرفاً و اجلالاً) سے کر رہے ہیں۔

مکہ معظمہ کے فقیہ جلیل حضرت مولانا سید اسمٰعیل خلیل محافظ کتب خانہ حرم اعلیٰحضرت

(گذشتہ حاشیہ کا بقیہ) رسالہ ترک گاؤکشی: خواجہ حسن نظامی۔ مولانا؛ تحقیق حقائق بالاکوٹ: شاہ حسین گردیزی محقق انوار کنز الایمان: محمد وارث جمال قادری۔ مولانا؛ زلزلہ: ارشد القادری: علامہ؛ اسباب زوال مسلم: حسنین رضا خاں بریلوی مولانا؛ انوار رضا: ادارہ ضیاء القرآن پاکستان۔ اختلاف بین المسلمین اور اس کا پس منظر۔ محمد وارث جمال قادری۔ مولانا اتحاد بین المسلمین: عبدالستار خاں نیازی: مولانا۔ امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات: یٰسین اختر مصباحی۔ مولانا۔ اسباب زوال مسلمان در ملک ہندوستان: سید حیدر حسین اشرفی؛ علامہ، و شیخ طریقت؛ الطاری الداری لہفوات عبدالباری حضور مفتی اعظم احمد رضا خاں۔ امام و مجدد دین۔ شمس التواریخ: سید حیدر حسین اشرفی: علامہ و شیخ طریقت؛ الصمصام القاضب لراس المفتر علی اللہ الکذب: سید برکات احمد ٹونکی حکیم و مولانا۔ عجالت الراکب فی امتناع کذب الواجب: محمد عبداللہ ٹونکی مولانا و مفتی؛ فاضل بریلوی اور امور بدعات: فاروق القادری۔ پروفیسر؛ اعلاء کلمۃ الحق۔ مہر علی شاہ گولڑوی۔ صد آئندہ

کے ایک فتوے کے صرف چند اوراق ملاحظہ فرماکر پھڑک اٹھے اور فرمایا ؎

"واللہ اقول والحق اقول لو رأھا ابوحنیفۃ النعمان رضی اللہ عنہ

لاقرت عینہ ولجعل مولفھا من جملۃ الاصحاب"۔[1]

بخدا میں بالکل سچ کہتا ہوں کہ اگر امام اعظم ابوحنیفہ اس فتوے کو ملاحظہ فرماتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ اور وہ صاحب فتویٰ یعنی اعلحضرت امام احمد رضا کو اپنے تلامذہ و اصحاب میں شامل فرمالیتے۔ (یعنی امام قاضی ابو یوسف امام محمد امام زفر کی صف میں)

حضرت صدر الافاضل:۔ علم فقہ میں جو تبحر و کمال حضرت ممدوح کو حاصل تھا اس کو عرب و عجم مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کریں۔ تفصیل تو ان کے فتاوی دیکھنے پر موقوف ہے مگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں یہ سمجھئے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا۔ جس کی طرف تمام عالم اسلام کے حوادث و وقائع استفتاء کے لئے رجوع کئے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کے فقہ کے فیصلے دے رہا تھا۔ وہی تمام بدمذہبوں کے جواب بھی لکھتا تھا۔ اہل باطل کے تصانیف کا بالغ رد بھی کرتا تھا۔ اور زمانہ بھر کے سوالوں کا جواب بھی دیتا تھا اعلحضرت کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں ان کی نظیر آنکھوں نے نہ دیکھی ہے۔[2]

حضرت محدث اعظم ہند:۔ اللہ تعالیٰ کا ایک مقبول بندہ اور رسول پاک کا سچا نائب علم کا جبل شامخ اور عمل صالح کا اسوۂ حسنہ، معقولات میں بحر ذخار، منقولات میں دریائے ناپیدا کنار، اہل سنت کا امام، واجب الاحترام اور اس صدی کا باجماع عرب و عجم مجدد، تصدیق میں صدیق اکبر کا پرتو، باطل چھانٹنے میں فاروق اعظم کا

گذشتہ حاشیہ کا بقیہ:۔ شیخ طریقت مرشد کامل و علامہ: الفتوحات الصمدیہ۔ مہر علی شاہ گولڑوی۔ شرح تحفۂ محمدیہ رد فرقہ مرتدیہ: سید اشرف علی گلشن آبادی۔ مولانا: ازالۃ الشکوک والاوہام: فخر الدین الہ آبادی حکیم و مولانا۔ و غیرہ و غیرہ۔ [1] الاجازات المتینۃ لعلماء البکۃ المدینہ مطبوعہ لاہور پاکستان ص ۲۵۸ [2] انوار رضا ص ۶۸ مطبوعہ لاہور پاکستان

مظہر، رحم وکرم میں ذوالنورین کی تصویر، باطل شکنی میں حیدری شمشیر، روایت فقہ، و درایت میں امیرالمؤمنین، اور سلطنت قرآن وحدیث کا مسلم الثبوت وزیر المجتہدین اعلحضرت علی الاطلاق، امام اہلسنت فی الآفاق، مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ واعلم العلماء عند العلماء وقطب الارشاد فی لسان الاولیاء مولانا ذی جمیع الکمالات اولٰئیا فانی فی اللہ وباقی باللہ عاشق کامل رسول اللہ مولانا الشاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ ورضی اللہ عنہ وارضاہ۔ تیرھویں صدی کی یہ واحد شخصیت تھی جو ختم صدی سے پہلے علم وفضل کا آفتاب ہو کر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب وعجم پر چھا گئی اور چودھویں صدی کے شروع ہی میں پورے عالم اسلامی میں اس کو حق وصداقت کا مینارہ نور سمجھا جانے لگا۔ میری طرح سے سارے حل وحرم کو اس بات کا اعتراف ہے کہ اس کے فضل وکمال کی گہرائی اور اس کے علم راسخ کے کوہ بلند کو آج تک کوئی پامال نہ کر سکا۔ [1]

اب ہم ان حضرات کے خیالات وآرا وتاثرات پیش کر رہے ہیں۔ جو اعلحضرت امام اہلسنت سے عقیدہ ومسلک میں اختلاف رکھتے ہیں۔ اور کچھ نہ صرف اختلاف بلکہ عناد بھی رکھتے ہیں۔ جیسے ابوالحسن علی ندوی مگر اپنی صفوں میں قابل ذکر خصوصی اہمیت کے حامل اور ممتاز مانے جاتے ہیں۔ یوں تو ایسے حضرات کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ مگر ہم یہاں صرف چند ہی کا ذکر کریں گے۔ وہ بھی اختصار کے ساتھ تاکہ موضوع زیادہ پھیلنے نہ پائے۔

مولوی نظام الدین فقیہ احمد پوری: یہ وہابی فاضل تفقہ میں کافی درک رکھتا تھا اور

---

[1] مجدد اعظم ص۲-۳ ماہنامہ تجلیات ناگپور۔ خطبۂ صدارت بر جشن مجدد اعظم از:۔ محدث اعظم در شہر ناگپور، ماہ شوال المکرم ۱۳۷۹ھ۔

اپنے معاصرین علمار دیوبند میں سے کسی کو تفقہ میں اپنا ہمسر نہیں سمجھتا تھا۔ اور حقیقت بھی یہ تھی کہ علمار دیو بند میں اس کے زمانے میں کوئی اس لائق تھا بھی نہیں۔ جو اس سے دعوی ہمسری کر سکتا۔

امام علم المیراث سراج الفقہا حضرت علامہ سراج احمد صاحب علیہ الرحمہ ساکن قصبہ مکھن پور بیلہ ضلع رحیم یار خاں ریاست بھاول پور پاکستان کی اسی وہابی فاضل ملا نظام الدین سے ملاقات ہوگئی۔ اب آگے حضرت موصوف ہی سے سماعت فرمائیں۔

" مولوی نظام الدین فقیہ احمد پوری وہابی جو تفقہ میں اپنے ہم عصر علمار دیوبند وغیرہ میں اپنے جیسا کسی کو فائق نہیں سمجھتا تھا فتاوٰی رشیدیہ کے اس فتوے پر کہ "صحیح حدیث کے مقابلے میں قول فقہار پر عمل نہ کرنا چاہیئے"۔ اس کے سامنے میں نے رسالہ " الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی" مصنفہ اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی اوراق منازل حدیث کے سنائے تو اس نے کہا کہ "یہ سب منازل حدیث مولانا احمد رضا کو حاصل تھے۔ افسوس میں مولانا کے زمانہ رہ کر بے خبر و بے فیض رہا"۔ پھر میں نے اس وہابی عالم کو رسائل رضویہ سے چند فقہ میں جوابات سنائے تو کہنے لگا " علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا احمد رضا کے شاگرد ہیں۔ یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتا ہے"۔

مشہور مؤرخ اور ممتاز صاحب قلم جناب مولانا عبد الحئی حسنی رائے بریلوی نے علمار ہند کے حالات پر مشتمل ایک تاریخ عربی زبان میں " نزھۃ الخواطر وبھجۃ المسامع و النواظر"، کے نام لکھی۔ جو کافی مبسوط اور کئی جلدوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ اسی کتاب کی آٹھویں جلد میں " المفتی احمد رضا البریلوی"، کے عنوان سے کئی صفحات پر اعلحضرت امام احمد رضا کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ اصولی طور پر یہ کتاب مولانا عبد الحئی صاحب ہی کی ہے مگر

اس کو نئے سرے سے نئی ترتیب دتکمیل اور تزئین میں ان کے صاجزادے مولانا ابوالحسن علی ندوی کا ہاتھ زیادہ ہے۔ خاص کر اعلحضرت کے تذکرے میں آپ کے فنکارانہ ہاتھوں نے کافی مہارت دکھائی ہے۔ اور "چہ دلاور دزدے برکف چراغ دارد" کی جلوہ سامانیو کا مظاہرہ بڑی بے شرمی کے ساتھ کیا ہے۔ ع

ارے مجھ کو کھائے تپ سقر ترے دل میں کس سے بخار ہے

مولانا عبدالحئی صاحب چوں کہ ایک مورخ تھے اور انہیں اپنی ذمہ دارانہ حیثیت کا احساس تھا۔ اس لئے اعلحضرت کے حالات لکھتے وقت انہوں نے اپنے عقیدہ و مسلک کو سدراہ نہیں ہونے دیا۔ اور یہی ایک مورخ کا فریضۂ منصبی بھی ہے بخلاف صاجزادے علی میاں ندوی کے جو اپنے باپ کی شہرت و ناموری کو زینہ بنا کر علمی حلقوں تک پہنچے اور وقت و حالات اور قحط الرجال نے انہیں اپنی جماعت کے اندھوں میں کانا راجہ بنا دیا۔ آپ کے اندر وہابیت کے جراثیم بہت زیادہ ہیں اور اسی مقدار میں تعصب و عناد و بے ضمیری، بددیانتی، کے امراض نے آپ پر سخت حملہ کر رکھا ہے اور آں جناب ایک لاعلاج مریض کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت آپ امام الوہابیہ فی الہند ہیں۔ حالیہ معرکۂ خلیج کے قبل آپ کے دونوں ہاتھوں میں موتی چور نہیں بلکہ سیاسی سونے کے لڈو ہوا کرتے تھے۔ خلیج کی عرب ریاستوں اور حکومت ہند نے آنجناب کو بڑی حیثیت دے رکھا تھا۔ مگر معرکہ عراق و امریکہ نے اس طرح کے تمام بازیگروں کے چہروں کو دن کے اجالے میں بے نقاب کر دیا ہے۔ عرب ریاستوں میں آپ کی مصنوعی قرار واقعی حیثیت دو کوڑی کی بھی نہیں رہ گئی۔ جس کی وجہ سے حکومت ہند نے بھی آپ کو راندۂ بارگاہ قرار دے دیا ہے۔ جس میں آل انڈیا تبلیغ سیرت کی مساعیٔ جمیلہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ اور اب تو کرب انگیز تنہائیوں اور مایوس و ناکام حسرتوں کے ہجوم میں مضطر خیر آبادی ہی کام آ رہے ہوں گے۔ ؎

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی بھی کام نہ آسکے میں وہ ایک مشت غبار ہوں
مرا رنگ وروپ بگڑ گیا مرا یار مجھ سے بچھڑ گیا
جو خزاں چمن سے گذر گیا میں اسی کی فصل بہار ہوں
پئے فاتحہ کوئی آئے کیوں کوئی آکے شمع جلائے کیوں
کوئی چار پھول چڑھائے کیوں میں تو بے کسی کا مزار ہوں

چنانچہ نزہتہ الخواطر میں اعلحضرت کے تذکرے کے ضمن میں ایک سازش کے تحت آپ نے بڑی گندگی پھیلائی ہے۔ اور جن لوگوں نے ان کے قلم کی بلندیاں ملاحظہ کی ہیں وہ ان کی اس پستی و دیانت وذلالت پر حیران ہیں۔ اپنے نامور والد کے برعکس وسیع النظری فراخدلی، وضع داری، روا داری کے قریب بھی پھٹکے نہیں آپ انصاف ودیانت اور تاریخ ووقایہ نگاری کے مسلمہ اصولوں کو بڑی بے رحمی کے ساتھ پامال کیا ہے۔ باپ بیٹے دونوں کا انداز ملاحظہ ہو۔ مولانا عبدالحئی فرماتے ہیں۔ ؎

"الشیخ العالم المفتی احمد رضا بریلوی بن نقی علی بن رضا علی الخ"

ابتدائی مضمون میں آپ کا مختصر نسب نامہ ولادت، وطنیت ابتدائی حالات تحصیل علم کے تذکرے کے بعد آپ کی تعلیمی فراغت اور خداداد صلاحیتوں کی ایک جھلک پیش کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

حتی برع فی العلم وفاق اقرانہ فی کثیر من الفنون لاسیما الفقہ والاصول یہاں تک کہ وہ تعلیم سے فارغ ہوئے اور بیشتر علوم و فنون پر انہوں نے مہارت حاصل کی۔ خصوصاً فقہ واصول میں اپنے معاصرین پر فوقیت لے گئے۔

یہ اظہار حقیقت مضمون کے ابتدائی حصے کے ہیں جس میں بڑی فراخ دلی کے

کے ساتھ اس نامور و حقیقت پسند مؤرخ و صاحب طرز و صاحب قلم مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمانے کے سارے اہل کمال پر اعلیٰحضرت کی علمی فضیلت و برتری کو ظاہر کیا۔

اب ذرا اعلیٰحضرت کے زمانہ کے نامور علماء کی ایک بے حد مختصر فہرست کو ملاحظہ فرماتے چلیں۔

حضرت علامہ عبدالحق خیرآبادی بن حضرت فضل حق خیرآبادی۔
ابوالحسنات مولانا عبدالحئی فرنگی محلی۔
مولانا شاہ عبدالرزاق فرنگی محلی۔
مولانا شاہ ارشاد حسین مجددی رام پوری۔
تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی۔
استاذ العلماء مولانا ہدایت اللہ خاں جون پوری۔
استاذ العلماء حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی۔
مولانا سید سلیمان اشرف بہاری۔
مولانا احمد حسن کانپوری
مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔
مولانا وصی احمد محدث سورتی

دیوبندی علماء کی فہرست

مولانا رشید احمد گنگوہی	مولانا محمد قاسم نانوتوی
مولانا خلیل احمد انبیٹھوی	مولانا اشرف علی تھانوی۔
مولانا علی احمد محدث سہارنپوری۔	مولانا نذیر حسین دہلوی
مولانا انور شاہ کشمیری۔	مولانا محمد یعقوب نانوتوی
مولانا محمود الحسن دیوبندی	نواب صدیق حسن قنوجی۔ وغیرہ وغیرہ۔

پھر کم سنی میں آپ کی حج و زیارت اور وہاں (یعنی مکہ معظمہ و مدینہ منورہ) علماء

ومشائخ کا آپ کے ساتھ غیر معمولی اعزاز واکرام وحیرت انگیز پذیرائی، پھر ہندوستان واپسی اور پھر یہاں پر آپ کی علمی مشغولیت کا تذکرہ کر کے بعد رقمطراز ہیں۔

"وسافر حرمین الشریفین عدة مرات وذاکر علماء الحجاز فی بعض المسائل الفقهیه والکلامیه والف بعض الرسائل اثناء اقامته واجاب عن بعض مسائل التی عرضت علی علماء الحرمین وعجبوا بغزارة علمه وسعة اطلاعه علی المتون الفقهیه والمسائل الاختلافیه وسرعة تحریره ذکائه"

اور انہوں نے حرمین شریفین کا سفر متعدد بار کیا۔ دوران قیام وہاں پر بعض فقہی وکلامی مسائل پر علماء حجاز سے مذاکرہ بھی کیا۔ اور وہیں پر چند کتابیں بھی مرتب فرمائیں نیز علماء حرمین کی خدمت میں پیش شدہ بعض سوالوں کا جواب بھی لکھا۔ جسے پڑھ کر حضرات (یعنی حرمین شریفین کے جلیل القدر علماء ومشائخ) ان کی علمی گہرائی اختلافی مسائل وفقہی متون پر دسترس۔ اور آپ کی سرعتہ تحریر اور ذکاوت طبع سے حیرت میں پڑ گئے۔

مولانا عبدالحئی صاحب نے جن حقیقتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کی تفصیل کافی طویل ہے۔ جس کے لئے الگ سے ایک مقالہ درکار ہے۔ مولانا موصوف کے پیش کردہ حقائق بغیر کسی تبصرے کے بات آگے بڑھ رہی ہے کہ وقت وصفحات کی تنگی دونوں دامن گیر ہے۔

بے شک مولانا عبدالحئی صاحب نے ایک غیر جانبدار مورخ کی طرح مورخانہ فراخدلی ووسعت قلبی کا مظاہرہ تو نہیں کیا ہے مگر اس راہ میں اپنے مسلک وعقیدہ کو سد راہ بھی نہیں ہونے دیا ہے۔ اور اعلیحضرت کے خلاف ایک زبردست وتاریخی بغض وحسد وعناد کے گھٹا ٹوپ اندھیرے اور آپ کے خلاف کذب وافترا دجل وفریب

کے وادیٔ ظلمات میں مدھم سی امید کی لو ہی بڑی غنیمت ہے کہ ؎

امید کی مدھم سی اک لو ہو تو پیاری ہے
یہ ایک کرن تنہا ظلمات پہ بھاری ہے

ویسے بھی علمائے ہند کے حالات پر مشتمل نزہۃ الخواطر کے یہ غیر معمولی مجلدات اعلیٰحضرت کے تذکرے کے بغیر ادھورے و نامکمل ہوتے۔ اپنے مورخانہ مقاصد کی تکمیل ہی کے لئے سہی تعصب و عناد کے گھٹن سے پُر ماحول میں حقائق وہ بھی تلخ و بے رحم حقائق کی ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلی تو تعصب و عناد اور کردار کشی کے اس لنکا میں کوئی تو ترپن گز کا نکلا۔¹

مگر صاحبزادے میاں ابوالحسن علی ندوی سے اپنے والد بزرگوار (جن کی شہرت و ناموری کو میاں جی نے اپنی شہرت کا زینہ بنایا۔) سے اتنا بھی سچ اور حقیقت کی اتنی چھوٹی سی کھڑکی کھلی نہیں دیکھی گئی۔ ان کی پر تعصب رگ وہابیت پر چوٹ پڑی، تلملا اٹھے اور اس مقدس تذکرے کو اپنی طرف سے الحاق کرتے ہوئے یوں طلوع ہوئے۔

"کان متشددا فی المسائل الفقھیۃ والکلامیۃ متوسعا ومسارعا فی التکفیر قد حمل لواء التکفیر والتفریق فی دیار الھند فی عصرہ الاخیر"

وہ فقہی وکلامی مسائل میں متشدد تکفیر کے دائرہ کو (بات بات میں) پھیلانے والے اور اس معاملہ میں جلد باز واقع ہوئے تھے۔ آخر عمر میں انہوں نے ہندوستان میں تکفیر و تفریق کا جھنڈا بلند کر رکھا تھا۔

آہ! کتنے بڑے جھوٹ کا پہاڑ ظالم نے کھڑا کر دیا۔ اور پھر چند قدم آگے بڑھ کر سمندر سے

---

¹ ایک کہاوت ہے کہ لنکا میں سب باون گز کے۔

بھی بڑا جھوٹ گڑھا۔

"کان یعتقد بان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعلم الغیب علما کلیا"۔ اور ان کا عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کا کلی علم رکھتے ہیں۔

کبرت کلمۃ تخرج من افواھم الا کذبا، فلعنۃ اللہ علی الکذبین:

یہ سراسر کذب وافترا ہے۔ انہوں نے اس تعلق سے اپنا عقیدہ اپنی معرکۃ الآراء و تاریخی تصنیف الدولۃ المکیہ، (عربی) میں ظاہر کر دیا ہے۔ اور وہ بھی حرمین طیبین کے جلیل القدر علماء و مشائخ کے سامنے۔ اور اپنی اردو تصنیف ابناء المصطفےٰ و خالص الاعتقاد میں بھی علم غیب کے تعلق سے اپنا عقیدہ بیان فرمایا ہے۔

"علم ذاتی اللہ عز و جل سے خاص ہے اس کے غیر کے لئے محال۔ جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔"
(خالص الاعتقاد)

"علم الٰہی ذاتی ہے اور علم خلق عطائی، وہ واجب، یہ ممکن، وہ قدیم یہ حادث وہ نامخلوق یہ مخلوق وہ نا مقدور یہ مقدور وہ ضروری البقاء یہ جائز الفناء"
(ابناء المصطفےٰ)

"اگر تمام اہل علم اگلوں، پچھلوں سب کے علوم جمع کئے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصّوں سے ایک حصّے کو دس لاکھ سمندر سے۔" (خالص الاعتقاد)

"ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں اور نہ غیر کے لئے بالذات جانیں اور عطائے الٰہی سے بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع۔ (خالص الاعتقاد)

کان عالماً متبحراً کثیر المطالعۃ واسع الاطلاع لہ قلم سیال وفکر

حامل فی التالیف۔ الخ، مولانا عبدالحئی وہ ایک متبحر عالم تھے۔ جن کی معلومات وسیع اور مطالعہ بہت زیادہ تھا۔ وہ ایک رواں دواں قلم اور تصنیف و تالیف میں جامع فکر کے حامل تھے۔ اپنے تذکرہ نویسوں کے مطابق وہ پانچ سو کتابوں کے مصنف تھے۔ والد گرامی کے اس اعتراف عظمت نے میاں صاحبزادے کو برافروختہ کر دیا اور اپنے والد کو تو کچھ نہ کہہ سکے البتہ ان کے مضمون میں اتصالاً الحاق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

کان قوی الجدل شدید المعارضۃ شدید الاعجاب بنفسہ وعلمہ قلیل الاعتراف بمعاصریہ ومخالفیہ شدید العناد والتمسک برائہ۔ وہ بڑا جنگجو سخت لڑاکا اور اپنے علم و دولت پر بے حد مغرور تھا۔ اپنے ہم عصروں مخالفوں کا کم ہی اعتراف کرتا تھا انتہائی بغض رکھنے والا ہٹ دھرم تھا۔ (ابوالحسن علی ندوی)

چنانچہ اس پورے طویل مضمون کو میاں صاحبزادے ندوی نے اپنے تعصب و عناد سے داغدار کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ جو اہل نظر سے مخفی نہیں۔ جب انسان محاسبۂ آخرت سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ تو وہ اپنے وقت کا علی میاں ندوی بن جاتا ہے۔ قاتلھم اللہ انی یوفکون۔ ایک علی میاں ہی نہیں بلکہ اعلیحضرت کے خلاف پورے آوے کا آوا ہی خراب ہو چکا ہے۔ (الا ماشاء اللہ۔) اس موضوع پر امام اہلسنت کی سب سے عظیم و جلیل کتاب الدولۃ المکیہ (عربی) جو علمائے حرمین کے سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے عربی زبان میں آپ کی عظیم تصنیف جس نے سب سے پہلے علماء حرمین سے آپ کا غائبانہ تعارف کرایا۔ دو الکفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم ہے۔ اول اول دنیائے عرب میں انہیں دو کتابوں کی وجہ سے آپ کے علمی کمالات کا سورج سوا نیزے پر چمکا۔ اور احترام و عقیدت میں حرمین طیبین کے جلیل القدر علماء و مشائخ نے اپنی گردنیں اعلیحضرت کے بارگاہ علم و فضل میں خم کر دیں۔

حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ و کعبہ

اب ہم اسی صف سے ایک اور شہادت پیش کر رہے ہیں اسکی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے جب اعلیٰحضرت امام احمد رضا کا مطالعہ شروع کیا تو انھوں نے تعصب اور عناد کے چشمے کو قریب بھی نہیں رکھا تھا۔ اور وہ ہیں پروفیسر ڈاکٹر محی الدین الوائی جو بیس (۲۰) برس زائد سے ازہر یونیورسٹی قاہرہ مصر میں استاذ رہ چکے ہیں اور اس وقت ایک اطلاع کے مطابق وہ مدینہ یونیورسٹی (سعودی عرب) میں استاذ ہیں۔ موصوف مسلکاً اہل حدیث (غیر مقلد) ہیں۔ علماء ازہر اور برصغیر ہندو پاک کے علماء کے درمیان ان کی علمی شخصیت بہت متعارف ہے۔ انہیں بیک وقت کئی زبانوں پر عبور حاصل ہے خاص کر اردو عربی، انگریزی اور ملیالم پر مگر حقیقت پسند وسیع النظر، وسیع القلب عالم ہیں۔ علی میاں ندوی حسین احمد ٹانڈوی اور احسان الٰہی ظہیر کی طرح تنگ دل تنگ نظر تنگ ظرف، بہتان طراز، افترا نگار، اور کذب و فریب کے اسپ تازی کے شہسوار ہیں۔ موصوف نے پچیس برس پہلے جامعہ ازھر ہی میں اعلیٰحضرت پر ایک طویل مقالہ عربی زبان میں لکھا تھا۔ جو صوت الشرق قاہرہ کے شمارہ فروری ۱۹۷۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ مقالہ تو کافی طویل ہے یہاں ہم اس کے چند اقتباس پیش کر رہے ہیں۔

"بعد مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ من طلیعۃ علماء الھند المسلمین الذین ساھموا مساھمۃ فعالۃ فی خدمات العلم والدین واللغۃ العربیہ فی انحاء مثبت القارۃ الھندیہ ولہ صفحات وجیدۃ فی تاریخ لنشر العلوم العربیہ واسلامیہ فی ربوعھا وقد وضع مولفات عدیدۃ فی التفسیر والحدیث والفقہ وعلمہ الکلام والتصوف وغیرھا من علوم الاسلامیۃ کما انہ مولفافی فروع الادب من صرف وبلاغتہ وشعر وانشاء وقد صنفا یضا فی علوم العقلیہ کالمنطق وعلمہ

الهیئة والحساب والحکمة الطبیعة وغیرهما۔"

جن علماء ہند نے مروجہ علوم دینیہ واسلامیہ اور لغت عربیہ کی خدمات جلیلہ میں اعلیٰ درجے کا حصہ لیا ان میں مولانا احمد رضا خاں کا نام سرفہرست ہے۔ علوم دینیہ اسلامیہ اور لغت عربیہ کی آراستگی میں آپ کا ایک شاندار ریکارڈ ہے۔ آپ نے جس طرح علم فقہ، تفسیر، کلام، تصوف وغیرہ علوم وفنون میں تصنیفات فرمائیں ہیں اسی طرح آپ کی بہت سی تصانیف ادب مثلاً صرف بلاغت شعر وانشا میں بھی ہیں نیز علوم عقلیہ مثلاً منطق، ہیئت، فلسفہ، وغیرہ علوم پر بھی آپ نے قلم اٹھایا۔

پھر اعلیٰحضرت کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

" وجدیہ یا الذکر ان مولانا احمد رضا خان قد امتاز عن کثیر من اقرانہ معاصریہ العلماء فی الجمع بین العلوم النظریہ والعلمیہ ومما یدل علی مہارتہ فی الریاضیات والحساب والجبر وغیرها ان عالم الریاضی شہر الدکتور ضیاء الدین وکیل جامعہ علی کرہ الاسبق وامثالہ کانوا یذہبون الیہ لحل بعض المشکلات العویصہ فی المسائل الحسابیہ الہندسہ۔"

یہ مسلمہ حقیقت قابل ذکر ہے کہ مولانا احمد رضا خاں علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے ہم عصروں وہم چشموں میں امتیازی شان کے مالک تھے۔ ریاضی، حساب، الجبرا، علوم میں ان کی مہارت تامہ کا یہ جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسے شہرت یافتہ ریاضی داں جیومٹری اور حساب کے مشکل ترین الجھنوں کو سلجھانے میں ان کی خدمات حاصل کیا

کرتے تھے۔

آپ کے شعر و ادب پر تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں ؎

"قد یما قیل ان التحقیق العلم الاصیل والخیال الذھنی الخصیب لا یجتمعان فی شخص واحد ولکن مولانا احمد رضا قد برھن علی عکس ھٰذہ النظریۃ التقلیدیۃ فکان شاعرا ذا خیال وخصیب و تشھد ذالک دوانیہ الشعریۃ باللغات الفارسیۃ والاردویۃ والعربیۃ۔"

"پرانی کہاوت ہے کہ ایک فرد میں دو چیزیں (ایک ساتھ) جمع نہیں ہوتی ہیں۔ تحقیقات علمیہ و نازک خیال (یعنی شاعر) لیکن مولانا احمد رضا کی ذات اس تقلیدی نظریہ کے عکس پر بہترین دلیل ہے۔ آپ عالم محقق ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین نازک خیال شاعر بھی تھے۔ جس پر آپ کے عربی فارسی اردو دیوان شاہد ہیں۔"

آپ کی تصنیفات جلیلہ و تالیفات عظیمہ کا تذکرہ اس انداز میں کرتے ہیں۔

و یبلغ مجموع مولفاتہ ما بین مخطوط و مطبوع حوالی الف کتاب فی مختلف اللغات۔ اردو، عربی، فارسی میں آپ کی تصنیفات و تالیفات ہزار سے زیادہ ہیں۔

ولہ مولفات خمسین فنا من الفنون العدیدہ ومن اغرب ھٰذہ الفنون اللتی الف فیھا مولانا احمد رضا علم الدیجات وعلم الجبر والمقابلۃ وعلم طبقات الارض۔ مولانا احمد رضا کی تصنیفات پچاس فنون میں سب سے زیادہ نادر علم زیجات ہے۔ (وہ جدول جس سے ستاروں کی چال پہچانی جاتی ہے۔) اور جبر و مقابلہ وعلم طبقات الارض ہے۔

مولانا کوثر نیازی سابق وزیر اطلاعات و نشریات حکومت، پاکستان ایک زبردست و نامور عالم و فاضل اور ریاضی میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے دست راست اور مولانا انور شاہ کشمیری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے ہونہار تلامذہ سے تھے۔ علمی دنیا میں ان کا قد کافی نمایاں تھا۔ آخر عمر میں وہ امام احمد رضا کی طرف متوجہ ہوئے اب کم و بیش دو برس پہلے اپنے انڈیا کے آخری دورے پر یہاں کی ایک مقامی تنظیم نے مہاراشٹر کالج بلاسس روڈ بمبئی میں ایک روزہ پروگرام رکھا تھا۔ اس عصری دانشکدہ میں ارباب علم و فضل کے درمیان انہوں نے اعلیٰحضرت کی حیات و خدمات و کارنامے اور ان کے علم و فضل پر ایک تاریخی خطاب فرمایا جس کو دوسرے دن بڑے بڑے اردو اخبارات نے بڑی بڑی سرخیوں میں شائع کیا۔ دوران خطاب وہ اعلیٰحضرت کی شاعری پر آئے تو جیسے ان پر وجد و کیف کا عالم طاری ہو بالخصوص آپ کے تاریخی و مشہور ا م سلام "مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام" پر آئے تو جیسے علم و فضل کے دریا بہا رہے ہوں۔ بڑی خود اعتمادی و والہانہ عقیدت اور پورے دعوے کے ساتھ انہوں نے فرمایا کہ مولانا احمد رضا کا یہ سلام عجم کا قصیدہ بردہ ہے پھر اس کے بعد ان کے کئی مقالے اعلیٰحضرت امام احمد رضا پر نگاہوں سے گذرے اس وقت میرے سامنے ان کا ایک مقالہ موجود ہے۔ اس سے صرف دو مختصر اقتباس پیش ہے۔ عنوان ہے۔ **امام العلماء امام ابوحنیفہ ثانی۔**

قرطاس و قلم سے میرا تعلق دو، چار سال نہیں بلکہ نصف صدی کی بات ہے اس اس دوران وقت کے بہت بڑے بڑے اہل علم و قلم مشائخ و علماء کی صحبت میں بیٹھ کر استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ اور ان کے درس میں شریک رہا۔ زندگی میں میں نے اتنی روٹیاں نہیں کھائی جتنی کثیر تعداد میں کتابیں پڑھی ہیں میری اپنی ذاتی لائبریری میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں۔ وہ سب مطالعہ سے گذری ہیں۔ اس سب مطالعہ کے دوران امام احمد رضا کی کتب نظر سے نہیں گذری تھیں۔ اور مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ علم کا خزانہ پالیا ہے اور علم کا سمندر

پار کر لیا ہے۔ علم کی ہر جہت تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ مگر جب امام اہلسنت کی کتابیں مطالعہ کیں اور ان کے علم کے دروازے پر دستک دی اور فیض ہوا تو اپنے جہل کا احساس و اعتراف ہوا۔ یوں لگا کہ ابھی تو میں علم کے سمندر کے کنارے کھڑا سیپیاں چن رہا تھا علم کا سمندر تو امام کی ذات ہے۔ امام کی تصانیف کا جتنا مطالعہ کرتا جاتا ہوں عقل اتنی ہی حیران ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ امام احمد رضا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہیں۔ جسے اللہ تعالی نے اتنا وسیع علم دے کر دنیا میں بھیجا کہ علم کی کوئی جہت ایسی نہیں جس پر امام کو مکمل دسترس حاصل نہ ہو۔ اور اس پر کوئی تصنیف نہ لکھی ہو۔ یقیناً آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے صحیح جانشین تھے۔ ایک طرف مولانا کوثر نیازی کا یہ اعتراف جس کا علمی قد اور جس کی شہرت و ناموری اور جس کا فہم و ادراک اور زبان ادب علی میاں ندوی سے کہیں زیادہ ہے۔ دوسری طرف علی میاں کے تعصب و عناد کا یہ چشمہ بھی ملاحظہ ہو۔

کان قلیل العلم فی الحدیث والتفسیر۔ تفسیر و حدیث میں وہ معمولی علم رکھتے تھے"۔ اپنے اس مقالے میں وہ ایک جگہ (مولانا کوثر نیازی) یوں رقمطراز ہیں۔

"فقہ حنفیہ میں ہندوستان میں دو کتابیں مستند ترین ہیں ان میں ایک فتاوٰی عالمگیریہ ہے۔ جو دراصل چالیس علماء کی مشترکہ خدمت ہے جنہوں نے فقہ حنفیہ کا ایک جامع مجموعہ ترتیب دیا۔ دوسرا فتاوٰی رضویہ ہے جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام چالیس علماء نے مل کر انجام دیا وہ اس مرد مجاہد نے تنہا کر کے دکھایا۔ اور یہ مجموعہ فتاوٰی رضویہ عالمگیریہ سے زیادہ جامع ہے۔ اور میں نے جو امام ابو حنیفہ ثانی کہا ہے وہ صرف محبت یا عقیدت میں نہیں بلکہ فتاوٰی رضویہ کے مطالعہ کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے ابو حنیفہ ہیں آپ کے فتاوٰی میں مختلف علوم و فنون پر جو بحث

کی گئی ہیں۔ ان کو پڑھ کر بڑے بڑے علماء کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔"[1]
(افکار رضا سہ ماہی بمبئی دسمبر ۱۹۹۵ء رجب المرجب ۱۴۱۶ھ ص۵)

ڈاکٹر اقبال: ہندوستان کے دور آخر میں اُن جیسا طباع ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان کے فتاوٰی سے یہ رائے قائم کی ہے۔ ان کے فتاوٰی ان کی ذہانت، فطانت، جودت طبع، کمال فقاہت، اور علوم دینیہ میں تبحرِ علمی کے شاہد عادل ہیں۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں۔ لہٰذا انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاوی میں کسی قسم کی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی۔ اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا خاں اپنے دور کے امام اعظم ابوحنیفہ ہوتے۔[2]

تمام تر فضل و کمال کے اعتراف کے باوجود بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی۔ اور اسی شدت کی زیادتی سے وہ وقت کے ابوحنیفہ ہوتے ہوتے رہ گئے۔ اعلیٰ حضرت کے خلاف کردار کشی کی جو مہم چلائی گئی اس کا سب سے زیادہ اہم رخ یہی تھا کہ انہیں مسلمانوں سے اور مسلمانوں کو ان سے دور کیا جائے چنانچہ اعلیٰحضرت کا پہلے ایک خاکہ تیار کیا گیا۔ پھر کذب افترا، دجل فریب الزامات، اتہامات کے رنگ بھرے گئے۔ اور اس رخ پر سب سے زیادہ محنت کی گئی کہ وہ مکفر المسلمین تھے۔ تکفیر مسلمین میں بے باک تھے۔ بات بات میں کفر کا فتویٰ لگا دیتے تھے ان کی زندگی کا مشن ہی کافر گری تھا۔ اور اس پر بڑے منظم پیمانے پر عالمی سطح میں محنت کی گئی۔ اور عالمی رابطے کی زبانوں کو بھی استعمال کیا گیا۔ اور اس جھوٹ من گھڑت اور بے بنیاد چیز کو اتنی بار دہرایا گیا کہ وہ سچ جیسا معلوم ہونے لگا۔ اس کے مصنفین و مورخین اہل سیرت، اہل تذکرہ کی ایک ٹیم بھی تیار کی گئی۔

---

[1] افکار رضا بمبئی دسمبر ۱۹۹۵ء ص۶، [2] انوار رضا ص۲۴۸ مطبوعہ ضیاالقرآن پبلیکیشنز لاہور پاکستان۔

حد یہ کہ ناول نگاروں افسانہ نویسوں تک کی خدمات حاصل کی گئیں۔ فحش، بیہودہ اور جنسی ادب کے نام سے غلاظت نگار قلم بھی اعلیٰحضرت کے خلاف اس مہم پر لگ گئے۔ "میں جب جوان تھا" جیسی ناول لکھنے والے بھی اعلیٰحضرت کے خلاف قلم اٹھانے لگے۔ اللہ اللہ آبی مینڈک کو بھی زکام!

الغرض ایک جھوٹ کو اتنی بار دہرایا گیا کہ حقیقت افسانہ اور افسانہ حقیقت سے بدل کر رہ گیا جس کی لپیٹ میں ہمہ شمہ کی بات ہی کیا ہے ڈاکٹر اقبال جیسے دیدہ ور بھی آگئے جس کی صرف ایک مثال ہی پر اکتفا کروں گا ورنہ اس موضوع پر اتنے ردی کے پہاڑ کھڑے کئے ہیں۔ جو دیکھنے میں ہمالیہ لگتے ہیں۔

ابوالکلام آزاد کے بھونپو عبدالرزاق ملیح آبادی کی بھی ایک چاند ماری ملاحظہ ہو۔

"یاد رہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنے اور اپنے معتقدوں کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل وابولہب سے بڑھ کر اکفر سمجھتے ہیں[1]"

ہائے رے گردش ایام! اور واہ رے پٹرو ڈالر کی کرامت کل تک جو لوگ دن رات فصل کاٹتے تھے اور اسی پیشے کو اپنی سیاسی معاشی زادراحلہ بنائے ہوئے تھے وہ آج مسلمانوں کے امام بنا دیئے گئے امام احمد رضا خاں حاشا وکلا ہرگز ہرگز مکفر المسلمین نہیں ان کے احتیاط کا تو عالم یہ تھا کہ انہوں نے مقتول و مذبوح اسمٰعیل دہلوی کے کفر پر بھی کف لسان اختیار فرمایا۔ جس پر ان کے اکابر و بزرگ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی اور انکے ہم عصر جلیل القدر رفقاء جو محدثین و متکلمین امام زمانہ تھے انہوں نے اسمٰعیل دہلوی کو کافر بے دین زندیق اور اس کے قتل پر تکفیر کا حکم لگایا ہے۔[2]

---

[1] ذکر آزاد۔ مرتبہ عبدالرزاق ملیح آبادی۔

[2] تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ ص ۲۴۷۔ المجمع الاسلامی مبارکپور۔

مکفر المسلمین تو عبدالوہاب نجدی تھا۔ اسمٰعیل دہلوی تھا۔ رشید احمد گنگوہی تھا۔ لیکن یہی مجرمین اسلام آج شیخ الاسلام، مجاہد اعظم، اور شہید اعظم، اور جانے کیا کیا بن گئے۔ بے شک آج پٹرو ڈالر نے کتاب التوحید، تقویۃ الایمان، حفظ الایمان فتاویٰ رشیدیہ صراط مستقیم وغیرہ کی کفر و شرک سازی کو ایمان بنا دیا ہے۔ حالاں کہ یہی ظالم مکفر المسلمین تھے۔ البتہ امام اہلسنت اعلحضرت مجدد دین و ملت تو مکفر المرتدین تھے۔

بات تو یہ ہے کہ اعلحضرت کے عشق رسالت کی گرمی سے ان کے فنا فی الرسول ہونے سے ان کے مخالفین مانعین ظالمین سخت خوفزدہ تھے وہ اپنے عہد کے قافلۂ عشق و محبت کے سپہ سالار تھے۔ اسی وصف خاص اور اسی عشق رسول کو انہوں نے کفرسازی و تکفیر مسلمین میں بے باکی کا نام دے دیا تھا۔ وہ اپنے محبوب کریم کی محبت میں اتنا سرشار تھے کہ ان کی بارگاہ نازک میں ہلکی سے ہلکی بھی سوء ادبی انہیں بے چین کر دیتی تھی۔ ڈاکٹر اقبال صاحب بھی تو اسی محبت رسول کی بے چینی کو عین اسلام سمجھتے ہیں ؎

اگر ہے عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی !!
نہ ہو تو مرد مسلماں بھی کافر و زندیق

غالب خستہ جان نے بھی تو کچھ اس طرح فرمایا ہے ؎

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

اور یہ عشق ہی کی تو صدائے سامعہ نواز ہے ؎

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
وگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

تمام دشمنان اسلام خواہ خارجی ہوں یا داخلی ان کا سب سے بڑا قدر مشترک کلمہ نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ ہیں ان سبھوں کا قدر مشترک ذات رسول ہے

اسی پر حملہ اسی پر قدغن، اسی کی تحقیر، اسی کی اہانت ہے۔ یہ تاریخی تسلسل ہے۔ اسلام کی ابتدا سے لے کر آج تک ایسا ہی ہو رہا ہے۔ زمانہ اس کا گواہ ہے۔

اعلیٰحضرت کے عہد سے کچھ پہلے ہی سے یعنی علامہ فضل حق خیر آبادی کے زمانہ ہی میں انگریزوں اور ان کی گماشتوں ایجنٹوں اور مسلم نما پادریوں نے اسلام پر جتنی اٹیک لگائی ہے۔ وہ نماز اور روزے پر نہیں صرف ذات رسول کہ اسلام جس سے ملا ہے اسی کو داغدار اور مجروح کر دو تاکہ اسلام خود ہی داغدار اور مجروح ہو جائے۔ چنانچہ ذات پاک رسالت پر حملوں کا دفاع جس انداز اور جس توانائی اور جس تب وتاب جاودانہ سے امام احمد رضا نے کیا ہے۔ اس کی کوئی دوسری مثال دور دور تک نہیں ملتی۔ ان کے اسی تاریخی دفاع کو تکفیر مسلمین قرار دے دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بیشک اعلیٰحضرت ذات رسالت کی دفاع میں بہت سخت تھے۔ اشدّآء علی الکفار کی عملی تفسیر جو عین مطلوب ایمان ہے۔ اسی مقصود ایمان کو ڈاکٹر اقبال شدت قرار دیتے ہیں۔ کہ یہی اگر درمیان میں نہ ہوتی تو وہ اپنے زمانہ کے امام اعظم ابو حنیفہ ہو جاتے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ جب کہ اسی شدت ایمانی نے انہیں اپنے کو ابو حنیفہ و غوث اعظم کا نائب اکبر بنایا۔ اگر یہی چیز نہ ہوتی تو وہ اپنے زمانے کے امام اعظم ابو حنیفہ بن سکتے تھے نہ ہی غوث اعظم کے نائب اکبر۔

ڈاکٹر صاحب نے جس شدت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ شدت تو عین مقصود اسلام ہے، پھر وہ شدت ان کے لئے لیکن کیسے بن گئی۔ حالاں کہ وہ خود لذت آشنائی کی منزل پر فائز المرام ہیں اور اس مرحلہ شوق ومحبت سے وہ گذرے بھی ہیں۔ وہ اس حقیقت کو اپنے شعر کے قالب میں کیوں ڈھالتے کہ ؎

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی است

بمصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو مسلمانوں کے دلوں سے خالی کرایا جانے لگا۔ وہ بھی مسلم نما ہاتھوں سے تو دل پر ہاتھ چلا گیا کہ

در دلِ مسلم مقامِ مصطفٰی است ⁂ آبروئے ما ز نامِ مصطفٰی است

ذاتِ پاک رسول سے ڈاکٹر صاحب کی بے پناہ وابستگی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔ مگر جب بات صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پاک کی آ گئی تو انہیں پھر کوئی مصلحت روک نہ سکی اور نہ ہی اپنے حلقۂ محبت کے ان بہت سارے قابلِ ذکر افراد کے جذبات کی پرواہ کی جو ہر حال میں غالب کے طرف دار رہے تھے۔ اور نہ یہی دیکھا کہ بات کس کے خلاف جا رہی ہے اور وہ کس منصب و مقام کا ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے تو محبتِ رسول کا ایک جرعہ ہی پا سکے اس پر ان کے محبتِ رسول کی حرارت کا یہ عالم! پھر اندازہ لگائیے اس کی محبت کی وارفتگی کا جس کے پاس عشقِ رسول کا لنگر تھا۔ جو نہ صرف عاشقِ صادق بلکہ فنافی عشق الرسول تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اپنے وجودِ حیرت کی بدولت پورے اسلام کا مرجع تھا۔ بقول حضرت صدر الافاضل!

"(امام احمد رضا) دنیا بھر کا ایک مفتی تھا جس کی طرف عالمِ اسلام کے حوادث و وقائع استفسار کے لئے رجوع کئے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کے

فقہ کے فیصلے دے رہا تھا۔ وہی تمام بد مذہبوں کے جواب بھی لکھتا تھا اہل باطل کے تصانیف کا بالغ رد بھی کرتا تھا۔ زمانہ بھر کے سوالوں کا جواب بھی دیتا تھا۔"

جب کہ ڈاکٹر صاحب نہ عالم دین تھے، نہ فقیہ اجل تھے۔ نہ قاضی شہر تھے نہ مفتی اعظم تھے۔ نہ فقیہ عالم اسلام تھے۔ اس کے باوجود دین حمیۃ العلماء ہند اور دارالعلوم دیوبند کے صدر حسین احمد ٹانڈوی کی طرف سے دین کی ایک غلط تعبیر پر وہ خاموش نہ رہ سکے اور بڑی سختی کے ساتھ اس مصنوعی شیخ الاسلام کو دین کے مسئلے میں اسے اس کی حیثیت یاد دلائی تو پھر وہ (اعلیٰحضرت) گندم نما جو فروشوں، دین ایمان کے ڈاکوؤں عشق و محبت کے رہزنوں تقدیس الٰہی و تنقیص رسالت پناہی کے مجرموں، عظمت انبیاء و اولیاء کے دشمنوں، اور اسلام کے داخلی و خارجی حملہ آوروں کے خلاف خاموش کیسے رہ سکتا تھا احقاق حق و ابطال باطل کا فریضہ ایمانی ایسی شدت کیوں بن گیا۔ جس کی وجہ سے وہ امام اعظم ابو حنیفہ ہوتے ہوتے رہ گئے

اسی طرح تصوف کے تعلق سے ڈاکٹر صاحب اپنے اہل محبت سید فصیح اللہ کاظمی کے نام ۱۴ر جولائی ۱۹۱۶ء کو ایک خط لکھا تھا۔

تصوف کے متعلق میں خود لکھ رہا ہوں میرے نزدیک حافظ کی شاعری نے بالخصوص اور عجمی شاعری نے بالعموم مسلمانوں کی سیرت اور عام زندگی پر نہایت مذموم اثر کیا اسی واسطے میں ان کے خلاف لکھا ہے۔ مجھے امید تھی کہ

نوٹ: ڈاکٹر اقبال صاحب کے اس بابیں ہم شدت پر میں نے اپنی کتاب: انوار کنز الایمان میں بڑی تفصیل مذہبی فتنوں کے تاریخی پس منظر میں ایک تفصیلی بحث کی ہے جو دس سال پہلے مکتبہ غوثیہ بمبئی سے شائع ہو چکی ہے۔ محمد وارث جمال قادری۔

لوگ مخالفت کریں گے اور گالیاں دیں گے۔ لیکن میرا ایمان گوارہ نہیں کرتا کہ حق بات نہ کہوں شاعری میرے ذریعہ معاش نہیں ہے کہ میں لوگوں کے اعتراض سے ڈروں۔[۵]

تصوف کے تعلق سے اپنے جن جذبات کا اظہار ڈاکٹر صاحب نے اپنے مکتوب میں کیا وہ اس کے لئے مامور من اللہ نہیں تھے۔ نہ دینی امام و پیشوا تھے کہ ایسا لکھنا ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔ پھر بھی انہوں نے جو کچھ لکھا اپنی سمجھ سے من رای منکم منکرا کے تحت لکھا۔

جبکہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا مجدد وقت تھے، مصلح امت تھے، عظیم پیشوا تھے دور کے امام اعظم ابو حنیفہ و حضور غوث پاک کے نائب اکبر تھے۔ دینی مسائل اور دینی ضرورتوں میں پورے عالم اسلام کے مرجع تھے۔ اور پورے عالم اسلام کے عظیم روحانی پیشوا بھی تھے عرب و عجم حل و حرم میں آپ کے علم و فضل کا ڈنکا بجتا تھا۔ اور آپ کے فضل و کمال کا سورج سوا نیزے پہ چمکتا تھا۔ ایسے عالم میں آپ کے ارشادات و فرمودات جو عین تقاضائے دین ایمان ہیں۔ عین تقاضائے شریعت و طریقت تھا۔ وہ شدت کیوں کر ہوگئی۔ اور شدت بھی کیسی! کہ جس نے انہیں وقت کا امام اعظم نہیں ہونے دیا۔ ہم بروقت یہ فیصلہ دینے سے قاصر ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کے اس ارشاد کو مقام مدح میں شمار کریں یا ذم میں!

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیران چمن میں نو گرفتاروں میں ہوں

یہ موضوع تو بہت تفصیل طلب ہے۔ اور اس کے لئے الحمد للہ میرے پاس میٹریل بھی وافر مقدار میں موجود ہے۔ مگر میری مصروفیات کی ہمہ جہتی اور بمبئی کی مشینی زندگی اس

---

[۵] خطوط اقبال ص ۱۲۰ محررہ ۱۴ر جولائی ۱۹۱۶ء بحوالہ تاریخ تصوف از ڈاکٹر محمد اقبال۔

پر مستزاد ہے۔ حضرت مولانا ابوالفضل اولالنار رحمت اللہ صدیقی صاحب جن کے اخلاص پیہم نے وقت نکالنے پر مجبور کیا۔ اور جنہوں نے پورے مستعدی کے ساتھ سر پر کھڑے رہ کر مضمون سپردِ قلم کرایا۔ اور مجھے اتنا بھی نہیں موقع ملا کہ میں اسے نظرِ ثانی کر سکوں۔ نوک و پلک کی درستگی الگ رہی۔! نوک و پلک کی خامیاں میری طرف کر دیں اور اس کا حسن مولانا محترم کے جذبۂ اخلاص کی نذر کر دیں۔

مولای صلِّ وسلِّم دائماً ابداً
علیٰ حبیبک خیرِ خلقِ کلّھم

ہم آپ سے معذرت چاہتے ہیں!

معیاری اخبار ورسائل میں چھپنا اہمیت کی بات ہے۔ کچھ لوگوں کو یہ نشہ اوقات سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور وہ دوسروں کے مضامین کو اپنے نام سے چھپواکر اپنے حلقۂ احباب میں اس کی بڑے پیمانے پر تشہیر کیا کرتے ہیں۔ مجھے اس وقت بڑے ندامت سے دوچار ہونا پڑا جب محترم نوشاد عالم چشتی نے کہا کہ آپ کے پیغام رضا کے مدیر مولوی فیضان صاحب نے خوشتر صدیقی کے مضمون کو من وعن اپنے نام سے شائع کرایا ہے۔ جو ایک بدترین علمی خیانت ہے۔ اس لئے آپ کا اخلاقی فرض بنتا ہے کہ فوراً اس شخص کو ادارے سے برطرف کردیں اور ایک معذرت نامہ شائع کریں۔ اسی طرح سید اولاد رسول قدسی نے سموگر کی ایک کانفرنس کا دعوت نامہ میرے نام بھیجا۔ اس دعوت نامہ میں لکھا جو انہیں کے الفاظ میں نقل کررہا ہوں کہ " تمہارا مولوی فیضان کتنا بے شرم ہے کہ اس نے میری منقبت کو ماہنامہ اعلحضرت میں اپنے نام سے شائع کرایا ہے۔ اس کو چھپنے کا اتنا ہی شوق ہے تو محنت کرے تم گھر جانا تو اسے اچھی طرح سمجھا دینا کہ ایسا جرم آئندہ وہ نہ کرے"۔ (محررہ ۷/ اگست ۱۹۹۶ء)

اسی طرح کے اور بھی خطوط ہند وپاک سے موصول ہوئے۔ اس لئے کہ خوشتر صدیقی کا مقالہ کئی معیاری رسائل ونمبرات میں شائع ہوچکا ہے۔ اراکین ادارہ نے مولوی فیضان کے اس جرم کے سبب (جس سے ادارہ کا وقار مجروح ہوا ہے) انہیں ادارے سے برطرف کردیا ہے۔ اب ان کا اس ادارہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ادارہ اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہے۔ انشاءاللہ آئندہ اس طرح کی بھول نہ ہونے پائے گی۔ اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت دے تاکہ وہ دوسروں کے مضامین کو چوری چھپے اپنے نام سے شائع نہ کراسکیں

ادارہ

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر:-
(عمید الکلیۃ الشرقیہ / عمید الکلیۃ الدراسات الاسلامیۃ الشرقیہ / جامعہ پنجاب، لاہور)

نعت گوئی اور مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم عربی سمیت تمام اسلامی زبانوں میں (یا دوسرے لفظوں میں اہل اسلام کے ہاں مستقل زبانوں میں) ایک ایسا فن شریف ورفیع بن چکا ہے جس کی گہرائیوں اور گیرائیوں کی حدود لا محدود اور جس کی وسعتوں اور عظمتوں کا کوئی حصر وحساب نہیں مگر یہ فن شریف ورفیع ایسا نازک اور باریک بھی ہے کہ جس کی نزاکتیں اور باریکیاں ہر بوالہوس کا کام نہیں۔ یہ وہ درباہے کہ جہاں خود فراموشی کا وہ مرحلہ درکار ہے جہاں ممدوح خالق ومخلوق صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کے سوا اور کسی چیز کو ملحوظ نہیں رکھنا ہوتا حضرت عزت بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب حقیقت کی ترجمانی کی ہے فرماتے ہیں:-

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

گویا حضور رب العالمین جل جلالہٗ میں تو گنجائش پیدا ہو ہی جائے گی کہ اس کی رحمتوں کا تو کوئی حساب ہی نہیں وَسِعَتْ رَحْمَتِيْ كُلَّ شَيْءٍ اس حقیقت پر گواہ ہے مگر حضور حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم میں اگر گستاخی یا بے ادبی کا کوئی

شائبہ بھی ظاہر ہو گیا اور لاشعوری طور پر بھی شانِ نبوی کا کوئی پہلو ملحوظ نہ رہ سکا تو اعمالِ صالحہ کے تمام ذخائر نابود و فنا ہو جائیں گے۔ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ کے بعد اس پر کسی اور شہادت کی تلاش ضلالت و گمراہی کے سوا اور کیا ہو گا۔؟

مگر حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا دعویٰ ہے کہ برصغیر میں ان کا سا سحر بیان نعت گو کوئی نہیں۔

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ھدیٰ مجھے شوخیِ طبعِ رضا کی قسم

شاعرانہ جذب و شوق میں بیخود ہو کر یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ شعر کہتے ہوئے شریعت غرا سے سرمو انحراف نہ ہو گا۔ شاعرانہ حسن و جمال اور فکر و معنی کا کمال بھی ہو گا اور پاس شریعت بھی ملحوظ ہو گا۔ مگر یہ کمال و جمال یک جا کرنا سوائے حضرت رضا کے کسی اور کے لئے ممکن نہ ہو گا۔

جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے ؟
لا اسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

جس شاعر کو اپنے لفظ و معنی پر پورا پورا قابو ہو وہی یہ دعویٰ کر سکتا ہے۔ شاعرِ دربارِ رسالت سیدنا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے جب قریش کے شعراء کی ہجو گوئی اور گستاخانہ روش کا جواب دینے کے لئے کہا گیا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ حسان! یہ تو بتاؤ کہ تم قریش کی ہجو کیسے کرو گے میں بھی تو انہیں میں سے ہوں! تم بھلا ابو سفیان بن حارث کا جواب کیسے دو گے وہ تو میرا چچا زاد بھائی ہے؟! تو دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفراز ہو کر تائید روح القدس سے

نوازے جانے والے شاعر کا جواب یہ تھا کہ سا سلك كما تسس الشعرة من العجين یعنی حضرت کو یوں نکال لوں گا جس طرح آٹے میں سے بال کھینچ کر نکال لیا جاتا ہے۔ اور واقعی اللہ تعالیٰ کے اس باکمال بندے نے جو دعویٰ کیا اپنے عمل کے دلائل سے صحیح ثابت کر دکھائے۔ ابو سفیان بن الحارث کی ہجو کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: "اَتَهْجُوْهُ وَلَسْتَ لَهٗ بِكُفْوٍ" (تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیسے کہہ سکتے ہو تم تو ان کے ہم پلہ و ہمسر ہی نہیں ہو۔) اب یہاں آکر عقل گم ہو جاتی ہے اور سانس رک جاتی ہے کہ حارث بن عبد المطلب کا بیٹا عبد اللہ بن عبد المطلب کا فرزند جلیل کا ہمسر و ہم پلہ کیسے نہیں؟ دونوں کے والد تو ایسی شاخیں ہیں جو ایک ہی شجرۂ طوبیٰ سے پھوٹی ہیں تو پھر ایک دوسرے کے ہم پلہ وہم سر کیسے نہ ہوئے۔ دوسرے مصرعے میں شاعر اپنے دعوے کو سچ کر دکھاتا ہے اور کہتا ہے کہ " فشرکما لخیر کما الفداء" (یہ اس کے لئے ہے کہ تم دونوں میں سے جو شر اور برا ہے اسے اس پر فدا ہو جانا چاہیئے جو سراپا خیر اور بھلائی ہے۔) اسے کہتے ہیں حکیمانہ اسلوب ایک ایسا منصفانہ انداز گفتگو جس میں متکلم اپنے مخاطب پر چھوڑ دے کہ وہ اپنے عقل و ضمیر سے فیصلہ کرے کہ دونوں میں سے افضل و برتر کون ہے جو افضل و برتر ہے فیصلہ اس کے حق میں ہوگا۔

حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نعت مصطفوی کے ضمن میں جو دعویٰ کرتے ہیں اسے وہ بھی حضرت حسان انصاری کے تتبع و تقلید میں اپنے میدان شعر گوئی میں عملی طور پر ثابت بھی کرتے ہیں۔ وہ جہاں آداب دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملحوظ رکھتے ہیں وہاں نعت گوئی میں بھی بیمثال و بے نظیر فکر معنی اور

لفظ و ترکیب کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ جہاں شعر و شاعری کے تقاضے پورے کرتے ہیں وہاں وہ شرع متین کے اصول و ضوابط کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں لیکن توازن اور اعتدال کی اس راہ کے لئے انہوں نے جو ہادی و رہنما تلاش کیا ہے اور جو سہارا انہیں میسّر آیا ہے۔ وہ واقعی ایسا مضبوط اور واضح حق نما ہے جس سے بڑھ کر کوئی مضبوط سہارا نہیں ہو سکتا۔ اور جس سے اعلیٰ و برتر کوئی ہادی و رہنما نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی اس خوش نصیبی اور حظ سعید پہ ناز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
تا کہ رہے آداب شریعت ملحوظ

تو گویا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ میدان نعت میں قرآن کریم کے بتلائے ہوئے اسلوب نعت و مدح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہادی رہنما بناتے ہیں۔ جو بلا ریب و بلا شک مضبوط سہارا اور جبل متین ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور عظمت کو بڑے خوبصورت اسلوب اور روح پرور انداز میں بیان فرمایا ہے اپنی محبت و اطاعت کا وسیلہ فرمایا ہے۔ کافۃ الناس کا ہادی برحق بتایا ہے۔ آپ کتاب اللہ میں رحمۃ للعلمین ہیں۔ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں، شاہد، مبشر، بشیر، نذیر، اور داعی الی اللہ ہیں۔ آپ شمس الضحیٰ ہیں۔ نور مبین ہیں، سراپا ہدایت ہیں، رفع ذکر شرح صدر اور فتح مبین سے نوازے گئے ہیں آپ قرآن کی رو سے عبداللہ ہیں اور عبدہٗ کا شرف رکھتے ہیں۔ مزمل ہیں مدثر ہیں آپ رسول المبشر ہیں امی لقب ہیں۔ طیبات کو حلال ٹھہرانے والے اور خبائث کو حرام قرار دینے والے ہیں۔ انسانوں کو پابندیوں اور جکڑ بندیوں سے آزادی دلانے والے ہیں۔ آپ

کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اور آپ کا فعل اللہ کا فعل ہے۔ آپ کا احترام و محبت سعادت ہے۔ اور آپ کی توہین و بے ادبی شقاوت و بدبختی ہے۔ یہ تمام باتیں نعت و مدح نبوی کی وہ باتیں ہیں جو قرآن نے بتائی اور سمجھائی ہیں۔ اور یہی سرچشمہ ہے جس سے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعت کے فوارے پھوٹتے ہیں۔ شاعر کی شاعرانہ تجلی اور جوش بیان جب قابو سے نکل جائے تو اس خشک دماغ اور اکھڑ مزاج بدو کی طرح ہو جاتا ہے۔ جو ادب و احترام سے ناآشنا اور نتائج و عواقب سے بالکل بے نیاز و نابلد ہوتا ہے۔ سورۂ حجرات کی ابتدائی آیات میں اسی کیفیت کے حامل بدوؤں کا ذکر ہے جہاں اہل ایمان کو ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آواز بلند کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور اگر کوئی گستاخ آپ کی آواز کے مقابلے میں اپنی آواز بھی بلند کرے گا تو اس کے نیک اعمال ضائع ہو سکتے ہیں اور اسے احساس ہی نہیں ہوگا۔

برصغیر کا امام نعت گوئی بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مدح سرا ہوتا ہے اور یوں گویا ہوتا ہے۔

پاٹ وہ کچھ، دہار یہ کچھ، زار ہم
یا الٰہی کیوں کر اتریں پار ہم
کس بلا کی مے سے ہیں سرشار ہم
دن ڈھلا، ہوتے نہیں ہوشیار ہم

یہ نعتیہ غزل "ہم" کے قافیہ کے ساتھ گو بجتی چلی جاتی ہے۔ اور شاعر کبھی اپنے گناہوں کو سامنے رکھتے ہوئے کہتا ہے:

اپنی رحمت کی طرف دیکھیں حضور
جانتے ہیں جیسے ہیں بدکار ہم

پھر شاہ و گدا اور عطا و سوال کا تذکرہ ہوتا ہے۔

باعطا تم، شاہ تم، مختار تم
بے نوا ہم، زار ہم، ناچار ہم

اکتیس (۳۱) اشعار پر مشتمل یہ نعتیہ غزل یونہی ایمان افروز و روح پرور مناظر اعتراف، مناقب و مدائح اور اعتذار و التجاء کے ساتھ گونجتی چلی جاتی ہے۔ لیکن اچانک آخر میں عاشق صادق اور مومن مخلص کو احساس ہوتا ہے کہ "ہم، تم" کی تکرار سے شاید بارگاہ رسالت میں گستاخی کا سامان پیدا ہو گیا ہے۔ محبت صادق تڑپ اٹھتا ہے اور خود کو ایک ایسا تازیانہ زجر و توبیخ رسید کرتا ہے جو اس کے ایمان صادق اور حب خالص کی شہادت بھی ہے۔

ان کے آگے دعویٰ ہستی رضا
کیا بکے جاتا ہے یہ ہر بار ہم

یہ تازیانہ گویا ندامت اور توبہ کا تازیانہ ہے۔ شاعری کی حد تک اس میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جو گستاخی پر محمول کی جا سکے۔ یا جس سے سوئے ادب کا کوئی اشارہ بھی ملتا ہو۔ مگر عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ انداز گوارا نہیں۔ اس لئے مطلع اور غزل تو شاعر کا جوش تھا جو شاعرانہ انداز سے تمام ہوا اگر مقطع ایک عاشق رسول کا مقطع ہے جسے اپنے محبوب رسول کے حضور اتنی سی بے تکلفی بھی گوارا نہیں۔

اسراء معراج سیرت پاک کا ایک بالکل منفرد بےمثال اور مہتم بالشان باب ہے۔ سورہ اسراء یا بنی اسرائیل کا نقطہ آغاز مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کا آئینہ دار ہے۔ جہاں عیوب و نقائص اور ہر قسم کے عجز و ضعف سے پاک خدائے بزرگ و برتر آپ اپنے بندۂ خاص (عبدہ) کو اپنی قدرت کاملہ کے مشاہدات کراتا ہے۔ پھر

قبتہ الصخرہ سے سدرۃ المنتہی تک کے سفر افلاک کا تذکرہ سورۃ النجم میں فرمایا گیا ہے۔

واقعہ اسرار و معراج، عام الحزن اور سفر طائف میں راہ حق میں زحمت اٹھانے اور زخم کھانے کے بعد اللہ رب العزت کا انعام خاص ہے جو اس نے اپنے حبیب پاک پر ارزانی فرمایا۔ یہ اشارہ حق ہے اس بات کا کہ ان مع العسر یسرا (تنگی کے ساتھ سہولت بھی ہوتی ہے) ان کا حکم ربانی برحق ہے۔ یہ فضل و انعام ربانی عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ دار بھی ہے۔ اسوۂ رسول زمین پر بھی اور اسوۂ رسول افلاک پر بھی، عظمت کی یہ سبقت دراصل حضرت انسان کے ہاتھوں تسخیر افلاک کی نوید بھی ہے اور صبر و استقامت اور ہمت پیغمبرانہ کی دلیل بھی۔ حکیم الامت شاعر مشرق نے کیا خوب فرمایا تھا۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفےٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تو عظمت مصطفوی کے حدیقہ سرمدی کی بلبل خوش نوا و خوش سرا ہیں۔ انہوں نے سیرت طیبہ کے اس قرآنی باب کو موضوع سخن بنایا اور خوب نبھایا ہے۔ " در تہنیت شادیٔ اسرا" مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام اور نوشہ ملک خدا تم پہ کروڑوں درود! میں اس موضوع کا خوبصورت نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ لیکن سیرت پاک کے اس پہلو کے متعلق قرآنی آیات کے الفاظ کو جس خوبصورتی سے تضمین کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ رضا نے بلاشبہ نعت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم ہی سے سیکھی ہے اور قرآنی آداب نعت گوئی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے اس نوع کے شعری نمونے مشتے از خروارے کے عنوان سے پیش کرنا کافی ہوگا فرماتے ہیں۔

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفےٰ کہ یوں کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

قصرِ دنیٰ کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں
روحِ قدس سے پوچھئے تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں

سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں اسرار و معراج کے دلچسپ اشارے ہیں شعراء نے ان مناظر کو موضوعِ سخن بنایا ہے مگر فاضل بریلوی کا رنگ ہی کچھ اور ہے۔ فرماتے ہیں۔

فرش تا عرش سب آئینہ ضمائر حاضر
بس قسم کھایئے امی تری دانائی کی
شش جہت سمت مقابل شب و روز ایک ہی حال
دھوم 'والنجم' میں ہے آپ کی بینائی کی

شبِ معراج طالب و مطلوب اور محب و محبوب کے درمیان جو راز و نیاز ہوئے اسے صرف وہی جانتے ہیں۔ کتاب عزیز میں بھی اسی مضمون کو (فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ تو رب نے اپنے بندے پر وحی کی جو چاہے جتنی چاہے جیسی چاہے وحی کر دی تھی۔) کے جامع و مانع اسلوب میں پیش کیا ہے۔ مولانا احمد رضا بھی ان اسرار پر اسرار انداز میں ہی بیان کر جاتے ہیں۔ اور اقرار کی اولین وحی ربانی کو تعلیم نبوی کا ربانی اسلوب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

غنچے "ما اوحیٰ" کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبل سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں
اس میں زم زم ہے کہ تھم تھم اس میں جم جم ہے کہ بیش
کثرتِ کوثر میں زم زم کی طرح کم کم نہیں
پنجۂ مہر عرب ہے جس سے دریا بہہ گئے
چشمۂ خورشید میں تو نام کو بھی نم نہیں

ایسا امی کس لئے منت کش استاذ ہو
کیا کفایت اس کو اقرا وربک الاکرم نہیں

عقل کے اندھوں کے سامنے قرآن عزیز نے اسرار اور معراج نبوی پر جو سب سے بڑی دلیل دی ہے اس پر کم کم غور کیا گیا ہے بات یہ بشر کے آنے یا جانے کی نہیں بلکہ اصل بات ذات سبحان کی ہے۔ جو تمام عیوب و نقائص اور ضعف و ناتوانی کے تصور سے بھی بالاتر ہے۔ اسرار معراج دراصل فعل ہے ذات محب اور ذات باری کا یہاں عجز بشری کا کیا سوال ذرا مولانا کی بات سنئے کس طرح اس دلیل ربانی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کلمات قرآنی کی خوبصورت تضمین کی ہے۔ فرماتے ہیں:

پر ان کا بڑھنا تو نام کا تھا حقیقتاً فعل تھا ادھر کا
"تنزلوا" میں ترقی افزا دنیٰ تدلی کے سلسلے تھے

فاضل بریلوی کی اردو نعت گوئی

جناب افتخار عارف ـــــــ صدر نشین، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

آج کی محفل میں حاضری میرے لئے شرف و سعادت کا سبب ہے کہ جس نابغۂ روزگار کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے آج کے اجتماع کا اہتمام کیا گیا ہے وہ بلاشبہ اپنے دور ہی کی نہیں آنے والے زمانوں میں بھی اپنی علمی اور ادبی خدمات کے سبب عزت واحترام کی نظر سے دیکھی جائے گی۔ ۱۸۵۶ء سے ۱۹۲۱ء تک ولادت و رحلت کے مابین ۶۵ برس کے عرصہ حیات میں انہوں نے وہ کام کیا جو اداروں کے کرنے کا کام تھا۔

کتب و رسائل کی تعداد پر نظر ڈالیے اور ان کے عنوانات ہی دیکھ لیجئے تو اعلیحضرت علیہ الرحمہ کے تبحر علمی کا اندازہ ہو جائے گا۔ تفسیر، حدیث، عقائد، کلام فقہ، تجوید، تاریخ، تحقیق، فلسفہ، منطق، تصوف، ادبیات پر ان کی دسترس ایسی کہ بقول ان کے ؎

جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں۔

میرا محدود علم واختصاص اور میری حیثیت اور مقام یہ نہیں کہ میں اعلیحضرت کی تمام خدمات کا ذکر کروں میں اپنے آپ کو صرف ان کی نعت گوئی تک اور وہ بھی اردو نعت گوئی تک محدود رکھوں گا۔

اعلیحضرت کی ساری زندگی اطاعت و عشق رسول میں بہ ہمہ وجود ڈوبی ہوئی تھی۔

سرشاری فکر میں بھی ذکر میں بھی احترام کے ساتھ، ادب کے ساتھ، ترجمۂ قرآن میں جیسا عظمتِ رسول کا لحاظ و خیال اعلیٰحضرت کے ہاں ہے وہ اور ترجموں میں کم کم دیکھنے میں آیا ہے جس طرف بھی جاتے تھے ذاتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیشِ نظر رہتی تھی۔ ؎

ذہن میں زباں تمہارے لئے بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے اٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے

نعت بلحاظ لغت کسی شے کی اچھائیوں کے بیان کے معنیٰ میں استعمال ہوتا تھا۔ صفت و وصف کردن۔ پھر وقت نے نعت کے لفظ کو عمومی توصیف کے تنگ نائے سے نکال کر سرکار ختمی مرتبت کی ذاتِ گرامی کی توصیف و مدح کے بحرِ بیکنار سے مختص کر دیا۔ خداوند کریم نے قرآن کریم میں اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا تھا کہ ان کے ذکر کو بلند کیا جائے گا۔ اتنی نعمتوں سے سرفراز کئے جائیں گے کہ وہ راضی ہو جائیں یہ وہ ہیں کہ کوئی اور ابداً لآباد تک ان کی آواز پہ آواز نہیں کر سکے گا جو یہ دیں گے وہ سرِ تسلیم خم کر کے لے لینا ہوگا جس سے روکیں گے وہاں رک جانا ہوگا۔ یہ کچھ کہیں گے تو جب ہی کہیں گے جب ادھر سے اشارہ ہوگا۔ کچھ پھینکیں گے تو کسی کی طرف سے پھینکیں گے۔ عظمت مطلقہ خدائے عزوجل ہی کو زیبا ہے اور عبدیت کبریٰ کے لئے اس نے اپنے بندۂ خاص کا انتخاب کیا۔

کتاب الٰہی سے رجوع کریں تو دیکھیں گے کہ سرکار کو کیسے کیسے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ اور کس کس طرح سے پکارا گیا ہے۔

" بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق حسنہ کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر عطا کیا اور یہ کہ جو بھیجا گیا آپ کو تو عالمین کے لئے رحمت بنا کے بھیجا گیا ہے۔ وہ محمد صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم ہی احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ مجتبیٰ ہیں یٰسین ہیں طٰہٰ ہیں، سراج منیر بھی ہیں بشیر ونذیر بھی ہیں، نور ہیں گواہ ہیں، برہان ہیں اور یہ منزل تا دکمال عبدیت ہے کہ عبد بھی ہیں۔

کس سے ہو سکتی ہے مداحیٔ ممدوحِ خدا

اور بقول غالب یہ بھی ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم است

مگر یہ شرف وسعادت بلکہ توفیق بھی امت مسلمہ ہی کو ملی کہ اس نے اپنے رسول کو جتنا چاہا اولین وآخرین میں کسی امت میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ جاں نثار وجاں سپار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کثرت سے نعتیں لکھیں، بالخصوص حسان بن ثابت حضرت کعب بن زہیر اور عبداللہ بن رواحہ رضوان اللہ علیہم کے قصائد نعتیہ تو آج تک ہمارے لئے سبب افتخار ہیں۔ عربی اور فارسی اور مسلم دنیا کی تمام زبانوں میں نعت بکثرت لکھی گئیں اردو زبان کی تاریخ میں اولیں تحریروں ہی میں نعتیں منقبتیں مراثی کثرت سے دستیاب ہیں۔ پاکستان کی دوسری زبانوں کو بھی اعلیٰ درجہ کے نعتیہ کلام سے شرف حاصل رہا ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر سے بیسویں صدی کے نصف تک بلکہ اس کے بعد بھی کثرت سے نعت کی طرف توجہ دی گئی مگر تین شعراء اس سلسلے میں میرے نزدیک خصوصی توجہ کے حامل ہیں کہ ان کی شاعری کا مرکز ومحور عشق حضور صلی اللہ علیہ وسلم رہا ہے۔ محسن کاکوروی حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی اور حکیم الامت علامہ اقبال۔ کلیات محسن پر نظر ڈالئے تو پتہ چلے گا کہ وہ کس درجے کے نعت گو شاعر تھے۔ ہمارے عہد کے نامور نقاد حسن عسکری نے یوں ہی تو نہیں کہہ دیا تھا کہ محسن کاکوروی کی شاعری نہیں ہے۔ یہ ایک تہذیبی مظہر ہے اس سے ہمیں اپنی قومی نشو ونما اور سمت

کا پتہ چلتا ہے۔

اور اقبال بلاشبہ بیسویں صدی کے عظیم شاعر ہیں۔ اور اس دانائے راز کے سارے افکار و خیالات کا محور و مرکز اسلام، کتاب الٰہی، سیرت و سنت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں!
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر با و نہ رسیدی تمام بولہبی است

اور عشق کی کون سی منزل ہے کہ ایک میزان بھی مقرر کر دیا ہے۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی،
وگر نہ مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق
لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے حجاب
شوق اگر ترا نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

اور یہی نہیں یہ بھی روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے

اس راز کو اب فاش کرائے روح محمد
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے
مسلماں آں فقیرِ کجکلا ہے
رمید از سینہ او سوز و آہے
دلش نالد چرا نالد ندا ند
نگاہے یا رسول اللہ نگاہے

حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے عربی فارسی اردو ہندی چاروں زبانوں میں نعتیں لکھیں۔ پھر یہ بھی کہ مختلف اصناف سخن میں نعتیہ کلام لکھا، قصائد ہیں، رباعیاں ہیں، غزلیہ انداز کی نعتیں ہیں، قطعات ہیں اور جس طرف بھی متوجہ ہوئے ہیں ان کا جوہر تخلیق و عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھلتا اور کھلتا چلا گیا ہے۔

ایک رباعی دیکھئے کہ جس میں انہوں نے اپنی نعت گوئی کے لئے خود ایک میزان و معیار مقرر کر دیا ہے کہ نعت لکھنا حد درجے کی احتیاط چاہتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے آداب دنیاوی بھی ہوں گے مگر خود اللہ نے بھی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی حدیں بتا دی ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنتہ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

قصیدہ سلامیہ، قصیدہ نوریہ، قصیدہ معراجیہ، قصیدہ بہاریہ جس طرح کی فضا بنا نی

ہوتی ہے پھر ساری آئینہ بندی اسی نوعیت کی۔ آہنگ، بحر، زبان، لہجے، بندشیں، ترکیبیں، موسیقی سب عناصر باہم پیوست نظر آتے ہیں۔ صناعی تمام وکلام مگر حسن کے ساتھ مصرعے صاف، جذبے خالص بیان واضح۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت ووارفتگی نے نعت کو اعجاز سخن کی منزلوں سے ملا دیا ہے۔ کہیں سے بھی حدائق بخشش کھول لیجئے، پڑھتے جایئے اور پاک ہوتے جایئے۔

صنائع وبدائع تواتر کے ساتھ، تجنیس، ایہام تناسب، تضاد وطباق مراۃ النظیر، حسن تلمیح تعلیل سب ہے مگر کرتب بازی کی طرح نہیں حضوری کے معجزوں کے ساتھ۔ ایک اور نعت کہ جس کو انتہائی مقبولیت حاصل ہوئی اور جو وقتاً فوقتاً ہم آپ سنتے رہتے ہیں وہ یہ ہے۔

لَمْ یَاتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
اَلْبَحْرُ عَلَا وَالْمَوْجُ طَغٰی من بیکس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا
یَا شَمْسُ نَظَرْتِ اِلٰی لَیْلِیْ چو بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
بس خامۂ خام نوائے رضا، نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشاد احبا ناطق تھا، ناچار اس راہ پڑا جانا

خواتین وحضرات اس سے پہلے بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں عالم اسلام عظیم صوفی شاعر امیر خسرو سے ایک غزل کا انتساب کیا جاتا ہے آپ نے بھی سنی ہوگی۔ اس میں انہوں نے ابتدائی اردو فارسی کے امتزاج سے مصرعے بنائے ہیں۔

زحالِ مسکیں مکن تغافل ورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہوں کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف وروزِ وصلت چو عمر کوتاہ!
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
چو شمع سوزاں، چو ذرہ حیراں ز مہرِ آں مہ بگشتم آخر
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں
بحقِ روزِ وصالِ دلبر کہ داد ما را فریب خسرو
سپیت منکے ورائے راکھوں جو جائے پاؤں پیا کے کھتیاں

قریب العصر شعراء میں قرۃ العین طاہرہ نے بھی ذو لسانین غزل لکھی ہے۔ علامہ اقبال نے طاہرہ کا اعتراف مثنوی میں بھی کیا ہے۔

جذبات شوکت الجمت بسلاسل الغم والبلا
ہمہ عاشقانِ شکستہ دل کہ دہند جان برہ ولا
اگر آں صنم زرہ ستم پے کشتنم بنہد قدم
لقد استقام بسیفہ فلقد رضیت بما رضیٰ
سحر آں نگار ستمگرم قدمی نہاد بہ بسترم
فاذا رایت جمالہ طلع الصباح کانما

استاذ الاساتذہ پروفیسر غلام مصطفےٰ خان نے اعلحضرت کی اردو نعتیہ شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نعت پر بہت فکر انگیز باتیں کی ہیں۔ اس نعت کو صنعتِ ملمع کا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں کیسے کیسے سلام عرض کئے ہیں۔ عاجزی اخلاص نیاز کی کن کن منزلوں میں حضوری اور حاضری کے آداب پیش نظر رکھتے ہوئے صدیوں سے سلام گذاری کا عمل جاری ہے۔ مگر کچھ سلام ایسے ہیں جو ہمارے اجتماعی دینی تہذیبی حافظے کا جزو بن گئے ہیں ۔

جناب حفیظ جالندھری:۔

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی
ترا نقش قدم ہے زندگی کی لوح پیشانی

جناب ماہرالقادری:۔

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی

جناب اکبر وارثی:۔

یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک

اور پھر اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان کا معرکۃ الآرا سلام التام کہ حرف حرف، مصرعہ مصرعہ عشق رسول میں سرشار نظر آتا ہے ۱۷۱ اشعار کا یہ سلام اپنے اندر جیسے جیسے اختصاص رکھتا ہے وہ صاحبان دل بہتر جانتے ہیں۔

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

بہت شرحیں لکھی گئیں کہ ایسے سلام کا استحقاق تھا کہ اس کا حق ادا کیا جائے اور اب بھی لکھی جائیں گی، کتاب دل تفسیریں بہت اس ذیل میں بے جا نہ ہوگا ایک اور

عظیم نعت گو کہ ہم عصر بھی کہے جا سکتے ہیں۔ حضرت محسنؔ کاکوروی کا بھی ذکر ہو جائے کیسی کیسی مثنویاں اور رباعیاں اور قصیدے ان کے نعتیہ کلام میں شامل ہیں۔

مولا کی نوازش نہاں کھلتی ہے
قسمت مری پیش قدسیاں کھلتی ہے
کہہ دو کہ ملک گوش برآواز رہے
مداح پیمبر کی زباں کھلتی ہے

ابطال باطل بار اصطلاحات باطل کے حوالے سے ان کا قصیدہ لامیہ بہت معروف اور مقبول ہے۔

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے ہوا گنگا جل

اس کے آخری دو شعر دیکھئے، منظر کشی روز محشر کی ہے اور اس شان کی بزم سجی ہے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پُر نور زیب مسند ہوں اور فرشتے ہجوم کئے ہوں شعر کا سلسلہ ہوا ور ایسے میں بقول محسنؔ آرزو ہے محسنؔ یہ ہے کہ پیش حضور قصیدہ لامیہ کی فرمائش کی جائے:

صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح
ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبرئیل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ
سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

اور اس شکوہ کے بعد ایک عاشق رسول کی عاجزی کی آرزو بھی دیکھئے۔

فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہوا ور
بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

اور اشعار دیکھئے:۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
جو گدا دیکھو لیئے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا
اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے
ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا
پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں
جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے
لا اسے پیش جلوہ زمزمہ رضا کہ یوں

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں — تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
کروں مدح اہل دول رضا — پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا — مرا دین پارہ ناں نہیں

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی
سب سے بالا و والا ہمارا نبی
سارے اچھوں میں اچھا سمجھئے جسے
ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبی
سارے اونچوں میں اونچا سمجھئے جسے
ہے اس اونچے سے اونچا ہمارا نبی

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں خسروا! عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں
کہ رضائے عجمی ہو سگ حسانِ عرب

زہے عزت و اعتلائے محمد کہ ہے عرشِ حق زیرِ پائے محمد
خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد

قرآن حکیم اور احادیث نبوی اور سیرت طیبہ کے حوالے شعر میں آتے ہیں تو مصرعہ کسی اور افق کی طرف نکل جاتا ہے۔ مبارک ہیں وہ لفظ جن کو پڑھ کر کبھی اللہ کی کتاب کی کوئی آیت یاد آجائے اور کبھی اللہ کے حبیب سے متعلق کوئی منزل پیش نظر ہو جائے۔

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

یا یہ کہ:۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا ترا

پروفیسر غلام مصطفےٰ خان نے اپنے مضمون کے ماخذ میں تواتر و تسلسل سے ان حوالوں کا ذکر فرمایا ہے۔

میں آخر میں مناجاتِ رضاؔ کے چند اشعار پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں:۔

یاالٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکلکشا کا ساتھ ہو
یاالٰہی جب پڑے محشر میں شورِ دار و گیر
امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو
یاالٰہی گرمیِ محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو
یاالٰہی جب رضاؔ خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدارِ عشقِ مصطفےٰ کا ساتھ ہو

میں بھی آمین کہتا ہوں اور حضرات آپ بھی آمین کہیں بہت نوازش بے حد عنایت بہت کرم۔

امام احمد رضا کی طنزیہ نگاری

محمد ادریس رضوی - ایم. اے جامع مسجد پتری پلی کلیان
پن ۴۲۱۳۰۶

علامہ احمد رضا بریلوی کی تحریریں اسلام کا مرجان، ایمان کا لولو، عقیدہ کا الماس، شریعت کا مرداریدِ طریقت کا موتی، حقیقت کا درِّ نایاب، تنقید کا نقد مال، طنز و مزاح کی شگفتگی اور شعر و ادب میں نسرین و نسترن کی خوشبو کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ علامہ رضا کا سکّہ علم کی تمام شاخوں پر بیٹھا ہوا ہے۔ ان کی علمی کاشت۔

کے مرغ زار چمن پر نگاہ ڈالنے والوں کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ان کے گلستان علم کے غنچوں، کلیوں اور پھولوں کی پھبن کی نظافت دیکھ کر دل سو جان سے عاشق ہو جاتا ہے۔ راہِ علم کا متلاشی اپنے علم کی بساط کے مطابق ان کے علم لدنیّ اور علم وہبی کے دل آویز و عطر بیز اور امتیازی شان کے چمستان میں داخل ہو کر گل چینی کرتا جاتا ہے اور شرح و بسط کی نئی راہیں وا ہوتی جاتی ہیں۔ فاضل بریلوی کی تصنیف و تالیف کی خوبی یہ ہے کہ قرآن و احادیث، اقوال و لغات کے ماخذ و مراجع سے پُر ہوتی ہیں۔ ایک سائل استفسار کرتا ہے کہ جھینگہ کا کھانا درست ہے یا نہیں؟ مکروہ ہے یا حرام؟ اس پر فاضل بریلوی کی تحقیق کے ماخذ سے آپ کی عبقریت کی شان ٹپکتی ہے۔ تحریر کرتے ہیں۔

" فقیر نے کتب لغت و طب و کتب علم حیوان میں بالاتفاق اسی کی تصریح دیکھی کہ وہ مچھلی ہے

(۱) قاموس میں ہے۔ الاربیان بالکسر سمك كالدود ..اربیان ہمزہ مکسورہ کے ساتھ ایک مچھلی ہے۔ مکوڑے کی طرح۔

(۲) صحاح و تاج العروس میں ہے۔ الاربیان بیض من السمك كالدود ویکون بالبصرۃ

اربیان مکوڑے کی طرح سفید مچھلی ہوتی ہے اور بصرہ میں پائی جاتی ہے۔

(۳) صراح میں ہے۔ اربیان نوعے از ماہی ست۔ اربیان مچھلی کی ایک قسم ہے۔

(۴) فقیہی الارباب میں ہے۔ اربیان نوعے از ماہی ست کہ او را بہندی جھینگا می گویند۔ اربیان مچھلی کی ایک قسم ہے جس کو ہندی میں جھینگا کہتے ہیں۔

(۵) مخزن میں ہے۔ روبیان و اربیان نیز آمدہ بفارسی ماہی روبیان و ماہی میک و بہندی جھینگا نامند۔ روبیان اور اربیان بھی کہتے ہیں فارسی میں روبیان مچھلی اور میک مچھلی اور ہندی میں جھینگا مچھلی کہتے ہیں۔

(۶) تحفۃ المومنین میں ہے۔ بفارسی ماہی روبیان نامند۔

(۷) تذکرہ داؤد انطاکی میں ہے۔ روبیان مچھلی کی ایک قسم کا نام ہے جو عراق اور شام کے سمندر میں بہت ہوتی ہے سرخی مائل کیکڑے کی طرح بہت پاؤں والی لیکن اس میں گوشت زیادہ ہوتا ہے۔ (عربی عبارت حذف کر دیا ہے)

(۸) حیاۃ الحیوان الکبری میں ہے۔ الروبیان ھو سمك صغیر جدا احمر۔ روبیان وہ سرخی مائل بہت چھوٹی سی مچھلی ہے [۱]

یہ ہے امام احمد رضا کی ہمہ جہتی کہ سائل کو تشنہ نہیں رکھتے ہیں بلکہ اوراق پارینہ کی سیر کرا کر اس کے دماغ کو معطر کر دیتے ہیں اور جب صفحۂ قرطاس پر تحقیق و تدقیق کو رقم کرتے ہیں تو سائل کے سوال کی نوعیت، کم مایہ علماء کا بے جا اصرار، جہلا کی بے راہ روی کے پیش نظر کلک رضا دین متین کی حفاظت کرتے ہوئے گہرے طنز میں اتر جاتا ہے۔ مگر وہ طنز بے جا نہیں بلکہ بامقصد ہوتی ہے۔ اس سے اسلام و ایمان و عقیدہ کو سمجھنے میں سہارا، محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننے میں مدد، دشمنان اسلام کو پہچاننے میں امداد اور مسائل سے آگاہ ہوئے میں اعانت ملتی ہے۔

ایک سائل کے سوال کا ماحصل یہ ہے کہ شوقیہ شکار کھیلنے والا گنہگار ہوتا ہے یا نہیں؟ فاضل بریلوی جواب کے درمیان ایک جگہ رقم طراز ہیں "آج کل بڑے بڑے شکاری جو اتنی ناک

والے ہیں کہ بازار سے اپنی خاص ضرورت کی کھانے یا پہننے کی چیز لانے کو جانا اپنی کسرِ شان سمجھیں یا نرم ایسے کہ دس قدم دھوپ میں چل کر مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہونا مصیبت جانیں وہ گرم دوپہر گرم لوؤں میں گرم ریت پر چلنا اور ٹھہرنا اور گرم ہوا کے تھپیڑے کھانا گوارا کرتے، اور دو دو پہر دو دو دن شکار کے لئے گھر بار چھوڑے پڑے رہتے ہیں، کیا یہ کھانے کی غرض سے جاتے ہیں؟ حاشا وکلا بلکہ وہی لہو ولعب ہے اور بالاتفاق حرام‘‘ ؎۲ بازار میں نہ جانے اور دھوپ میں مسجد میں نہ آنے کی مناسبت سے لفظ نازک والے اور نرم کا استعمال طنز کے طور پر کیا گیا ہے۔ دنیا کو دکھانے کے لئے تصنع و ریاکاری اور دین کا کام کرنے میں سستی اور کاہلی کرنے والے اپنے شوق کی تکمیل کے لئے گرمی و سردی سب کچھ برداشت کر لیتے ہیں۔ فاضل بریلوی کی دوربین نگاہ کتابوں کا بھی احاطہ کرتی اور سماج کے نیک و بد کو بھی دیکھا کرتی تھی اسی بنا پر بغیر ضرورت کے شکار کھیلنے والوں پر حرمت کا فتویٰ صادر کرتے ہوئے سماج میں پھیلی ہوئی بے جا روش کا تجزیہ اور الٹی گنگا بہانے والوں پر طنز بھی کیا ہے۔

فتاوی کی کتابیں اکثر خواص میں ہی مقبول رہی ہیں۔ عوام کو ان سے کوئی غرض نہیں، ادبا کو ان سے کوئی مطلب نہیں، مفکروں اور دانشوروں کو ان کی کوئی حاجت نہیں، ارضیات و فلکیات کے ماہروں کو ان سے کوئی بحث نہیں کہ ان کی دلچسپی کا سامان نہیں ہے۔ فاضل بریلوی اس روایت کو توڑتے ہوئے سب کے لئے سامان بہم مہیا کر دیا ہے۔ ایک شخص ڈھول اور سارنگی کے ساتھ قوالی سننے کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں پوچھتا ہے۔ فاضل بریلوی اصلاحی اُردو ادب کی شیرنی اور طنز و تنقید کی تلخی و ترشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ چھٹا پیراگراف میں تحریر کرتے ہیں۔

؎ بعض جہال بدمست یا نیم ملا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی بادبدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصّے یا محتمل واقعے یا متشابہ پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف، متعین کے آگے محتمل، محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے۔ پھر کہاں قول کہاں حکایت فعل، پھر کجا محرم کجا مبیح ہر طرح یہی واجب العمل،

اسی کو ترجیح، مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے کاش گناہ کرتے اور گناہ جانتے اقرار لاتے، یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں اپنے لئے حرام کو حلال بنالیں پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبان خدا اکابر سلسلہ عالیہ چشتیہ قدست اسرارھم کے سر دھرتے ہیں نہ خدا سے خوف نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں[۳]"

مذکورہ عبارت میں " ادب برائے زندگی " کا اعلیٰ نمونہ پایا جاتا ہے اور کہیں یہ احساس نہیں ہوتا ہے کہ یہ ایک صدی پیشتر کی زبان ہے۔ ادب اور مقصد کے درمیان سے جھانکتا ہوا یہ رمز بھی خوب ہے۔" پھر کجا محرم کجا مبیع ہر طرح یہی واجب العمل اسی کو ترجیح "

ادب کی زبان کو کن خصوصیات سے مزین ہونا چاہیئے؟ اس تعلق سے پروفیسر آل احمد سرور لکھتے ہیں " ..... ادبی زبان میں پیرائے یا اظہار کا ادبی ہونا ضروری ہے۔ دوسرے الفاظ میں، بیان کافی نہیں ہے حسن بیان ضروری ہے۔ حسن بیان سے احتمال ہو سکتا ہے کہ شاید یہ مضمون یا خیال یا مواد سے علیحدہ کوئی چیز ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے دونوں میں ایک بنیادی تعلق ہے[۴]"

ایک جگہ اور لکھتے ہیں " نثر کی زبان اور نظم کی زبان میں فرق ہے، حالانکہ دونوں ادب کی شاخیں ہیں۔ یعنی دونوں میں حسن بیان کی نوعیت مختلف ہے۔ نظم کی زبان تخلیقی ہوتی ہے۔ نثر کی تعمیری۔ نظم اس چاندنی کی طرح ہے جس میں سائے اور گہرے اور بلیغ معلوم ہوتے ہیں۔ نثر اس دھوپ کی طرح ہے جو ہر چیز کو آئینہ کر دیتی ہے۔ نظم وہ کنجی ہے جو ذہنی تصویروں کا صنم کدہ وا کرتی ہے۔ نثر وہ تلوار ہے جو حق و باطل کا فیصلہ کرتی ہے۔ نظم میں ہر لفظ، بقول غالب گنجینۂ معنی کا طلسم ہے۔ نثر میں وہ اینٹ جو کسی دوسری اینٹ کے ساتھ مل کر تاج محل بنتی ہے۔ نظم زبان کی توسیع اور نثر اس کی حفاظت کا نام ہے۔ نظم مے خانہ ہے اور نثر آئینہ خانہ[۵]"

پروفیسر آل احمد سرور نے نثر کی زبان میں جن خوبیوں کا ہونا بتایا ہے۔ مولانا بریلوی کے منثور میں وہ تمام خصوصیات بدرجۂ اتم موجود پائی جاتی ہیں۔ ادب میں منظر کشی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مگر مذہبی لٹریچر میں منظر کشی مشکل کام ہوتا ہے۔ ادب میں بات کہنے کے لئے فنکار کو فنی خوبیوں سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ اس تعلق سے ڈاکٹر سید اعجاز حسین کا کہنا ہے کہ " واقعات کتنے ہی اصلیت

کا پہلو لئے ہوں اور کتنی ہی سچائی کے ساتھ ان کا بیان کیا جائے مگر فنی خوبیوں کی کامیابی کا دروازہ بیان کرنے والے کے ادب پر بندہی رہے گا .... منظر یا پیکر یا واقعات کو دیکھنا اور قلم بند کر دینا اسی وقت نظم و نثر کی جان بن سکتا ہے، جب اس کو اپنے تجربات اور فن کی کسوٹی کے خراد پر کانٹ چھانٹ کر ایک متناسب شکل میں ادیب نے پیش کیا ہو"۔ ۷۶

امام احمد رضا فاضل بریلوی فنی خوبیوں سے بخوبی آگاہ اور بات کہنے کا سلیقہ جانتے تھے۔ بکھری ہوئی باتوں کو ہار کے مانند پرو کر الفاظ کو موزوں اور مناسب جگہ پر سجاتے تھے۔ عبارت پیش کرنے سے قبل یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اسلام خرافات و واہیات کو مٹانے کے لئے آیا ہے مگر بعض مسلمان ان بے ہودہ باتوں کو مذہب کا کام سمجھ کر کرتے ہیں ان میں سے ایک تعزیہ داری بھی ہے علامہ رضا تعزیہ داری میں ہونے والی رسوم کی منظر کشی اس طرح کرتے ہیں۔

"...... جہاں بے خرد نے اس اصل جائز کو بالکل نیست و نابود کر کے صدہا خرافات وہ تراشیں کہ شریعت مطہرہ سے الامان الامان کی صدائیں آئیں۔ اوّل تو نفس تعزیہ میں روضہ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی ہر جگہ نئی تراش نئی گڑھت جسے اس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت پھر کسی میں پریاں کسی میں براق کسی میں اور بیہودہ طمطراق پھر کوچہ بکوچہ دشت بدشت اشاعت غم کے لئے ان کا گشت اور ان کے گرد سینہ زنی اور ماتم سازشی کی شور افگنی کوئی ان تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے کوئی مشغول طواف کوئی سجدے میں گرا ہے کوئی ان مایہ بدعات کو معاذ اللہ جلوہ گاہ حضرت امام علی جدہ وعلیہ الصلاۃ والسلام سمجھ کر اس ابرک پنی سے مرادیں مانگتا منتیں مانتا ہے حاجت روا جانتا ہے پھر باقی تماشے باجے تاشے مردوں عورتوں کا راتوں کو میل اور طرح طرح کے بیہودہ کھیل ان سب پر طرہ ہے غرض عشرہ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت ومحل عبادت ٹھہرا ہوا تھا ان بیہودہ رسوم نے جاہلانہ وفاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا پھر وبال ابتداع کا وہ جوش ہوا کہ خیرات کو بھی بطور خیرات نہ رکھا ریا و تفاخر علانیہ ہوتا ہے پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے۔ روٹیاں زمین پر گر رہی ہیں رزق الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے پیسے رستے میں گر کر غائب ہوتے ہیں۔ مال کی اضاعت ہو رہی ہے مگر نام تو ہو گیا کہ فلاں صاحب لنگر لٹا رہے

ہیں۔ اب بہانہ عشرہ کے پھول کھلے تاشے باجے بجتے چلے طرح طرح کے کھیلوں کی دھوم، بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم، جشن یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ تصویریں بعینہٖ حضرات شہدا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے جنازے ہیں کچھ نوچ اتار باقی توڑ تاڑ دفن کر دیئے[۱۴۳]

"فرد کی انا جب تک کائنات کی روح سے ہم آہنگ نہیں ہوتی "میں"، جب تک "ہم" نہیں بنتا اس وقت تک بلند پایہ اسلوب یا اعلیٰ ادب وجود میں نہیں آتا[۱۴۴]۔ الفاظ کے سرائے اور ان کی کھنک نے امام احمد رضا کے ہیں کو "ہم" بنا دیا ہے۔" آل احمد سرور کے نزدیک اسٹائل وہ تلوار ہے جو کر جائے کام اپنا لیکن نظر نہ آئے[۱۴۵]، وہاں ابتداع کا وہ جوش ہوا ...... اب بہار عشرہ کے پھول کھلے۔ جشن یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ۔ ساختہ تصویریں جنازے ہیں تو کچھ نوچ اتار باقی توڑ تاڑ کیوں؟ فاضل بریلوی کے اسلوب میں طنز کا وہ نشتر ہے جو کر گیا ہے کام اپنا مگر .....

فاضل بریلوی کا قلم اسلام کی حفاظت، سماج کی اصلاح، ادب کی تعمیر، تنقید کے توسط سے کھرا اور کھوٹا کو الگ اور برائیوں کے ناسور پر طنز کا نشتر چلانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا ہے۔ ایک شخص عورتوں سے متعلق ۱۶ سوالات پر مشتمل ایک استفتا روانہ کئے پہلا سوال یہ ہے کہ "عورات کو اس مکان میں جہاں محارم وغیر محارم مرد اور عورتیں ہوں جانا جائز ہے یا ناجائز[۱۴۶]"

اسی قسم کے دوسرے سوالات کو ملاحظہ کرنے کے بعد فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ "عرض جواب سے پہلے چند اصول و فوائد ملحوظ خاطر عاطر رہیں .... اول۔ اصل کلی یہ ہے کہ عورت کو اپنے محارم رجال خواہ نساء کے پاس ان کے یہاں عیادت یا تعزیت یا اور کسی مندوب یا مباح دینی یا دنیوی حاجت یا صرف ملنے کے لئے جانا مطلقاً جائز ہے جبکہ منکرات شرعیہ سے خالی ہو مثلاً بے ستری نہ ہو مجمع فساق نہ ہو، تقریب ممنوع شرعی نہ ہو، ناچ یا گانے کی محفل نہ ہو، زنا فواحش و بیباک کی صحبت نہ ہو، چو بے شریعت کے شیطانی گیت نہ ہوں، سمدھنوں کی گالیاں سننا سنانا نہ ہو، نامحرم دولہا کو دیکھنا دکھانا نہ ہو، رتجگے وغیرہ میں ڈھول بجانا گانا نہ ہو[۱۴۷]"

چہارم اصول و فوائد میں تین سطر کے بعد رقم کرتے ہیں "خصوصاً حسینوں کو بلا ضرورت

ان سے احتراز ہی چاہئے اور برعکس رواج عوام بیاہیوں کو کنواریوں سے زیادہ کہ ان میں نہ وہ حیا ہوتی ہے نہ اتنا خوف نہ اس قدر لحاظ اور نہ ان کا وہ رعب نہ عامۂ محافظین کو اس درجہ ان کی نگہداشت اور ذوق چشیدہ کی رغبت انجان نادان سے کہیں زائد لیس الخبر کالمعائنۃ۔ تو ان میں موانع اور متقضی بھاری اور اصلاح وتقوی پر اعتماد غلط کاری مرد خود اپنے نفس پر اعتماد نہیں کرسکتا اور کرے تو جھوٹا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ نہ کہ عورت جو عقل و دین میں اس سے آدھی اور رغبت نفسانی میں سوگنی ہر مرد کے ساتھ ایک شیطان اور ہر عورت کے ساتھ دو۔ ایک آگے ایک پیچھے[۱۲]"

ششم اصول و فوائد کے تحت چھٹی سطر کے بعد تحریر کرتے ہیں "...... اور اگر مجمع جلوت ہے تو بے حاجت شرعی اجازت نہیں خصوصاً جہاں فضولیات وبطالات وخطبات وجہالات کا جلسہ ہو جیسے سیر، تماشے، باجے تاشے۔ ندیوں کے بن گھٹ، ناؤ چڑھانے کے جمگھٹ، بے نظیر کے میلے پھول والوں کے جھمیلے، نوچندی کی بلائیں مصنوعی کربلا میں علم تعزیوں کے کاوے، تخت جریدوں کے دھاوے، حسین آباد کے جلوے، عباسی درگاہ کے بلوے ایسے مواقع مردوں کے جانے کے بھی نہیں نہ کہ یہ نازک شیشیاں[۱۳]"

جواب نمبر ۷ کی بین السطور عبارت پڑھئے "حدیث ثالث میں فرمایا ان عورتوں کے جمع ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے صیقل کرنے لوہا تپایا جب آگ ہوگیا کوٹنا شروع کیا جس چیز پر اس کا پھول پڑا جلادی۔ عورتیں کہ بوجہ نقصان عقل و دین سنگدل اور امر حق سے کم منفعل ہیں ولذا الم یکمل منھن الا القلیل لوہے سے تشبیہ دی گئی اور نار شہوات وخلاعات کہ ان میں رجال سے حصہ زائد مشتعل لوہار کی بھٹی اور ان کا مخلے بالطبع ہوکر اجتماع لوہے اور ہتوڑے کی صحبت۔ اب جو چنگاریاں اڑیں گی دین ناموس حیا غیرت جس پر پڑیں گی صاف پھونک دیں گی سلمیٰ پارسا ہے ہاں پارسا ہے وبارک اللہ مگر جان برادر کیا پارسائیں معصوم ہوتی ہیں کیا صحبت بد میں اثر نہیں جب قیموں سے جدا خود سر و آزاد ایک مکان میں جمع اور قیموں کے آنے دیکھنے سے بھی اطمینان حاصل۔ فانما خلقت من ضلع اعوج۔ کج سے بنی کج ہی چلے گی آپ نادان ہے شدہ شدہ سیکھ کر رنگ بدلے گی جسے تشقیف زنان کی پرواہ نہیں یا حالات زمان سے آگاہ نہیں اول

ظالم کا تو نام نہ لیجئے اور ثانی صالح سے گذارش کیجئے .... جسے ان نازک شیشوں کو صدمے سے بچانا ہو تو راہ یہی ہے کہ شیشیاں شیشیاں بھی بے حاجت شرعیہ نہ ملنے پائیں کہ آپس میں مل کر بھی ٹھیس کھا جاتی ہیں حاجات شرعیہ وہی جو علمائے کرام نے استثناء فرما دیں غرض احادیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہلکا نہیں کہ اجتماع نساء میں خیر و اصلاح نہیں آئندہ اختیار بدست مختار"[14]

سوال نمبر[16] کا خلاصہ یہ ہے کہ مکان کے ایک گوشہ میں پردہ کے اہتمام کے ساتھ محارم و غیر محارم عورتوں کا مجمع ہو دوسرے گوشہ میں ہر قسم کے مردوں کا اور نامحرم مردوں کی آواز عورتوں تک پہنچتی ہو اور وہاں مجلس وعظ یا ذکر شریف نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام منعقد ہے تو ایسے جلسہ میں اپنے محارم کو بھیجنا یا نہ بھیجنا کیا حکم ہے"[15]

اس سوال کا جواب طویل ۴۸ سطر پر مشتمل اور ڈھائی صفحات سے زیادہ پر پھیلا ہوا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔" .... اور نہ بھیجنے میں اصلا محذور شرعی نہیں اگرچہ مجلس محارم زن کے یہاں ہو بلکہ اگر وعظ اکثر واعظان زمانہ کی طرح کہ جاہل و ناعاقل و بے باک و ناقابل ہوتے ہیں۔ مبلغ علم کچھ اشعار خوانی یا بے سر و پا کہانی یا تفسیر مصنوع یا تحدیث موضوع نہ عقائد کا پاس نہ مسائل کا احتفاظ نہ خدا سے شرم نہ رسول کا لحاظ غایت مقصود پسند عوام اور نہایت مراد جمع حطام یا ذاکر ایسے ہی ذاکرین غافلین مبطلین جاہلین سے کہ رسائل پڑھیں تو جہاں مغرور اشعار گائیں تو شعرائے بے شعور کے، انبیاء کی توہین خدا پر اتہام اور نعت و منقبت کا نام بدنام جب تو جانا بھی گناہ، بھیجنا بھی حرام اور اپنے یہاں انعقاد مجمع آثام آج کل اکثر مواعظ و مجالس عوام کا یہی حال پر ملال فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی طرح اگر عادت نساء سے معلوم یا مظنون کہ بنام مجلس وعظ و ذکر اقدس جائیں اور سُنیں نہ سنائیں بلکہ عین وقت ذکر اپنی کھچڑیاں پکائیں"[16]

حدیث شریف میں تو اپنے مکانوں کی نسبت آیا۔ لاتسکنوھن الغرف۔ عورتوں کو بالا خانوں پر نہ رکھو یہ وہی طائر نگاہ کے پَر کترنے ہیں شرع مطہر نہیں فرماتی کہ تم خاص لیلے و سلمے پر بدگمانی

کر دیا خاص زید و عمرو کے مکانوں کو مظنۂ فتنہ کہو یا خاص کسی جماعت زنان کو مجمع نا بایستنی بتاؤ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتی ہے کہ ان من الحزم سُوء الظن ....

صالح و طالح کسی کے منہ پر لکھا ہوا نہیں ہوتا ظاہر ہزار جگہ خصوصاً اس زمن فتن میں باطن کے خلاف ہوتا ہے اور مطابق ہو تو صالحین و صالحات معصوم نہیں اور علم باطن و ادراک غیب کی طرف راہ کہاں اور سب سے درگزرے تو آج کل عامۂ خاص خصوصاً نساء میں بڑا ہنر ان ہوئی جوڑ لینا طوفان لگا دینا ہے کاجل کی کوٹھری کے پاس ہی کیوں جائے کہ دھبا کھائے لاجرم سبیل یہی ہے کہ بالکل دریا جلا دیا جائے

؎ وہ سر ہی ہم نہیں رکھتے جسے سودا ہو ساماں کا[۸۹]

خدا پناہ دے بُری گھڑی کہہ کر نہیں آتی اجنبیوں سے علما کا ایجاب وحجاب آخر اسی سدِ فتنہ کے لئے ہے۔ پھر چند توفیق رفیق بندہ کے چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی کے بیٹوں کتنے بھر کے رشتہ داروں کے سامنے ہونے کا کیسا رواج ہے اور اللہ بچاتا ہے فتنہ نہیں ہوتا اس سے بدتر عام خدا ترس ہندیوں کے وہ بد لحاظی کے لباس آدھے سر کے بال اور کلائیاں اور کچھ حصۂ گلو و شکم و ساق کا کھلا رہنا تو کسی گنتی شمار میں نہیں اور زیادہ بانکپن ہوا تو دوپٹہ شانوں پر ڈھلکا ہوا کریب یا جالی باریک یا گھاس ململ کا جس سے سب بدن چمکے اور اس حالت کے ساتھ ان رشتہ داروں کے سامنے پھرنا[۹۰]

اردو ادیبوں میں سر سید، حالی، شبلی، ڈپٹی نذیر احمد، محمد حسین آزاد، رئیس الاحرار، لسان العصر، مصور غم اور بابائے اردو کو شہرت حاصل ہے اور عورتوں کی اصلاح کے لئے لکھی جانے والی کتابوں میں مرآۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، مجالس النساء، حیات صالحہ، بنت الوقت اور منازل السائرہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کتابوں میں حقیقی واقعات، مشرقی تہذیب وتمدن، معاشرتی اصلاح معاشرے کی سادہ اور غیر پیچیدہ زندگی کی عکاسی کی گئی ہے، مذہب، اخلاق وآداب معاشرت کے لئے یہ کتابیں سود مند ثابت ہوئی ہیں۔ ہمارا مقصد کسی کا تجزیہ کرنا اور کسی کے قد کو بڑھانا یا گھٹانا، یا کسی پر کسی کو فوقیت دینا یا کسی کو سیر کارواں بنانا نہیں ہے۔ مگر اردو زبان کے سخن پرداز، سخن پرور، سخن سنج، سخن ساز، سخن شناس، سخن طراز، سخن گو اور سخن ور سے اتنا ضرور کہوں گا کہ مندرجہ بالا علماء وادبا کی اصلاح معاشرہ پر لکھی گئی کتابوں کو سامنے رکھ کر

فاضل بریلوی کی کتابوں اور اس مضمون میں درج کئے گئے اقتباسات کو ملاحظہ کیجئے اور ان کے دلنشیں انداز اور فکر انگیز خطابات میں جلال و جمال کو دیکھئے جو سادہ بھی ہے اور پرکار بھی، مقصد و موضوع اور غرض و غایت کی گہرائی بھی ہے اور تنوع بھی، مثالیت کا جمال، درد و گداز کی کسک طنز کی جھلکیاں اور اشاریت و ایمائیت سے ادب برائے زندگی میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ بعض عبارتوں میں زبان رقیق ہے اس کی وجہ ذیل کے اقتباس سے سمجھ میں آتی ہے "جو الفاظ ایک شخص استعمال کرتا ہے وہ ایک دور یا مزاج یا روایت کے بھی آئینہ دار ہوتے ہیں۔ یعنی وہ انفرادی کے ساتھ اجتماعی خصوصیات بھی رکھتے ہیں قدیم اردو میں ہندی کے نرم الفاظ زیادہ تھے بیچ میں فارسی کی پرشکوہ ترکیبیں آئیں جن میں روانی بھی تھی اور شوکت بھی"[۱۹] فاضل بریلوی کا تعلق درمیانی دور سے ہے جس میں فارسی کی پرشکوہ ترکیبیں استعمال ہوتی تھیں فاضل بریلوی کی پرشکوہ ترکیبوں میں تسلسل و روانی کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی ہیں اور شوکت کا پھریرا لہرا رہا ہے۔

فاضل بریلوی اسلام کی خدمت لوگوں کے ایمان کی حفاظت اور مسلمانوں کے عقیدہ کی نگہبانی میں لگے ہوئے تھے ان کو اتنی فرصت کہاں تھی کہ فرضی کردار نگاری کی عشوہ گری میں الجھتے اور قلم کی طاقت کو ادب برائے ادب میں صرف کرتے، اس لئے جو کچھ لکھا قرآن و احادیث، فقہ اور اقوال ائمہ کی دلائل کی روشنی میں لکھا اور مقصدی باتوں میں ادب برائے زندگی کو استعمال کر کے اس کو ادب پارہ بنا دیا ہے۔

اردو ادب میں ناول اور افسانہ کے اختراع سے پہلے داستان گوئی کو قبولیت حاصل تھی، داستان نگاروں نے دیو پری اور جن کے ساتھ اسلام کی برگزیدہ ہستیوں اور عظیم سپاہیوں کو کردار بنا کر ان کے دامن عفت پر معصیت کے داغ لگانے کی کوشش کی ہیں۔ اس تعلق سے ایک شخص اعلیحضرت سے دریافت کرتا ہے کہ "داستان امیر حمزہ میں عمرو عیار کا ذکر ہے یہ عمرو کون ہیں اور ان کی نسبت اس لفظ کا اطلاق کیسا ہے؟ فاضل بریلوی کی تحقیق اور طنزیہ انداز ملاحظہ کیجئے "سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجلۂ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ہیں۔ فیضی بے فیض نے جب داستان حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گڑھا اس میں جہاں

صدہا کار ناشائستہ واطوار ناباٸستہ مثلاً مہر نگار دختر نوشیرواں پر فریفتہ ہو کر راتوں کو اس کے محل پر کمند ڈال کر جانا اور معاذ اللہ صحبتیں گرم رکھنا عم مکرم حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسد اللہ واسد رسولہ سیدنا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف نسبت کیے یونہی ہزارہا شہدپن اور مسخر گی کے بیہودہ حبتن ان صحابی جلیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب منسوب کر دیئے اور انہیں معاذ اللہ عیار زد دوطرار کے لقب دے کر بحیلہ داستان جاہل بیچارے تبرائی بنائے یہ اس مردک کی ناپاک بیباکی اور بیباک ناپاکی اور خدا رسول پر سخت جرأت تھی مسلمانوں کو ان شیطانی قصوں خصوصاً ان ناپاک لفظوں سے احتراز لازم ہے[20]

آم کے آم گٹھلیوں کے دام کی مثل فاضل بریلوی کی تحریر ہر صورت میں مسلمانوں کے لئے نافع ہے اور ایک پنتھ دو کاج کی طرح مندرجہ بالا اقتباس کو پڑھنے والا تاریخی حقائق سے آگاہ اور طنز یہ انداز سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ فاضل بریلوی نے داستان نگار فیضی صفت اسم منسوبی پر صفت بے فیض کا رمز پھینکا ہے جو فیضی کے کار از دست رفتہ کے لئے خوب ہے۔ فیضی نے جلیل القدر صحابہ کرام کی عصمت وعظمت کو مجروح کرنے کی جو کوشش کی ہے اس کی مناسبت سے فاضل بریلوی نے "یہ اس مردک کی ناپاک بیباکی اور بیباک ناپاکی" کا برمحل استعمال کر کے فیضی جیسے اور لوگوں کو بھی آگاہ کر دیا ہے کہ "ہونٹوں کی مسی پونچھو"

ایک شخص خضاب کے جواز کے بارے میں یہ پوچھتا ہے کہ "خضاب سیاہ اگر وسمہ سے ہو[21]" فاضل بریلوی طنزاً تسمہ کا اضافہ کر کے فرمایا "وسمہ سے ہو یا تسمہ سے سیاہ خضاب حرام ہے[22]" اچھا حضور اگر جوان عورت سے مرد ضعیف نکاح کرنا چاہے تو خضاب سیاہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ جواب میں ظرافت کا پہلو نمایاں ہے۔ فرماتے ہیں "بوڑھا بیل سینگ کاٹنے سے بچھڑا نہیں ہو سکتا[23]"

مرزا قادیانی کو جب اپنی جھوٹی نبوت کا سکہ بٹھانے کا سودا اچھلا تو لکھ مارا کہ "میں بعض نبیوں سے بھی افضل ہوں[24]" نبیوں سے افضل ہونے کا خیال کسی خرنا شخص کو ہی آسکتا ہے۔ اس کی افضلیت پر فاضل بریلوی نے طنز و مزاح کا جو پھول کھلایا ہے پڑھنے والوں کے لبوں پر بے ساختہ ہنسی دوڑ جاتی ہے۔ تحریر کرتے ہیں "کفر ہفتم میں اسے ایک لطیف تاویل کی گنجائش تھی کہ یہ

لفظ (نبیوں) بتقدیم نون نہیں بلکہ بنیوں ب ن ی و ں) بتقدیم باہے۔ یعنی بھنگی ورکنار کہ خود ان کے تو لال گرو کا بھائی ہوں اُن سے تو افضل ہوا ہی چاہوں ہیں تو بعض ب ن ی و ں) سے بھی افضل ہوں کہ انہوں نے صرف آٹے دال میں ڈنڈی ماری اور یہاں وہ ہتھ پھیری کہ ببییوں کا دین ہی اڑ گیا۔[۲۵]

من میں شیخ فرید بغل میں اینٹیں کی مثل بعض مصنفوں اور مؤلفوں نے اسلام کا نام لے کر اور شرک و بدعت کی دہائی دے کر وہ اپنی تصنیفات و تالیفات کو گستاخانہ الفاظ اور نازیبا کلمات سے بھر کر اور خوبصورت ناموں کا لیبل لگا کر بازار میں لائے حالانکہ موضوع کے لحاظ سے کتابوں کے وہ نام کسی طرح موزوں نہیں تھے جو مصنفوں نے رکھے ہیں۔ فاضل بریلوی کے پاس جب وہ کتابیں آتی تھیں تو آپ مطالعہ فرماتے اور ان مصنفوں کے خیالات باطلہ کے مطابق بڑے خوبصورت اور ظریفانہ انداز میں نوک پلک درست کر کے ناموں کو اس طرح تبدیل کر دیتے تھے کہ پڑھنے والا حیران ہو جاتا تھا کہ ان کتابوں کے مصنفوں نے ایسے ناموں کا انتخاب کیونکر کیا ہے۔ چنانچہ ایک رافضی نے اپنے مذہب کی حمایت میں ایک کتاب لکھی اور اس کا نام "جَنّاسُ الْاَجْنَاس" رکھا اور ایک نسخہ اعلیحضرت کے پاس بھیج دیا حضرت نے ملاحظہ فرمانے کے بعد ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری کو دیا کہ آج کی ڈاک سے یہ کتاب آئی ہے۔ اب آگے کا حال ملک العلماء کی زبانی سنیئے۔ لکھتے ہیں "اب جو میں اس کا نام پڑھتا ہوں تو "انجاس الخناس" ہے۔ حیرت میں پڑ گیا کہ مصنف نے یہ کیا نام رکھا جب غور سے دیکھا تو جناس کے اوّل انجو بڑھا ہوا ہے اور جناس کو ملا کر نون کا شوشہ غائب ہو گیا دوسرے لفظ سے لا کر سیاہی سے بھر دیا کہ پھول معلوم ہونے لگا۔ جر کے اوپر الحر بڑھا دیا خاصہ "انجاس الخناس" ہو گیا[۲۶]

مولوی خرم علی کی ایک کتاب کا نام نصیحۃ المسلمین ہے اور وہ تقویت الایمان کا چربہ ہے۔ مصنف کا نام کاتب نے اس طرح ملا کر لکھا "خرمعلی" فاضل بریلوی نے "نصیحہ" کے نون کو سر دے کر ف بنا دیا اور صاد پر نقطہ بڑھا دیا اور خرمعلی پر اعراب لگا دیا اب کتاب کا نام فضیحۃ المسلمین اور مصنف کا نام "خرِ مُعَلّیٰ" ہو گیا[۲۷] بذلہ سنجی کی ایسی نادر مثالیں اور کہیں دیکھنے کو نہیں ملتی ہیں۔

فاضل بریلوی نے اسمٰعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان کے "ق" کے دو نقطوں کو

کو اس طرح ملا دیا کہ ایک نقطہ معلوم ہونے لگا اور بجائے تقویت الایمان "تفویت الایمان" اسم بامسمّیٰ ہوگیا۔ اشرف علی تھانوی کی کتاب کا نام حفظ الایمان ہے۔ فاضل بریلوی نے ف کو اس طرح بنا دیا کہ ب کا شوشہ معلوم ہو اور ح اور ب کا نقطہ دے کر اس کا صحیح نام خبط الایمان کر دیا۔[۲۸]

مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے خیالات پر مبنی ایک رسالہ لکھا اور اس کا نام "سبیل الرشاد" رکھا۔ سبیل الرشاد قرآن حکیم کی ایک آیت کا جز ہے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک امتی اور فرعون کے درمیان مکالمہ ہوا۔ اور سبیل الرشاد پر فرعون کا جواب ختم ہوا کہ "میں تم کو وہی بتاتا ہوں جو بھلائی کی راہ ہے" فاضل بریلوی کی خدمت میں جب وہ رسالہ آیا آپ نے اس کو ملاحظہ فرمایا اور ٹائیٹل پر اس کے نام کے اوپر بڑھا دیا قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِیْکُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی وَمَآ اَھْدِیْکُمْ اِلَّا تو سب مل کر فرعون کا مقولہ ہوگیا جو سورۂ مومن میں ہے قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِیْکُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی وَمَآ اَھْدِیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ فرعون بولا میں تو تمہیں وہی سمجھاتا ہوں جو میری سوجھ ہے اور میں تمہیں وہی بتاتا ہوں سبیل ارشاد۔"[۲۹]

شمس الدین محمد حافظ شیرازی متولد ۷۲۶ھ کی ایک مشہور غزل کے تین اشعار ملاحظہ کیجیے۔

اَلَا یَا اَیُّھَا السَّاقِیْ اَدِرْ کَاْسًا وَّنَاوِلْھَا
کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

—

بمے سجّادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

—

ہمہ کارم زخودکامی بہ بدنامی کشید آخر
نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

فاضل بریلوی نے حافظ شیرازی کی مندرجہ بالا غزل پر تضمین لکھی ہے۔ جسے حدائق

بخشش میں دیکھا جا سکتا ہے دو اشعار ملاحظہ کیجئے جس کے ذریعہ سے فاضل بریلوی نے وہابی فرقہ پر چوٹ کیا ہے۔

بلا بار یدحب شیخ نجدی بر وہابیہ
کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

وہابی گرچہ اخفا میکند بغض نبی لیکن
نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا[۱۶]

اسمٰعیل دہلوی صاحب نے اپنی کتاب "ایضاح الحق" میں لکھا ہے "زمان و مکان وجہت کے اللہ عزوجل کو منزّہ ماننا اور اس کا دیدار بلا کیف وجہت و محاذات حق جاننا بدعت حقیقہ کے قبیل سے ہے" ایک صاحب نے مذکورہ قول کو نقل کرکے دیوبند کے مفتیوں کے پاس بھیجا کہ ایسا لکھنے والے کے بارے میں آپ لوگوں کا کیا خیال ہے۔ اعلیحضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو طنزیہ انداز میں اس طرح رقم کیا ہے[۱۷] ایک مسلمان نے دہلوی صاحب کے اس قول کا دیوبندی صاحبوں سے استفتاء کیا اور حسب دستور مسائل کو زید، عمرو، بکر لکھ کر دریافت کرتے ہیں، دہلوی صاحب کا نام نہ لکھا۔ اس پر عالیجناب شیخ الکل گھر جناب مولوی گنگوہی صاحب نے جواب تحریر فرمایا۔

الجواب

یہ شخص اہلسنت والجماعت سے جاہل اور بے بہرہ اور یہ اعتقاد اور مقولہ جو درج سوال ہے۔ کفر ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔ حضرات سلف صالحین اور ائمہ دین کا یہی مذہب ہے اور یہی احادیث صحیحہ و کلام اللہ شریف کی آیات سے ثابت ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ زمان و مکان وجہت سے پاک ہے اور دیدار اس کا بہشت میں مسلمانوں کو نصیب ہوگا۔ چنانچہ کتب عقائد اس سے مشحون ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ بندہ رشید احمد گنگوہی۔

امام احمد رضا قدس سرہم آگے تحریر کرتے ہیں کہ "اور اس پر حضرات دیوبند مولوی

محمود حسن صاحب و عزیز الرحمٰن صاحب وغیرھا نے مُہریں کیں اور جناب اسمٰعیل صاحب دہلوی پر بددین، ملحد، زندیق کی چوٹیں جڑیں، علی الخصوص ہمارے ذکر کے قابل عالی جناب مولوی اشرفعلی تھانوی صاحب ہیں جنہوں نے اس حکمِ کفر دہلوی صاحب پر یوں تصدیق فرمائی۔

الجواب صحیح۔ اشرفعلی عنہ اعلیحضرت مزید تحریر کرتے ہیں کہ "جب یہ حضرات فتوے دے چکے، اب مسلمانوں نے پندرہ سوال کا استفتاء ان حضرات سے کیا اور اسمٰعیل دہلوی صاحب اور ان کی ناقص کتاب "ایضاح الحق" کا نام و کلام کھول کر دکھایا کہ مفتی صاحبو! وہ شریعت کا حکم اب بھی مانو گے یا طائفہ کے پیرجی کو خدا کی حکومت سے باہر جانو گے؟[۳۲]

رشید احمد گنگوہی، محمود حسن، عزیز الرحمٰن اور اشرفعلی کے سامنے "ایضاح الحق" کا نام و کلام کھول کر دکھایا گیا ہوگا تو وہ لوگ ٹک ٹک دیدم۔ دم نہ کشیدم کی مثل ہو گئے ہوں گے۔ ان لوگوں کے "خود کردہ را علاجے نیست" پر اعلیحضرت امام احمد رضا کی طنزیہ اور ناقدانہ عبارت ملاحظہ کیجئے۔

"۲۸ صفر ۱۳۲۹ھ کو یہ استفتاء طبع ہو کر شائع ہوا۔ تین برس ہونے کو آئے ہیں۔ سب صاحب ساکت و خاموش "درخواب خرگوش" مشکل تو یہ ہے کہ بولیں تو کیا بولیں، قسمت کا لکھا کیونکر دھولیں، اپنے منہ امام الطائفہ پر حکمِ کفر کریں تو کیونکر؟ اب تو فتوے سانپ کے منہ کی چھچھوندر ہو گیا کہ اُگلے تو اندھا، نگلے تو کوڑھی، چار ناچار سکوت کی اوڑھی اسے ناحق کوشی کہتے ہیں، اسے پیرجی پرستی کہتے ہیں، اسے بادۂ ضیانت کی بدمستی کہتے ہیں، بلا سے ہو، جواب نہ دیتے، دل میں پشیمان تو ہوتے کہ جیسے خود اپنے فتوؤں میں کفر بکنے والا، بددین ملحد، زندیق لکھ چکے، اب تو اس کی غلامی چھوڑیں، اسے پیشوا ماننے سے منہ موڑیں مگر حاشا ع

چھٹتی کہاں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی ——— اب تک وہ ایسا ہی چنیں و چناں ویسا ہی امام، یہ اس کے ویسے ہی چناچنیں ویسے ہی غلام[۳۳]

اعلیحضرت امام احمد رضا بریلوی کی طنزیہ نگاری تفریحاً و طبیعتاً نہیں تھی آپ نے اپنے مقابل یا مخالف اور اسلامی مسائل میں کتر بیونت کرنے والوں کی کمزوریوں اور خامیوں پر جو چوٹیں

کی ہیں وہ دینی تعصب یا تنگ نظری کی بنا پر نہیں ہے بلکہ طنزیہ نگاری کے فن میں اعلیٰ درجہ کی جدت پیدا کر کے اپنا الگ مقام بنایا ہے۔ بقول ڈاکٹر خلیل اللہ خاں "طنز نگار ایک بلند پایہ اخلاق کا حامل ہوتا ہے جو اپنے بلند مقام سے انسانی کمزوریوں، خامیوں اور فریب کاریوں کو اپنے طنز کا نشانہ بناتا ہے"[۳۴]

حوالہ جات:

۱۔ احکام شریعت از قلم اعلیحضرت ص ۱۳

۲۔ احکام شریعت ص ۳۰

۳۔ احکام شریعت ص ۶۲-۶۳

۴۔ نظر اور نظریے ص ۴۵

۵۔ نظر اور نظریے ص ۴۶

۶۔ تنقیدی نظریات ص ۲۹۰ حصہ دوم مرتبہ سید احتشام حسین۔

۷۔ رسالہ تعزیہ داری ص ۳-۴ از امام احمد رضا قدس سرہ۔

۸۔ نظر اور نظریے ص ۴۹ آل احمد سرور

۹۔ نظر اور نظریے ص ۵۲ آل احمد سرور

۱۰۔ احکام شریعت ص ۲۷۷

۱۱۔ ایضاً ص ۲۸۰

۱۲۔ ایضاً ص ۲۸۰-۲۸۱

۱۳۔ ایضاً ص ۲۸۱

۱۴۔ ایضاً ص ۲۸۵

۱۵۔ ایضاً ص ۲۷۹

۱۶ے احکامِ شریعت ص۲۸۷-۲۸۸

۱۷ے ایضاً ص۲۸۹

۱۸ے ایضاً ص۲۹۰

۱۹ے نظر اور نظریے ص۴۹ پروفیسر آل احمد سرور

۲۰ے احکامِ شریعت ص۳۲۳ فاضل بریلوی

۲۱ے احکامِ شریعت ص۲۲۶ ۲۲ے ایضاً ص۲۲۶

۲۳ے ایضاً ص۲۲۶ ۲۴ے اشتہار معیار الاخیار بحوالہ السوء والعقاب علی المسیح الکذب ص۲۱

۲۵ے السوء والعقاب علی المسیح الکذاب ص۲۱

۲۶،۲۷،۲۸ے حیات اعلیحضرت ص۵۹-۶۰۔ از قلم ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری

۲۹ے ایضاً ص۶۲ 〃 〃 〃 〃

۳۰ے حدائقِ بخشش ص۱۱۰

۳۱ے بریق المنار بشموع المزار" از قلم امام احمد رضا خان بریلوی

۳۲ے ایضاً ۳۳ے ایضاً ص۲۲تا۲۳

۳۴ے فکر و تحقیق ص۱۳۲ دہلی جولائی تا دسمبر ۱۹۹۰ء

"امام احمد رضا کی جامعیت"

حضرت علامہ شبنم کمالی
جامعہ اسلامیہ امانیہ تُوام دربھنگہ

برادرِ عزیز سراپا تمیز اَسْعَدَکَ اللّٰہ فی الدارین خیرا

تحیۂ مسنونہ اور دعائیں

اللہ عزّ وجلّ کے فضل و کرم سے امیّد ہے کہ آپ ہر طرح بہ خیر و عافیت ہوں گے۔ میں بھی زندہ مع الخیر ہوں۔

میرے خط کے جواب میں آپ کا مکتوب ملا۔ مسرّت و شادمانی ہوئی کہ "مقالہ" آپ تک پہونچ گیا۔ آپ کے اس حالیہ مکتوب سے بھی یہ علم واقعی طور پر ہوتا ہے کہ آپ پھر دوبارہ امام احمد رضا نمبر نکالنے کی تیاری مکمل کر چکے ہیں۔ حالانکہ آپ نے "پیغام رضا" کی اشاعت کا آغاز ہی امام احمد رضا پر ایک ضخیم نمبر کے ساتھ کیا تھا لیکن آپ کے قلب کو اطمینان نہیں ہوا اور اُسی نمبر میں دیگر جدید تحقیق اور معلوماتی عنوانات کے تحت مجدّدِ دین و ملّت کی بارگاہ میں دوبارہ خراجِ عقیدت پیش کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کر دیا تھا۔ اللہ عزّ وجلّ آپ کو کامیاب فرمائے آمین۔

مجھے اچھی طرح احساس ہے کہ امام اہل سُنّت، مجدّدِ دین و ملّت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے بارے میں پہلے بھی کچھ لکھا گیا اور اس دورِ حاضر میں بہت کچھ لکھنا جاری و ساری ہے۔ اس کے باوجود بھی ہمیشہ یہ کہا جائے گا کہ ابھی بہت باقی ہے ابھی بہت باقی ہے۔ دامنِ قرطاس تنگ ہوتا جائے گا قلم کی سیاہی خشک ہوتی جائے گی، لکھنے والے اپنی کم علمی، بے مائیگی اور عدم استطاعت کا اظہار کرتے رہیں گے ــــ عدیم الفرصتی یہ ایک عذرِ تنگ ہے صاف صاف کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا کہ میرا ذہن و دماغ، میری فکر اور میری قوتِ استدراک اس بحرِ ذخّار کے علوم و فنون تک پہونچنے سے قاصر ہے۔

سطحِ آب پر لاکھوں بلبلے ابھرتے اور ٹوٹ جاتے ہیں کیا اُن سے دریا کی گہرائی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جن علوم و فنون پر اعلیٰ حضرت کی تصانیف ہیں دورِ موجودہ کے بہت سے علماء نے اُن میں سے بہت سے فنون کا نام بھی نہیں سنا ہوگا۔ پہلے وہ اس فن کو پڑھیں، پھر اعلیٰ حضرت کی تصنیف کا مطالعہ کریں تب اس کے بارے میں کچھ لکھنے کی جرأت کر سکتے ہیں اور یہ دشوار ترین امر ہے۔ پھر حضور اعلیٰ حضرت کے جملہ علوم و فنون کے محاصرہ کا تصوّر محض تصوّرِ باطل ہے۔ چلیے محاصرہ نہ سہی مگر اس علوم و فنون کے بحرِ ذخّار میں غوّاصی اور غوطہ زنی کر کے بہ قدرِ ظرفِ نظر یا بہ قدرِ استطاعت کچھ موتیوں کو حاصل کر کے پیش کر دینے میں سعادت مندی اور ناموری کے ساتھ ثوابِ آخرت ہے۔ کوشش جاری رہنی چاہیئے۔

میرے عزیز بھائی! جب بھی آدمی کا علم وسیع سے وسیع تر ہوتا ہے اور اُس کا مطالعہ علم کی بلندیوں تک پہونچانے میں معاون و مددگار ہوتا ہے تو جس قدر علم کا اضافہ ہوتا ہے۔ جس قدر مطالعہ کی فراوانی و کثرت ہوتی ہے اُسی قدر اپنی جہالت، کم علمی اور بے بضاعتی کا احساس بھی ہوتا جاتا ہے اور اس کے ضمیر کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ افسوس ہم علم کی سطح کو بھی طے نہیں کر سکے۔ گیرائی و گہرائی تو دُور بہت دور کی بات ہے۔ کچھ یہی حال امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے علوم و تصانیف کے مطالعہ کے بعد دورِ موجودہ کے علّامۂ زمان اور محقق دوراں کا بھی ہوتا ہے تو مجھ جیسا بے مایہ اور بے علم آدمی بارگاہ اعلیٰ حضرت میں اپنی عقیدت و محبت کے گوہر نذر کرنے کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے؟

جوامع الکلم:۔ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و اکرامات کس قدر ہیں اُن کا شمار کسی بڑے سے بڑے علم والے کے بس میں بھی "کما حقّہٗ" نہیں۔ علمائے متقدمین نے جب اپنی عاجزی اور عدمِ استطاعت کا اقرار کیا تو متاخرین کیا دعویٰ یا ہمّت کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ علمائے کرام نے ہمّت ہار کر قلم روک کر اپنے کو جامد اور معطّل بنا دیا۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ حضور کی مدحت سرائی، حضور کے فضائل و مراتب اور حضور کے اوصافِ عظیمہ کے ساتھ ساتھ بہ قدرِ ظرفِ علم حضور کی خصوصیات کو بھی بیان کرتے رہے۔ اس فعل کو علمائے صالحین نے وظیفۂ حیات اور وسیلۂ نجات سمجھا۔

خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے اوپر انعامات الٰہیہ اور عطیاتِ خصوصیہ میں سے بعض کو تحدیثِ نعمت کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ اس ضمن میں امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو دو حدیثیں بیان کی ہیں وہ پیش نظر ہیں ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا میں انبیاء پر چھ خصوصیات کے ساتھ فضیلت دیا گیا، اعطیتُ جوامعُ الکلِم "میں جامع کلمے عطا کیا گیا الیٰ آخرہ۔ دوسری حدیث میں حضور نے فرمایا "بُعثتُ بجوامع الکلِم" میں جامع کلموں کے ساتھ بھیجا گیا الیٰ آخرہ۔

معنیٰ میں شرح وبسط کے ساتھ لفظ میں اختصار کی قوّت کو جوامع الکلم کہا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد گرامی کا مقصد یہ ہے کہ میں مختصر اور تھوڑے کلموں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ معانی مطالب کو بیان کرتا ہوں (کذافی المرقاۃ لملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ)

یہ بات گذشتہ انبیائے کرام میں نہ رہی ہوگی کہ معنیٰ میں کافی سے کافی پھیلاؤ ہو اور لفظ مختصر سے مختصر ہو لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب یہ خوبی عطا کی گئی تو حضور ہی کے صدقے میں حضور کی اُمّت کے علماء کو بھی یہ صفت وراثہ کے طور پر عطا ہوئی اور اسے دوسری اُمّتوں پر اُمّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خصوصیات میں شمار کیا جانے لگا... ہاں اس امر کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا ہوگا کہ حضور کی خصوصیت اور اُمّت کی خصوصیت سے مطابقت کا شائبہ بھی ذہن میں نہیں آنا چاہئے اس لیے کہ اُمّت کو جو بھی ملتا ہے وہ رسول کا صدقہ، عطیہ اور کرم ہوا کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے واسطہ سے عطا فرماتا ہے۔

ع۔ چہ نسبت خاک را باعالم پاک۔

اب حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک حدیث پیش نظر رکھئے وہ کہتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہتے ہوئے سنا (مختصر پیش ہے)

وانّ العُلماءَ ورثۃ الانبیاء وانّ الانبیاءَ لم یورّثوا دینارًا ولا درھمًا وانّما ورّثوا العلم فمن اخذہٗ اخذ بحظٍّ وافرٍ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور بیشک انبیاء نے دینار اور درہم کے وارث نہیں بنائے۔ بے شک ان حضرات نے علم کے وارث بنائے جس نے علم کو (میراث کے طور پر) لیا اس نے وافر حصّہ کے ساتھ لیا۔

ظاہر ہے کہ وہ علمائے کرام جنہوں نے انبیائے کرام کے لیے علوم ظاہری و باطنی، فضل وکمال اور اخلاق عظیمہ پر یقینِ کامل رکھا اور دلائل و براہین سے اسے ثابت کیا۔ اس پر ایمان کی بنیاد رکھی وہی لوگ علم نبی کے وارث قرار پائے اور انہیں وافر حصہ ملا۔ لیکن بدعقیدہ، گمراہ اور بدطینت نام نہاد علماء اپنی خباثتِ طبعی اور فسادِ عقیدہ کے باعث اس عظیم میراث سے قطعی محروم رہے۔

اسی تناظر میں امام احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی پر نگاہ ڈالئے تو ہر مردِ مومن کا یہ فیصلہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت، مجدّدِ دین وملّت کی پوری زندگی سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے علوم ظاہری، علوم باطنی، اوصافِ جلیلہ، اخلاقِ عظیمہ، رفعتِ مدارج، بلندیٔ منازل اور عظمتِ مراتب کے ثبوت میں دلائل واضحہ اور حُجج نافعہ پیش کرنے میں گذری۔ حضورؐ کے لئے علوم اوّلین و علوم آخرین اور علوم ماکان، ومایکون کو آفتابِ عالم تاب کی طرح ثابت کیا اور اس طرح ثابت کیا کہ کسی صاحبِ خرد اور صحیح الدّماغ انسان کو رائی کے دانہ کے برابر بھی انکار کی گنجائش نہیں رہی بلکہ اس کا خیال اور شائبہ بھی ذہن میں نہیں گذرا ۔۔۔ بے شک یہی امام احمد رضا اپنے عہد زرّیں میں حضور سرورِ عالم، نبیٔ اعظم، رسولِ محترم کے ایک عظیم وارث تھے۔

جوامع الکلم کی عظیم خصوصیت جو امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کو حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے ورثہ میں حاصل ہوئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ میں اپنے علم اپنے مطالعہ اور مشاہدہ کے مطابق یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف، تراجم اور تحریروں میں جو جامعیّت دیکھی گئی وہ مجھے کسی اور عالم کی تحریر میں نظر نہیں آئی۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمۂ قرآن نہایت آسان اُردو میں ہے اور انتہائی فصیح و بلیغ ہے۔ یہاں بھی اعلیٰ حضرت نے ترجمہ میں کم سے کم الفاظ لانے کی نادر مثال پیش فرمائی ہے۔ مطالعہ ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت کی تمام تصنیفات میں چاہے وہ فتاوے ہوں، رسائل ہوں یا مستقل کتاب ان کے جوامع الکلم کی حیثیت کو واضح طور پر ہر قاری محسوس کرتا نظر آتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تمام تصانیف کو آسان زبان میں ترجمہ اور تشریح کے ساتھ شائع کیا جائے۔

اعلیٰ حضرت، مجدّدِ دین وملّت کا مقصد دنیائے اسلام خصوصاً صحیح العقیدہ مسلمانوں

کو زیادہ سے زیادہ اور وافر سے وافر مقدار میں لاکھوں عنوانات اور موضوعات پر دلائل اور شواہد تیر دیتی تھیں وہ دے دیں۔ عربی عبارتیں اور فارسی عبارتیں بھی کثیر سے کثیر تعداد میں دلیلوں کے لئے پیش فرمادیں مگر اُن سب کے ترجمے نہیں فرمائے۔ یہ دوسرے اہل علم حضرات کے ذمہ عوامی فائدہ کے پیش نظر باقی رہا۔ ہر مسئلہ ہر فتویٰ کو حُجت و براہین سے مبرہن اور مدلل کرنا تھا وہ کردیا۔ کتابوں کے اسماء اور اُن کی عبارتوں سے مکمل واقف کرانا تھا وہ کرادیا۔ اب دورِ موجودہ کے علماء کا کام ہے کہ اسے سہل اردو میں پوری تشریح و توضیح کے ساتھ لکھیں تاکہ عوام و خواص دونوں کو فائدہ حاصل ہو۔

چونکہ اعلیٰ حضرت کے تمام فتاوے، رسائل اور تصانیف میں جوامع الکلم کا رنگ بالکل ہی نمایاں ہے اس لیے ان کے نمونے پیش کرنے کی یہاں حاجت ہی نہیں۔ اہل علم اور صاحبِ نظر حضرات غور کریں گے تو خود ہی پتہ چل جائے گا۔ ہاں جس بات کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اس کی طرف پوری توجہ کی ضرورت بہر حال باقی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر یہ امر ہرگز دشوار نہیں کہ وہ عالم کو ایک ذات میں جمع کردے۔ خالقِ کائنات نے متفرق اصناف کے علوم اور کثیر در کثیر پھیلے ہوئے علوم کو اعلیٰ حضرت کے عہد میں اعلیٰ حضرت کی ذات میں جمع فرمادیا تھا ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ اگر آپ غور و فکر کریں گے تو آپ کو یہ کہنا ہوگا کہ اعلیٰ حضرت مفسر بھی تھے اور محدث بھی، فقیہ بھی تھے اور مفتی بھی، علم معانی، ہو یا علم کلام، علوم عقلیہ ہوں یا علوم نقلیہ، علم شاعری ہو یا علم بیان، فن تجوید ہو یا فن طب، علم نجوم ہو یا علم جفر، علم ریاضی ہو یا علم طبعی، سیاسیات ہو یا اقتصادیات غرض ایسے لاتعداد علوم میں ان کو خداداد مہارت حاصل تھی کہ بہت سے فنون میں آپ کی تصنیفات موجود ہیں وہ جو آپ کی عبقری شخصیت کو واضح کرتی ہیں۔

حدیث میں اسماء الرجال، اصول حدیث اور تاریخ حدیث اور علم اسناد اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ہر ایک میں اعلیٰ حضرت ماہر اور فائق نظر آتے ہیں۔ اُردو زبان تو خیر مادری زبان ہی تھی اس کے علاوہ عربی و فارسی زبان پھر ان دونوں کے نثر و نظم میں اہلِ زبان کی طرح قدرت

اور مہارت بلکہ اُن سے زیادہ مہارت اہلِ نقد و تبصرہ کو حیرت میں ڈالنے کے لیے کافی ہے۔

اعلیٰ حضرت کی تحریر میں جامعیّت

اس کا اندازہ میں نے بہ قدرِ ظرفِ علم اس طرح کیا کہ کوئی بھی رسالہ لے لیا جائے جب دلیل دینے پر آئے تو دو سو ڈھائی سو، تین سو کتابوں کے اسماء اُن کے مصنفین کے اسماء اور اُن کی مختصر حسبِ ضرورت عبارتیں پیش کر ڈالیں۔ قلم میں جنبش بھی، طبیعت میں روانی آئی تو ایک مسئلہ کا جواب دیتے دیتے ان میں کئی کتابیں پوری جامعیّت کے ساتھ وجود میں آگئیں۔ حدیث میں جب حدیث ضعیف کی بحث آئی تو ضعیف کے اقسام، اس کی جملہ صورتیں، اس کے احکام اور دلایل اس انداز میں پیش فرمائے کہ ایک مستقل علمی اور درسی کتاب کا ظہور ہو گیا۔ ان شاء اللہ اس کے متعلق پھر کبھی عرض کروں گا۔

اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ آپ کے جذباتِ صالحہ افکارِ نافعہ اور جدّ و جہد مسلسل کو عروج و فروغ اور استحکام عطا فرمائے۔ خالقِ کائنات تائیدِ غیبی فرمائے اور آپ کے معاونین و مخلصین کی تعداد میں روز بہ روز اضافہ ہوتا رہے۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو خلوص کی دولت بے بہا عطا کرے اور ہمیشہ سعادتِ دارین سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین۔

تصحیح کنزالایمان ۔ وقت کی ایک اہم ضرورت

علامہ محمد عبد المبین نعمانی قادری
دار العلوم قادریہ چریاکوٹ
ضلع مئو (یوپی) 276129

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وآلہ وصحبہ اجمعین

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ العزیز کا ترجمہ قرآن، کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن (۱۳۳۰ھ) کو جملہ تراجم قرآن میں جو بلند مقام اور خاص امتیاز حاصل ہے ۔ وہ اظہر من الشمس ہے، اہل علم وادب عرصہ سے اس کے محاسن اور خصوصیات پر مقالے قلم بند کر رہے ہیں اس طرح مختلف زاویوں سے اس کی اہمیت روز بروز اجاگر ہوتی جا رہی ہے اور اب ان مقالوں کی تعداد اتنی کثیر ہو چکی ہے کہ سب کا احاطہ کرنا مشکل ہے، بلکہ محاسن کنزالایمان پر کتب و رسائل اور مقالات کی فہرست مرتب کرنا اور ان کا جائزہ لینا خود ایک مستقل موضوع بن چکا ہے جس سے بجا طور پر کنزالایمان کی اہمیت اور اس کی بے پناہ مقبولیت کا پتہ چلتا ہے ۔۔ بلکہ میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ جس طرح قرآنی اسرار و نکات ختم ہونے والے نہیں جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ ۔۔ لا تنقضی عجائبہ (اس کے اسرار و عجائب ختم ہونے والے نہیں) ۔۔ اس ترجمہ قرآن کے محاسن پر بھی جیسے جس قدر غور کیا جا رہا ہے اسی قدر اس کے اسرار حکم وانکشاف ہوتے جا رہے ہیں ۔ ماہنامہ کنزالایمان، بزم کنزالایمان، کنزالایمان کانفرنس، کنزالایمان سوسائٹی مدرسہ کنزالایمان وغیرہ ناموں سے بھی، اس کی مقبولیت نمایاں ہے ۔۔ ناشرین قرآن کا فیصلہ ہے کہ آج کنزالایمان جس کثرت سے پھیل رہا ہے

اور جس عقیدت سے پڑھا جا رہا ہے دوسرے اور تراجم قرآن اس سے بہت پیچھے ہیں جبکہ ایک عرصے تک اس کی اشاعت کا سلسلہ بالکل بند رہا اور اشاعتی معاملے میں اس کی طرف سے ایک طویل بے اعتنائی برتی گئی، اس کی مقبولیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اب تک انگریزی، ہندی، بنگالی، گجراتی، پنجابی، سندھی، بلوچی، ڈچ وغیرہ متعدد زبانوں میں اسے منتقل کیا جا چکا ہے، اور بہت ساری زبانوں میں اس کو منتقل کرنے کا کام جاری ہے۔

لیکن نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس کی محض اشاعت پر تو خوب توجہ دی گئی کیونکہ اس میں تاجرانہ مفاد بھی پوشیدہ تھا، مگر اس کی تصحیح کتابت پر بہت کم توجہ مبذول کی گئی بلکہ انتہائی غفلت اور پوری لاپرواہی کا ثبوت دیا گیا۔ جس کی وجہ سے اس عظیم الشان ترجمہ قرآن میں کثیر اغلاط در آئیں،

عرصے سے اس سلسلے میں متفکر و رنجیدہ تھا کہ کسی طرح اس کی تصحیح کا کام مکمل طور پر انجام پا جاتا لیکن سوال تھا کہ کون اس پہاڑ کو سر پر لے اچانک محب سنیت ناشر مسلک اہل سنت جناب حافظ قمر الدین صاحب مالک رضوی کتاب گھر بھیونڈی نے کنز الایمان کی اشاعت کا پروگرام بنایا اور یہ بھی عزم کیا کہ میں تصحیح تام کے بعد ہی اس کو شائع کروں گا، خالص تاجرانہ ذہنیت اور محض جلب منفعت کے مقصد کے سامنے رکھ کر میں کام نہیں کرنا چاہتا، موصوف کا یہ جذبہ مجھے پسند آیا اور اس سے خوشی ہوئی چنانچہ غور و فکر کے بعد تاج کمپنی لاہور کے شائع کردہ ترجمہ حوالہ نمبر ۲۷۸ کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا کیونکہ اس کی کتابت واضح بھی ہے اور ہر پارہ نئے صفحے سے شروع جبکہ تاج کمپنی کے پہلے شائع کردہ ترجمہ قرآن حوالہ ۱۲۲ میں پارے درمیان صفحہ سے شروع ہوتے تھے جو ہندوستانی و پاکستانی مسلمانوں کے مزاج سے میل نہیں کھا رہے تھے لہٰذا جب مذکورہ قرآن شریف مع ترجمہ اعلیٰ حضرت وتفسیر صدر الافاضل علیہما الرحمہ کی اشاعت پر اتفاق رائے ہو گیا۔ تو پھر "قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند" کے تحت اس کی تصحیح کا کام میرے (یعنی ناچیز فقیر نعمانی قادری) ذمہ کر دیا گیا، جبکہ میں اپنی کوتاہ عملی کے باعث اس لائق نہ تھا اور نہ مجھے اپنے واجبی کاموں سے فرصت تھی، لیکن سوچا کہ میں نہیں کرتا ہوں تو شاید یہ کام پھر تشنۂ توجہ ہی رہ جائے گا اور جو کچھ اس کم علم سے ہو سکتا ہے وہ بھی نہ ہو سکے گا ــــ لہٰذا میں نے ہمت کر کے اس مشکل کام کو اپنے ذمہ

لے لیا، پھر جب کام کا آغاز کیا تو معلوم ہوا کہ اس سے زیادہ مشکل ہے جتنا کہ سوچا تھا اور یہ کہ یہ کام ایک آدمی کے بس کا نہیں اس کے لئے محققین کی ایک اکیڈمی کی ضرورت ہے جو اطمینان وسکون کے ساتھ پوری توجہ سے اسے انجام دے اور ضروری کتابیں بھی مہیا ہوں، ـــ بدقسمتی سے ہمارے مذہبی حلقوں میں علمی تحقیقی کاموں پر پیسے صرف کرنے کا رواج نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے باعث ثواب ہونے پر اس درجہ کا یقین جس درجہ کا یقین فاتحہ کی دیگیں پکوانے اور اسٹیج سجاتے پر ہے ـــ افسوس اہل خیر پر کم ان اہل علم حضرات پر زیادہ ہے جو یہ کار اہم کو بحسن وخوبی انجام دینے کی صلاحیت واثر رکھتے ہیں مگر وتحبون العاجلۃ پر عمل کرتے ہوئے اس کی طرف قطعاً توجہ نہیں دیتے اور نہ ہی اپنے زیر اثر اہل خیر حضرات کو متوجہ کرتے ہیں، جبکہ باطل پرست اپنے تحقیقی کاموں کا اہل علم وادب پر بھرپور اثر ڈال رہے ہیں، اندریں حالات سے محض شکوہ اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا رہنے سے بہتر یہی سمجھا گیا کہ اپنی بساط کے مطابق کچھ کر گزرا جائے شاید یہی توشۂ آخرت بھی بن جائے گا جس کے نتیجے میں المجمع الاسلامی مبارکپور کا وجود عمل میں لایا گیا، جس نے چند سالوں میں الحمدللہ سو (۱۰۰) سے اوپر کتابیں شائع کر کے ایک ریکارڈ قائم کر دیا ہے، المجمع الاسلامی کا کام صرف کتابیں چھپوانا اور شائع کرنا نہیں، بلکہ علمی وتحقیقی میدان میں قلم کے ذریعہ جماعتی ضرورتوں کی تکمیل اس کا اصل مقصد ہے چنانچہ بہت سی کتابیں ارکان المجمع الاسلامی نے تصنیف ترجمہ یا نظر ثانی کر کے دوسرے اداروں کو بھی دے دی ہیں جن کو وہ شائع کر رہے ہیں۔ ترجمۂ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کنز الایمان کی تصحیح بھی اصلاً المجمع الاسلامی ہی کا کارنامہ ہے۔ جسے ناچیز نے لطیب خاطر وبصد شوق انجام دینے کی کوشش کی ہے ـــ

تصحیح کے معاملے میں سب سے اہم مسئلہ اصل سے مطابقت کا ہوتا ہے۔ یہاں اصل مفقود لہٰذا قدیم مطبوعہ نسخوں پر بھروسہ کرنا پڑا حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے تفسیر کے ساتھ پہلی بار جو نسخہ چھپوایا تھا وہ بھی پیش نظر رہا لیکن بالاستیعاب اس سے مطابقت دو وجہ سے نہ کی ایک تو یہ کہ یہ نسخہ نہایت درجہ خستہ تھا دوسرے چونکہ یہ نقش اول تھا، دوسرا نسخہ جو حضرت صدر الافاضل نے اس کے بعد اس سے بڑے سائز پر اور نئی کتابت سے چھپوایا تھا میرا خیال ہوا کہ یہ

زیادہ صحیح ہو گا کہ ۔ ع " نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول "

لہٰذا میں نے اسی دوسرے نسخہ سے جو جہازی سائز پر ہے اور مطبع اہل سنت مراد آباد سے نہایت عمدہ کتابت کے ساتھ شائع ہوا ہے، مطابقت کی ہے البتہ جہاں ضرورت پڑتی اور اشتباہ ہوتا دوسرے نسخوں کو بھی دیکھتا اور ترجیح اسی دوسرے ایڈیشن والے نسخہ کو دیتا۔ البتہ جہاں غلطی بالکل واضح ہوتی تو جس نسخہ میں بھی صحیح لفظ ملتا اسی کو اختیار کرتا ۔۔ اور جہاں تمام نسخے جواب دے جاتے تو پھر وہاں، تفاسیر و دیگر تراجم اور کتب لغات نیز علمائے کرام کے مشوروں سے تصحیح و ترجیح ہوتی، مشورے اور استفادہ کے لئے میں نے مندرجہ ذیل علمائے کرام کو زحمت دی اور ان کی قیمتی آراء کو رہنما بنایا،

(۱) محقق عصر حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی شیخ الحدیث دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد،

(۲) فاضل جلیل ادیب عصر حضرت مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

(۳) فقیہ جلیل مناظر اہل سنت حضرت مولانا مفتی مطیع الرحمٰن رضوی پورنوی ۔

مشکل مقامات کے حل کرنے میں جہاں صواب اور درست تک رسائی ہوئی ہو گی انہیں بزرگوں کا کرشمہ ہے اور کچھ اپنی ذاتی محنت بھی، البتہ جہاں غلطی راہ پا گئی ہو گی وہ حقیر فقیر ہی کے خانے میں جائے گی ۔۔ جو علماء و تلامذہ مطابقت کے وقت میرے رفیق رہے ہیں وہ گواہ ہیں کہ بسا اوقات ایک ہی لفظ کی تحقیق میں دن دن بھر گذر جاتے اور بیسیوں کتابیں تفاسیر و تراجم اور کتب لغات دیکھنی پڑتیں ۔۔ تب کہیں جا کر مشکل حل ہوتی ،

ان مراحل سے گذرتے ہوئے ایک بار جب مطابقت ہو گئی تو اچانک مولانا قاری احمد جمال عزیزی اعظمی مصباحی شیخ التجوید بدر جامعہ نعیمیہ مراد آباد " کے توسط سے حضرت صدر الشریعہ اعظمی مصنف بہار شریعت علیہ الرحمہ کے دست مبارک کا مخطوطہ کنز الایمان (صرف ترجمہ اردو) مل گیا جو کہیں ردیوں میں ضائع ہونے کے قریب تھا، جو صفر سات سے شروع ہے اور آخری صفحے پر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے قلم کا دستخط بھی اس طرح موجود ہے

شب ۲۸ رجمادی الآخرہ ۱۳۳۱ھ

کاتب، فقیر بارگاہ رضوی، ابوالعلا

امجد علی اعظمی عفی عنہ

لیکن شروع اور درمیان میں کئی مقامات سے ۴۸ صفحات غائب ہیں۔ باقی جو صفحات محفوظ ہیں ان سے دوبارہ پورے ترجمے کو ملایا لہٰذا کافی حد تک یہ نسخہ صحیح شکل میں سامنے آرہا ہے۔ پھر بھی نظر کی خطا کا امکان ہے جس سے کوئی انسان بری نہیں البتہ کوئی صاحب نظر کسی جگہ کوئی غلطی محسوس کریں تو ضرور مطلع کریں تاکہ آئندہ ناشرین سے مزید تصحیح کرائی جاسکے۔

البتہ تفسیر صدرالافاضل کا کوئی مخطوطہ نہ مل سکا، لہٰذا اس کی مطابقت صرف مطبوعہ نسخوں سے ہی ہوسکی۔ مطابقت میں جن علماء وطلبہ نے میرا ساتھ دیا ان کے اسماء یہ ہیں۔ مولانا مہتاب عالم مصباحی (کلکتہ) ٥ مولانا ابواللیث گھوسوی ٥ حافظ تسلیم الدین رضوی بلاموی ٥ حافظ امتیاز احمد مصباحی رضوی (گریڈیہہ) ٥ مولوی ایوب رضا ہزاروی ٥ مولوی مختار احمد مصباحی دیناجپوری ٥ مولوی نعیم الدین رضوی مصباحی پورنوی ٥ مولوی تسلیم احمد پورنوی ٥ مولوی سلیم الدین رضوی مصباحی دمکاوی ٥ مولوی انتظار احمد مصباحی دربھنگوی ٥ مولوی سمیر الدین حبیبی مصباحی مدناپوری ٥ مولوی صادق حسین مصباحی کٹیہاری ٥ مولوی عبدالقدوس پورنوی ٥ مولوی بشیر الدین مالدہ ٥ مولوی مسعود رضا دیناجپوری ٥ مولانا رحمت علی مصباحی سیوانی ٥ مولوی منور حسین ہزاروی وغیرہم ــــــ مطابقت کا یہ کام تقریباً تین سال میں پورا ہوا۔

تصحیح میں ایک معاملہ رسم الخط کا آیا آج سے بچاسی سال پہلے کی اردو میں کنزالایمان اعلیٰ حضرت نے املا کرایا اور حضرت صدرالشریعہ علیہما الرحمۃ نے تحریر فرمایا۔ اس وقت سے آج تک رسم الخط میں گوناگوں فرق پیدا ہوگیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ زبانوں میں عہد بہ عہد تغیر و تبدل کا عمل ہوتا رہتا ہے۔ اور اردو بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں جدید اور مروجہ رسم الخط کو ہی ترجیح دی گئی جب کہ خود جدید مطبوعہ نسخوں اور بعض قدیم نسخوں میں بھی رسم الخط کو بدل دیا گیا تھا۔ ان کو میں نے مخطوطہ کے مطابق نہ کرنا ہی مناسب سمجھا، مثال کے طور پر چند الفاظ ملاحظہ

کریں ــــ اُون، اوس، اونھیں، اوترا، طیار، موہنھ، بدلا (بمعنی بدل) گانوں، وغیرہ اہل علم، اردو داں حضرات بخوبی واقف ہیں کہ ان کا رسم الخط اب بالکل بدل چکا ہے ــــ یعنی ان، اس، انہیں، اترا، تیار، منہ،

مشکل اور بعض علاقائی الفاظ کی تشریح کا کام بھی ایک ایسی ضرورت ہے جس سے کوئی انکار نہیں ہے خصوصاً آج جب کہ عام اردو داں، طبقے کا علمی معیار بھی گر چکا ہے، اور عوام کی بھاری تعداد ترجمۂ اعلیٰ حضرت کی دلدادہ و شائق ہے روہیل کھنڈ ایک ایسا علاقہ ہے جس کی زبان مستقل اہمیت کی حامل رہے وہاں کا اپنا مکتب جداگانہ ہے، ہندوستان دوسرے علاقوں یا دہلی و لکھنؤ کے معیار پر اس کو پرکھنا سراسر انصاف و تحقیق کے خلاف ہے ــــ لہٰذا بعض ایسے الفاظ جو صرف روہیل کھنڈ میں یا اس سے متصل بعض علاقوں میں ہی بولے جاتے ہیں، ان کو اسی تناظر میں دیکھنا چاہیئے، ان کو بنیاد بنا کر مصنف کے علم پر شبہ کرنا اہل علم کا کام نہیں ہاں کسی نے بغض و عناد کو پیشہ بنا لیا ہے تو اس سے کچھ بھی بعید نہیں وہ جو حرکت چاہے کر گذرے ــــ میں نے حتی الامکان کوشش کر کے ایسے علاقائی اور بعض مشکل الفاظ کا ترجمہ اس طرح نمبر (۱۔۲) دے کر نیچے لکھ دیا ہے اور کہیں کہیں ضروری تشریح بھی کر دی ہے یہ کام سب سے پہلے شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی خطیب نیو میمن مسجد کراچی، نے کیا تھا، لیکن میں نے اس پر کافی اضافہ کیا ہے اور ہر ہر لفظ کی از خود تحقیق کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، اس کے لئے مجھے کافی کدّ و کاوش اور متعدد و مختلف لغات کو چھاننا پڑا یہ کام اگرچہ تصحیح سے علیحدہ تھا۔ لیکن میں نے ضروری اور مفید سمجھتے ہوئے اس پر بھی بطورِ خاص توجہ دی۔ اس سلسلے میں اگر تعبیر کی کوئی غلطی ہوئی ہوگی تو وہ میرا حصّہ ہے مترجم و مفسر سے اس کا کوئی تعلق نہیں ــــ البتہ جو حضرات ایسی تعبیر و ترجمے کی غلطی پر مطلع ہوں تو آگاہ ضرور کر دیں تاکہ تدارک کیا جاسکے۔

"فضائل قرآن" کے عنوان سے ایک مضمون قدیم مطبوعہ نسخوں میں ہے جن کو خود حضرت صدر الافاضل نے طبع کرایا ہے جو ۲۲۲ نمبر سے چھپنے والے ترجمہ قرآن میں آج بھی پایا جاتا ہے مگر اکثر جدید نسخوں سے اس مضمون کو خارج کر دیا گیا ہے، میں نے اصل کے مطابق اس کو بھی شامل رکھا ہے جو

اختصار کے باوجود قرآن کے فضائل وآداب سے متعلق ایک نہایت ہی مفید، قیمتی اور معلومات افزا مضمون ہے۔ دعائے ماثورہ قدیم مطبوعہ نسخہ سے لی ہے — البتہ مضامین قرآن کی فہرست قدیم نسخوں میں کہیں نہیں ملی۔ بلکہ بیس پچیس سال پرانے نسخوں میں بھی نہ تھا ناشرین قرآن نے اس کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے اور یہ فہرست مضامین کس کی ترتیب کردہ ہے اس کی بھی کوئی نشاندہی نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے بعض لوگوں کو شبہ ہوا اور انہوں نے اس فہرست کو اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کر ڈالا، بلکہ بعض نے اس فہرست کو بنیاد بنا کر اعتراضات کی بوچھار کر ڈالی، مگر افسوس کہ اب تک، اس کے خلاف ہماری طرف سے بھرپور طور پر تردید یا صفائی نہیں پیش کی جا سکی — جبکہ سابقہ مطبوعہ نسخے اس کے گواہ ہیں کہ کنز الایمان کے ساتھ ماضی میں کوئی فہرست نہیں چھپتی تھی، لہٰذا اس کا اعلیٰ حضرت یا صدر الافاضل علیہما الرحمۃ دونوں بزرگوں کا نہ ہونا متعین ہے۔ لہٰذا ناشرین پر فرض تھا کہ وہ اس کی نشاندہی کرتے کہ فہرست کس کی ہے؟۔ پھر ذمہ دار علمائے اہل سنت کی اجازت ہی سے اس کو شامل کرتے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔

اب چونکہ عام طور پر ترجمۂ اعلیٰ حضرت کے ساتھ فہرست مضامین چھپتی ہے اور بعض سنّی حضرات اس کی تلاش کرتے ہیں اس لئے میں مذکورہ نسخے میں فاضل گرامی حضرت مولانا محمد منشا تابش قصوری استاذ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کی تیار کردہ فہرست مضامین ان کے نام کی صراحت کے ساتھ شامل کر دی ہے جو چاند کمپنی لاہور کے مطبوعہ کنز الایمان سے لی گئی ہے۔

تفسیر نور العرفان از مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمۃ کے ساتھ جو ترجمۂ اعلیٰ حضرت چھپتا تھا، اس کے ایک نسخہ کی تصحیح بھی میں نے ساتھ ہی میں کر دی تھی، جسے فیاض الحسن، ۱۰ بک سیلر نئی سڑک کانپور نے شائع کر دیا ہے جس کا حوالہ نمبر ۸۶، ہے اس نسخے کے صرف ترجمہ ہی کی تصحیح ناچیز نے کی ہے کیونکہ تفسیر کا کوئی دوسرا مطبوعہ نسخہ یا مخطوطہ دستیاب ہی نہ ہو سکا البتہ تفسیر کے اندر جو آیات تھیں ان کی کتابت کی غلطیاں درست کر دی گئی ہیں —

الحمد للہ ان دونوں نسخوں کی تصحیح میں نے خالصۃً لوجہ اللہ بغیر کسی معاوضے کے کی ہے صلہ وثواب کی تمنا تو صرف خداوند قدوس کی بارگاہ سے ہے۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللہِ

اس کی صراحت کی چنداں ضروری نہ تھی مگر بعض ناعاقبت اندیش ناشران کتب کے بارے میں سننے میں آیا کہ بلا معاوضہ تصحیح کرانے کے بعد لوگوں سے اجرت کا پروپیگنڈہ کیا کرتے ہیں۔ نئی سطر حوالہ نمبر ۲۲ کے تحت جو نسخہ قرآن عظیم الشان قرآن عظیم (مترجم) کے نام سے تاج کمپنی لاہور نے چھاپا ہے جس کے کل صفحات (۸۸۰) آٹھ سو اسی ہیں اس پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد اس کی تقریباً پونے چار سو کتابت کی غلطیاں نظر آئی ہیں، جن کی فہرست بنا کر ہندوستان کے اکثر ناشرین قرآن کو رضا اکیڈمی بمبئی کے ذریعہ بھیج دی گئی ہیں کہ وہ اپنے اپنے مطبوعہ نسخوں کو درست کر ڈالیں، لیکن افسوس کہ ان میں سے کسی نے فہرست ملنے کی اطلاع بھی نہ دی جبکہ رجسٹرڈ ڈاک سے انہیں بھیجی گئی تھی۔ واضح رہے کہ سب سے زیادہ مارکیٹ میں ۲۲ حوالہ نمبر والا ترجمہ قرآن ہی چل رہا ہے اور ہندوستان میں تقریباً ۱۵۔۲۰ ناشرین اس کو چھاپ کر اپنی جیبیں بھر رہے ہیں، ــــ جبکہ دوسری طرف بہت سے ہمارے سنی بھائی کنزالایمان کانفرنس کر کے سب خیریت ہے اور ہم نے گویا کنزالایمان کے تعلق سے جو فرض تھا اس کو پورا کر دیا ہے کا زعم لئے بیٹھے ہیں جبکہ کار جہاں دراز ہے اور اہم امور کی طرف توجہ بہت کم۔ کاش کنزالایمان کی تصحیح اور صحیح نسخے اشاعت پر بھی ایسی ہی توجہ دی جائے جیسی کہ کنزالایمان نام پر دیگر پروگرامات پر دی جاتی ہے۔

واضح رہے کہ ابھی مارکیٹ میں متعدد ایڈیشن کنزالایمان چل رہا ہے جن کی تصحیح تشنہ توجہ ہے، بعض میں تو صریح تحریفات تک ہیں۔

امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر ایک نظر

ظفر انصاری ظفر

مجدد دین وملت، ماحیٔ کفر وبدعت، امام اہل سنت فقیہ اسلام، علامۃ الدہر عبد المصطفٰے شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسی وحید عصر، نابغۂ روزگار اور یکتائے زمانہ شخصیت کا اسم گرامی ہے جنہوں نے علوم وفنون کے بے شمار شعبوں میں اپنی خداداد صلاحیت، محتاط قلم اور زوربیانی کے باعث ایک محیر العقول اور اہم مقام حاصل کیا۔ آپ کی علو مرتبت اور قدسی الصفات شخصیت پر کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ آپ علم وہنر، زہد وتقویٰ اور تصوف وعرفانیت کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ آپ کی شخصیت شروع سے ہی فکر ونظر کا مرکز رہی ہے اور آپ کی ادبی اور دینی خدمات پر ہزاروں مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ مجھ جیسا نااہل اور کم مایہ انسان کا آپ کی شخصیت پر کچھ لکھنا ایک محال امر ہے، لیکن میرے جذبۂ شوق کو کیا کیجئے کہ میرے دل نے مجھے ہر طرح مجبور کیا کہ عشق وعاشقی کے امام سیدنا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر کچھ لکھ ڈالوں تاکہ آپ کی بارگاہِ اقدس میں سعادت حاصل کرنے کا موقع فراہم ہوسکے۔ اسی شوق کی تکمیل کی خاطر قلم اور قرطاس لے کر یہ مساعی جمیلہ شروع کردی اور کچھ سطور قلم بند کر ڈالے۔ اگرچہ یہ کام ماہرین فن اور مشاق ادبائے کرام کا ہے اور "سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے"۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مصلحِ قوم، محدث اعظم، مترجم کلام الٰہی، مناظرِ دینِ فطرت، پاسبانِ سنت، مجددِ دین وملت، مصنفِ باکمال، ادیب شہیر استاذ العلماء، مفکر اسلام، خطیب بے باک، رہبر رشد وہدایت، ببر بیشۂ تحقیق، مورخ اور ایک عظیم المرتبت نعت گو شاعر کی حیثیت سے اس خاکدان گیتی پہ مشہور ومعروف ہوئے۔ آپ نے جس فن کی طرف رجوع کیا اپنی محنتِ شاقہ اور ذہن رسا کے سہارے اس کی تہہ تک پہنچ گئے اور

اس میں کمال حاصل کیا۔ علم و ادب کا کوئی بھی میدان ہو آپ ہر میدان میں عدیم المثال اور عدیم النظیر دکھائی دیتے ہیں۔ آپ نے اپنی پوری زندگی علوم و معارف کے حصول اور احیائے سُنّت کے لئے وقف کر دیا۔ آپ نے جس موضوع پر قلم اُٹھایا اس پر مدلّل اور مفصّل گفتگو کی گویا آپ کی وہ تحریر اس پر حرف آخر ثابت ہوئی۔ آپ نے ہمیشہ اپنے آپ کو اس موضوع کے سپرد کر دیا جس پر آپ نے خامہ فرسائی کی۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جب تک فن میں خونِ جگر شامل نہ ہو اس میں ایک نمایاں رنگ نہیں آسکتا ہے اور نہ اس میں کما حقہٗ تاثیر پیدا ہو سکتی ہے۔ البتہ ہر فن کار اور ہر ادیب، کا یہ فرضِ عین ہوتا ہے کہ وہ جس موضوع پر قلم اُٹھائے پہلے اپنے آپ کو اس موضوع کے سپرد کر دے، کیونکہ فن کا یہی تقاضا ہے اور ایک یہی سپردگی اس کا نشانِ امتیاز بن جاتی ہے۔ اُردو کے مشہور و معروف غزل گو شاعر میر تقی میرؔ کا یہی حال ہے۔ انھوں نے درد و غم اور رنج و الم کے موضوع پر قلم اُٹھایا تو اپنی زندگی کو بھی اسی موضوع کے سپرد کر دیا۔ اسی بنیادی خصوصیت کی وجہ سے دنیا اُنہیں یادوں کی برات میں سجا کر رکھے ہوئی ہے۔

میرا موضوع اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ شاعری ہے اور مجھے ان کی نعتیہ شاعری پر بحث کرنا ہے اس لئے ان کے دیگر اوصاف حمیدہ سے نظر کو سمیٹ کر اُن کی نعتیہ شاعری کو مرکز بنانا ہے۔ البتہ میں دوسرے موضوعات سے صَرفِ نظر ہو کر اُن کی نعتیہ شاعری کی طرف مرکوز ہو رہا ہوں۔

یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ ایک بندۂ مومن کے لئے سب سے خوش نصیبی کی بات یہ ہے کہ اس کے دل میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔ اللہ تعالیٰ محب ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں۔ اللہ کے محبوب سے محبت کرنے والا بھی اللہ کا محبوب ہوتا ہے۔ کلام اللہ شریف میں اس کی صاف توضیح ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

عشق انسان کی اس وجدانی کیفیت کا نام ہے جس میں انسان کو روحی تسکین، ایک خاص قسم کی لذت اور ایک لطیف مسرت حاصل ہو۔ عشق کا یہ جذبہ انسان کے معیار پر منحصر ہے۔

جو جس معیار کا انسان ہوتا ہے اس کے عشق کا معیار اتنا ہی بلند اور پست ہوتا ہے۔ عشق کا جذبہ کسی کے حُسن اور ذوقِ وصل سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی کہ عشق کا مٰاخذ حُسن ہے۔ حُسن ایک لطیف احساس کا نام ہے جس کی اصل نورِ الٰہی ہے۔ دیدہ ورحضرات کی نگاہوں میں سب سے زیادہ حسین وہی ہے جس کی صورت اور سیرت دونوں خوبصورت ہوں۔ یہ بات حقیقت ہے کہ دونوں جہان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے زیادہ کوئی حسین نہیں ہے۔ آپ کے مثل کوئی نہیں ہے۔ خود آپ کا فرمان ہے ایکم مثلی۔ آپ نورِ ذات خدا ہیں۔ آپ کی محبّت اللہ ہی کی محبت ہے۔ البتہ جو آپ سے محبت کرتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ عشقِ رسول دراصل عشقِ الٰہی ہے۔ حُسن کی طلب کا نام عشق ہے اور حُسن کی طلب کے اظہار کا نام شاعری ہے بقول لے ہنٹ Le-Heunt "انسان کے اندر حقیقت، حُسن اور قوت کی طلب کا پرخروش جذبہ ہے اسی کے بے اختیار اظہار کا نام شاعری ہے۔ یعنی کہ حُسن شاعری اور عشق دونوں کا مرکزی نقطہ ہے اور حسن وہ رواں دواں بحرِ زخّار ہے جس میں کوئی شخصیت قطرے کی طرح اپنے آپ کو فنا کر دے تو اس کی ہستی غیر فانی اور لازوال ہو جائے گی۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے آپ کو اسی بحرِ زخّار میں فنا کر دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مُلکِ عدم میں تشریف لے جانے کے باوجود بھی اُن کی غیر فانی اور لازوال شخصیت کا نقش ہر کس و ناکس کے دل پر ثبت ہے۔

مندرجہ بالا بیانات کی روشنی میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ شاعری کی طرف رجوع کرنا اس بات کی بیّن دلیل ہے آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ اگر آپ میں عشق کا جذبہ عنقا ہوتا تو آپ سے نعتیہ شاعری کا کما حقہٗ حق ادا نہ ہو پاتا۔

اچھی شاعری کی بابت انگریزی ادب کے مشہور و معروف فطری شاعر ولیم ورڈ ورتھ William Wordsworth کا کہنا ہے All good poetry is the spontaneous over flow of powerful feeling. اعلیٰ حضرت نے عشقِ رسول کی وجدانی کیفیت میں جو کچھ بھی اپنی زبانِ قلم سے کہہ دیا ہے وہ ایک مرصّع نعت کی صورت میں منصۂ شہود پہ ظہور پذیر ہوا۔ آپ

نعت گوئی کرتے وقت اپنی زبان قلم کو نہایت محتاط رکھتے تھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ جوش عشق میں ہوش کا دامن چھوٹ جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی ہو جائے اور نہایت ہی سلامت روی کے ساتھ اس راہ سے گذر جاتے تھے۔

ایک باکمال شاعر کی خصوصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے انگریزی ادب کے مشہور و معروف ہندوستانی شاعر Nissim Ezekiel کا کہنا ہے "The best poets ___ Wait for words." یعنی کہ اچھے شاعروں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ الفاظ کی آمد کا انتظار نہیں کرتا۔ اچھے شاعروں میں تو یہ خوبی ہوتی ہے کہ الفاظ اُن کے سامنے غلام کی طرح باادب کھڑے رہتے ہیں اور فرمائش کرتے رہتے ہیں کہ ہمیں استعمال کر لیجئے۔ امام الکلام فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں یہ خوبی پائی جاتی تھی۔ انہوں نے قرطاس و قلم لے کر کبھی فکر سخن اور کسب فن نہیں کیا اور نہ اپنے آپ کو اس میں مصروف نہیں رکھا بلکہ ہیجان کے عالم میں جب بھی قلم اُٹھایا خود بہ خود الفاظ حاضر ہوتے گئے اور اپنی دلی کیفیت کو صفحۂ قرطاس پر رقم کر کے محفوظ کر لیا؛ یہی وجہ ہے کہ اُن کی شاعری میں روانی کے عناصر موجود ہیں۔ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فقط رسمی نعت گوئی نہیں کی بلکہ اسے ذریعۂ نجات اور توشۂ آخرت کی حیثیت دی۔ آپ کی شاعری صرف لفّاظی نہیں ہے بلکہ عشقِ رسول میں رونما ہونے والی وجدانی کیفیت کی اصل ترجمانی ہے۔ بعض ناقدین کا کہنا ہے کہ تم اپنے عزیز شاعر کو محفل میں کچھ اور پاؤ گے اور اپنے خانگی معاملات میں کچھ اور۔ یعنی کہ جیسا اس کا عمیق مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت سورج کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ اُن کی شاعری اور اُن کی زندگی میں اک سرِ مو بھی تفاوت نہیں ہے۔ اُن کا عشق قولی نہیں بلکہ فعلی ہے۔ اُن کی زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے کسی موڑ پر بھی منحرف نہیں ہے۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نعت شریف کے علاوہ کچھ اکابر دین و بزرگانِ قوم و ملت کی شان میں عقیدت مندانہ منقبت تو ضرور لکھی ہے لیکن انہوں نے اہل ثروت و اہل حکومت کے نام کوئی قصیدہ نہیں لکھا۔ ایک بار کسی نواب نے آپ سے اپنا قصیدہ لکھنے کی فرمائش کی تو آپ نے

اپنی خودداری اور دین داری کا پاس رکھتے ہوئے ببانگ دہل کہہ دیا۔ ؎

کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارہ ناں نہیں

یعنی کہ آپ کی شاعری کا اصل مقصد روحی مسرت کا حصول تھا۔ آپ نے شاعری کو روٹی کا ذریعہ نہیں بنایا اور فن کے تقدس کو پائمال ہونے سے بچالیا۔

مزامیت یا غنائیت یا نغمگی شاعری کی اصلی روح ہے۔ شاعری جذباتی اور مترنم زبان میں شعور انسانی کے محسوس اور جمالیاتی اظہار کا نام ہے۔ اس تعریف کے تناظر میں اُن کی شاعری پر ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ اُن کی شاعری میں یہ باتیں بطور اتم موجود ہیں۔ اُن کے مجموعۂ کلام کی ہر نعت اس اصول پر کھری اترتی ہے اس لئے اشعار کے انتخاب سے پرہیز کرتا ہوں۔ چار زبانوں کے میل سے بنی اُن کی نعت اس ضمن میں سب سے اہمیت کی حامل ہے۔

جوش، اصلیت اور سادگی ایک مکمل شعر کے لازمی جزو ہیں۔ امام الکلام کی شاعری میں اس بنیادی عنصر کی کارفرمائی بطور خاص نظر آتی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں ؎

تاجِ روح القدس کے موتی جنہیں سجدہ کریں ؛ رکھتی ہیں واللہ وہ پاکیزہ گوہر ایڑیاں
تاج والوں کا یہاں خاک پہ ماتھا دیکھا ؛ سارے داروں کی دارا ہوئی دارائی دوست
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب ؛ یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا
دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا ؛ سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا

شاعری میں رمزیت اور واقعیت کے عناصر کا ہونا نہایت ہی لازم ہے۔ ان خصوصیات سے عاری اشعار عامی اور متبذل سمجھے جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری میں اس کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں ؎

حُسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں ؛ سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفےٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلے کوئی بتائے کیا کہ یوں

اعلیٰ حضرت نے چھوٹے چھوٹے بحور اور عام فہم الفاظ کی مدد سے نہایت آسانی کے ساتھ اپنے خیال کی بندش فرمائی ہے۔ بعض ناقدین کے نزدیک یہ شاعری کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں ؎

کیا مہکتے ہیں مہکنے والے ۔ بو پہ چلتے ہیں بھٹکنے والے

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم ۔ خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جس کی مرضی خدا نہ ٹالے ۔ میرا ہے وہ نامدار آقا

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے ۔ میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا ۔ اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

جس کا حُسن اللہ کو بھی بھا گیا ۔ ایسے پیارے سے محبت کیجئے

اللہ اللہ کے نبی سے ۔ فریاد ہے نفس کی بدی سے

کیوں رضا مشکل سے ڈریئے ۔ جب نبی مشکل کشا ہو

میرے دل مردہ کو جلا دے ۔ اے شمع جمالِ مصطفائی

اعلیٰ حضرت نے رُباعی کے پیرائے میں بھی نعتیہ اشعار لکھے ہیں جو اپنے فن کے اعتبار سے کامیاب و کامران ہیں اور اُن میں اثر آفرینی کے جوہر موجود ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں ؎

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ ۔ بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی ۔ یعنی رہے آداب شریعت ملحوظ

کس درجہ ہے روشن تن محبوب اللہ ۔ جامہ سے عیاں رنگ بدن ہے واللہ
کپڑے یہ بھی میلے ہیں اس گل کی رضا ۔ فریاد کو آئی ہے سیاہی گناہ

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ ۔ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ۔ ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

اُردو کے علاوہ انہوں نے فارسی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کی فارسی نعتوں میں قندِ پارسی کی شیرینی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اس میں سعدی، رومی، جامی، عرفی اور خسرو کی روح پوشیدہ ہے۔ آپ کے فارسی اشعار کو پڑھ کر کوئی یہ امتیاز ہی نہیں کر سکتا ہے کہ یہ غیر فارسی شاعر کی تخلیق ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں ؎

دور از کوئے صاحب کوثر ۔ چشم دارد چہ اشکبار رہا

زعکست ماہِ تاباں آفریدند ۔ زبوئے تو گلستاں آفریدند

آئینہ ہا حیران تو، شمس و قمر جویان تو ۔ سیّارہا قربان تو، شمعت فدا پروانہ ساں

گرفتارم رہائی دہ مسیحا مومیائی دہ ۔ شکستم رنگ ساماں افشتی یا رسول اللہ

یہ سارے اشعار حدائقِ بخشش سے نقل کئے گئے ہیں۔ ان اشعار کا بہ نظرِ تعمق مطالعہ کرنے کے بعد اُن کی زبان دانی اور ادبی ادراک کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

المختصر ان کی شاعری میں فصاحت، بلاغت، سلاست، روانی، صنائع و بدائع، حسنِ تعلیل، سہلِ ممتنع، شیرینی، قادر الکلامی، تشبیہات و استعارات، تاریخی اصطلاحات، دینی اصطلاحات، قرآنی اصطلاحات، اور رمز و اشاریت کے جواہر پارے ستارے کی طرح روشن نظر آتے ہیں۔ آپ نے مشکل سے مشکل اور لاینحل مسائل کا چشم زدن میں حل نکال کر تمام نعت گو شعراء کے لئے مصفا و مجلّیٰ شاہراہ ہموار کر دی ہے۔ آپ کے نقشِ پا پہ چل کر ہر نعت گو بامِ عروج اور شہرتِ دوام حاصل کر سکتا ہے۔ آپ نعت گو شعراء میں بلا تامل منتہی کا مقام رکھتے ہیں اور اُردو نعت گوئی کی تاریخ میں آپ کا کوئی ہم پلہ نظر نہیں آتا ہے۔ اوراق کی کمی اور اپنی عدیم الفرصتی کی خاطر اس شعر کے ساتھ اپنا قلم روک رہا ہوں ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

دارالمطالعہ اہل سنت سہسرام ہے ایک فعّال دینی ادارہ ہے۔

محمد ارشاد احمد رضوی مصباحی سہسرامی
خادم درس و افتاء
الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڈھ، یوپی۔
۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ ۔ ۲۲ اگست ۱۹۹۶ء

دارالمطالعہ اہل سنت سہسرام ۱۲ جنوری ۱۹۷۵ء یکشنبہ کی ایک سنہری شام کو اہل سہسرام کی دینی امنگوں اور اسلامی حوصلوں کا ترجمان بن کر ابھرا ـــــ اور دیکھتے دیکھتے اس نے سنجیدہ ذہنوں میں اچھی خاصی جگہ بنالی ـــــ اس کے دائرۂ عمل میں دعوتِ مطالعہ کے ساتھ ساتھ دینی مذاکراتی نشستیں، درس قرآن و سنت کا ہفتہ وارانہ اہتمام، دینی ماحول کا جائزہ لے کر حسب موقعہ اصلاحی اقدام اور مطبوعات متناسبہ کی نشر و اشاعت جیسے پروگرامات شامل تھے۔

ایمرجنسی ۱۹۷۷ء کے دور میں اس خالص دینی اور غیر سیاسی ادارہ پر بھی امتناعی حکم نافذ ہوا جو اہل سنت کے دینی مخالفین کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھا۔ لیکن پھر اس کے با اخلاص اراکین کی کوششوں سے کچھ ہی دنوں کے بعد یہ امتناعی حکم اٹھالیا گیا ـــــ اس کی رپورٹ ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، المیزان، بمبئی اور "اعلیٰ حضرت" بریلی کے شماروں میں شائع ہوئی ـــــ

دارالمطالعہ نے ۱۹۸۱ء میں پہلی بار یوم رضا کا انعقاد کیا جو نہایت کامیاب رہا اور بہت سے مقالے اور ارباب علم و بصیرت کی تحریریں جمع ہوگئیں ۔ جس کی تفصیلی رپورٹ ماہنامہ

اشرفیہ مبارک پور اور ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف میں شائع ہوئی ــــــــ اس کے شعبۂ نشر واشاعت سے ایک تعارفی کتابچہ شائع ہوا جس میں حضور مجاہد ملت قدس سرہٗ اور حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم القدسیہ وغیرہم جیسے اکابرین اسلام کے تاثرات اور دعائیہ کلمات شامل ہیں دوسرا کتابچہ رویت ہلال کے تعلق سے تقسیم کیا گیا اور ایک کتابچہ شب برات کے فضائل ومسائل پر مشتمل شائع ہوا جس میں اس مبارک رات میں کی جانے والی خرافات سے بچنے کی تاکید بھی کی گئی تھی ۔

اس طرح یہ دینی ادارہ جو امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کی یاد میں قائم کیا گیا تھا، اپنے محدود وسائل سے قوم کے دینی مسائل سلجھانے کی کامیاب کوشش کرتا رہا ــــــ لیکن پھر یہ ادارہ اچانک درمیان میں مالک مکان کی جانب سے انخلاء کے حکم اور کچھ دیگر اسباب کی وجہ سے تعطل کا شکار ہو گیا ــــــــ تقریباً چھ سات سال جمود کا شکار رہنے کے بعد ۲۰؍ جولائی ۱۹۹۷ء کو جشن عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے موقع سے اس کی نشاۃ ثانیہ عمل میں آئی ــــــ جس کا شاندار افتتاحی پروگرام، تحریری اور تقریری انعامی مقابلوں کے ساتھ منعقد ہوا، جس میں شہر اور بیرون شہر کے اداروں نے شرکت کی ــــــ

عالی جناب مفتاح الدین احمد صاحب علیگ نے اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ یہ دار المطالعہ صرف ایک لائبریری ہی نہیں بلکہ جہالت وگمراہی کے خلاف ایک منظم تحریک بھی ہے ــــــ پھر کچھ تاثراتی خطابات ہوئے جس میں عصر حاضر میں لائبریری کی اہمیت، اس کا دائرہ کار، اس کی افادیت اور طریقۂ کار پر بھرپور روشنی ڈالی گئی اور بتایا گیا کہ لائبریری آج کے دور میں علم و فن کے باضابطہ ادارے کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، جس میں صرف کتابوں کا ذخیرہ ہی نہیں کیا جاتا بلکہ ذہنوں کی تشکیل، فکروں کی تنظیم، مذاکراتی نشستیں، سیموزیم، سیمینار، جدید وقدیم مطبوعات کی اشاعت اور دیگر تعلیمی، اصلاحی اور تنظیمی منصوبے بھی شامل ہوتے ہیں ــــــ ان شاء المولیٰ تعالیٰ دار المطالعہ اہل سنت سہسرام کو بھی انہیں خطوط پر لے چلنے کا ارادہ ہے ۔ اس کے بعد باضابطہ طور سے مقابلے کا آغاز

ہوا۔ اس میں مقالہ نگاری کا پہلا انعام جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے طالب علم خورشید احمد برکاتی، دوسرا انعام دار العلوم مجاہد ملت دھام نگر اڑیسہ کے طالب علم محمد عالم، اور تیسرا انعام الجامعۃ الرضویہ مغلپورہ پٹنہ سٹی کے طالب علم محمد عبد الحکیم نے حاصل کیا اور خطابت میں پہلا انعام مدرسہ رحمانیہ شیرگھاٹی کے طالب علم غلام جیلانی گیاوی اور دوسرا انعام سید عارفین اصدق سہسرامی کو ملا ـــــ اخیر میں کاشانۂ برکات رضا کی طرف سے شائع کردہ امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کا رسالہ مبارکہ احادیث شفاعت حاضرین میں تقسیم کیا گیا۔

دار المطالعہ اہل سنت سہسرام نے اس نشاۃ ثانیہ کے موقعہ سے چند تجویزیں اور منصوبے قوم کے سامنے پیش کئے، جن کی تکمیل کے لئے قوم کے حساس اور دردمند افراد کا تعاون درکار ہے۔

دار المطالعہ اہل سنت کے حالیہ منصوبے یہ ہیں :ـــ

(۱) اسلامی کیسٹ لائبریری کا قیام۔

(۲) عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک موقعہ سے سالانہ تحریری، تقریری اور اسلامی معلوماتی (کوئز) مقابلوں کا انعقاد، جس میں مدارس اسلامیہ کے طلبہ کے ساتھ ساتھ اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کو بھی شرکت کی دعوت دی جائے گی ـــ یہ مقابلہ چار زبانوں میں ہوگا۔ اردو۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔

(۳) شعبۂ نشر واشاعت کا قیام جس سے اعتقادی، دینی، اصلاحی موضوعات پر قدیم وجدید اسلامی لٹریچر س، پمفلٹس، ہینڈبل اور پوسٹرس وغیرہ شائع کئے جائیں گے۔

(۴) دینی اطلاعات ونشریات اور معلومات عامہ کا دفتر، جس سے دینی بنیادوں پر عوامی رابطہ اور تنظیم کی کوشش جاری رہیں گی۔

(۵) گرچہ یہ خالص دینی ادارہ ہے لیکن اسلامی طلبہ کی عصری تعلیم کے استحکام اور ان کی علمی رہنمائی کے لئے میٹرک سے لے کر ایم اے تک کی نصابی کتابیں بھی اردو اور انگریزی زبان میں فراہم کی جائیں گی ـــــ اس طرح طلبہ کی تعلیمی بنیادیں بھی مستحکم ہوں گی، اردو اور انگریزی زبان سے رابطہ بھی بڑھے گا، اور انہیں اس کے ذریعہ سے دین سے قریب بھی کیا جا سکے گا ـــ السعی منا والاتمام من اللہ

رابطہ کا پتہ :-

دار المطالعہ اہل سنت
معرفت رضا اکیڈمی محلہ منڈی کشور خاں
سہسرام ضلع روہتاس ۔ بہار
پن کوڈ ۔ 821115

احباب اہل سنت کے پُرخلوص تعاون کے آرزومند
اراکین دار المطالعہ اہل سنت
محلہ شاہ جمعہ ۔ سہسرام
ضلع روہتاس ۔ بہار

تاجدار خطابت، فخر صحافت حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی علیہ الرحمہ کے کلمات تحسین و تصدیق "خون کے آنسو" پر ملتے ہیں جو دیابنہ کی گمراہ کن اور قابل گرفت عبارتوں کی روداد ہے جسے علامہ مشتاق نظامی علیہ الرحمہ نے بہت دلسوزی کے ساتھ تصنیف فرمایا ہے ۔

اور سہسرام کی امام احمد رضا قدس سرہٗ کیساتھ عوامی وابستگی سیرت کمیٹی کے اس اعلان سے ظاہر ہے :

"اللہ جل شانہ کا بے پناہ فضل و کرم ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا فاضل بریلوی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے عقیدتمندوں اور ارادت مندوں کا یہ ادارہ مرکزی سیرت کمیٹی سہسرام سالہائے گذشتہ کی طرح امسال بھی انتہائی شان و شوکت کے ساتھ ۲۸ مارچ ۱۹۸۰ء سے پچیسواں سالانہ اجلاس سلور جوبلی یعنی جشن چوتھائی صدی منانے جارہا ہے [۱]

چراغ سے چراغ جلتے رہے اور فضاؤں میں روشنی بکھرتی رہی، ایمان و یقین کی روشنی، عشق و عرفان کی روشنی، دین و سنیت کی روشنی —— حق ابھرتا رہا اور حق کی فطرت ہی میں سربلندی ہے ۔ الحق یعلو ولا یُعلیٰ ۔

حق کی یہ سربلندیاں، ایمان کی یہ رفعتیں، یقین کی یہ رونقیں، عشق کی یہ تجلیاں اور سنیت کی یہ جگمگاہٹیں باقی ہیں اور باقی رہیں گی جب تک خالق کائنات کی یہ سرزمین لالہ و گل کی فصلیں اگاتی رہے گی ۔

ع تری سرشت میں ہے کوکبی و مہتابی

---

[۱] المیزان بمبئی ۔ فروری سنہ ۱۹۸۰ء ص ۳۲

حضرت علامہ مفتی امان الرب صاحب رضا کا فکر انگیز مکتوب

بیس ۲۰ دسمبر ۱۹۹۶ء کو موتی لال نہرو نگر غریب نواز مسجد کے ایک روم میں حضرت علامہ فاروق صاحب و پیکر محاسن مولانا صابر القادری صاحب و سیٹھ الحاج شاہ عالم رضوی صاحب کے جلو میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک جلسہ میں مدعو کرنے کے لئے مجاہد اہلسنت حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب تشریف لائے۔ سلام و مصافحہ کے بعد انہوں نے اپنی انتھک جانفشانی اور جگر کاوی کا ثمرہ نایاب رضا دار المطالعہ پوکھریرا کی مطبوعات پیغام رضا کا امام احمد رضا نمبر، و مفتی اعظم نمبر مزید دو چند کتابیں تحفۃً پیش فرمائی ——— اس وقت میری حیرتوں کی انتہا مت پوچھئے۔ کہ ایک طرف مولانا موصوف کا نحیف و ناتواں جسم اور دوسری طرف "پیغام رضا" کی عظیم تحریکی قوتوں سے کسی طرح لگاؤ نہیں کھا رہا تھا۔ اسی پیچ و تاب میں میرا شعور کھویا ہوا تھا کہ کہاں مولانا موصوف کا ڈھانچہ اور کہاں ہمالیہ کی چوٹی۔ بھلا یہ شخص اسے سر کیسے کر سکتا ہے۔ معاً میرے پیر و مرشد سرکار مفتی اعظم ہند نے میری دستگیری فرمائی کہ اس میں تعجب کی بات ہی کیا۔ راہ وفا کے مسافروں کی ایسی حیرت انگیز داستانیں تاریخ میں ستاروں کی طرح جگمگا رہی ہیں۔ مولانا موصوف کا یہ اقدام جہاں نوجوان علماء کے جمود کو جھنجوڑ رہا ہے کہ سب کچھ کسب دنیا نہیں ہے۔ انسان کی زندگی کے یہ وہ کارنامے ہیں جو آخرت میں اس کی ارجمندیوں کے پیش لفظ بنیں گے۔ میں مولانا موصوف کو صد تحسین و تبریک پیش کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ میرا ہر ممکن تعاون آپ ساتھ ہوگا انشاء اللہ۔

امان الرب رضوی
۲۰ر دسمبر ۱۹۹۶ء

حضرت علامہ محمد عیسیٰ رضوی مصباحی کا ایک خصوصی مکتوب

خطیب و امام رضا جامع مسجد اجمیری کالونی جمبور بمبئی ۱۷، سرپرست اعلیٰ الجامعۃ الغوثیہ رضاء العلوم حسن پور، حال مقیم بمبئی

گرامی قدر و منزلت حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب صدیقی زید مجدہٗ،

سلام مسنون! ——————— مزاج وہاج

"پیغامِ رضا" کے دو نمبرات میرے سامنے موجود ہیں (۱) امام احمد رضا نمبر، (۲) مفتی اعظم ہند نمبر ان کی ترتیب و تہذیب میں آپ نے از حد محنت سے کام لیا ہے۔ فکرِ رضا کو عام کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ ہمارا دانشور اور علمی طبقہ اس سے بہت حد تک عدم دلچسپی کا مظاہرہ کر رہا ہے آج جس سمت نگاہ اٹھا کر دیکھئے تو امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی ہی لازوال علمی و دینی کارناموں کی بنیاد پر ایوان فکر و شعور روشن ہیں۔ اور انہیں کے جلائے ہوئے چراغ عشق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے دل جگمگا رہے ہیں اس کے باوجود ہم ان کی علمی تصنیفات لسانی نوادرات کی اشاعت نہیں کر پا رہے ہیں ——— محترم! اس دور تباہی میں آپ کا یہ قلمی سفر ایک عظیم جہاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو یقیناً مشکور ہے۔

اداریہ میں آپ نے جن گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔ اگر ان گوشوں پر ارباب فکر و قلم سنجیدگی کے ساتھ نہیں سوچتے تو ملی نقصانات کا سیلاب بلاخیز عالم اسلام کے ہر کوچہ و بازار کو اپنی ستم رانیوں کا نشانہ بنائے گا۔ پھر نہ درسگاہوں کا وقار محفوظ رہے گا۔ اور نہ ہی خانقاہوں کی پاکیزگی دور حاضر میں جہاد کی بس ایک ہی صورت کامیاب نظر آ رہی ہے۔ اور وہ ہے قلمی جہاد۔ تحریر کی اہمیت ہر زمانہ میں مسلم رہی ہے۔ آج بھی تحریر کی بنیاد پر بڑے سے بڑا انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔

ہمارا یہ تحریری جمود اہلسنت و جماعت کے حلقہ کو دن بدن محدود کرتا جا رہا ہے۔ باطل قوتیں تحریر ہی کی بنیاد پر ایوان ایمان و عقیدہ پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ اور ان کے ناپاک عزائم

حضرت علامہ محمد عیسیٰ رضوی مصباحی کا ایک خصوصی مکتوب

خطیب و امام رضا جامع مسجد اجمیری کالونی چیمبور بمبئی ۷۱ و نگراں اعلیٰ الجامعۃ الغوثیہ رضا العلوم حسن پور، حال مقیم بمبئی

گرامی قدر و منزلت حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب صدیقی زید مجدہٗ،

سلام مسنون ! ————— مزاج وہاج

"پیغامِ رضا" کے دو نمبرات میرے سامنے موجود ہیں (۱) امام احمد رضا نمبر، (۲) مفتی اعظم ہند نمبر ان کی ترتیب و تہذیب میں آپ نے از حد محنت سے کام لیا ہے۔ فکرِ رضا کو عام کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ ہمارا دانشور اور علمی طبقہ اس سے بہت حد تک عدم دلچسپی کا مظاہرہ کر رہا ہے آج جس سمت نگاہ اٹھا کر دیکھئے تو امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی ہی لا زوال علمی و دینی کارناموں کی بنیاد پر ایوان فکر و شعور روشن ہیں اور انہیں کے جلائے ہوئے چراغ عشق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے دل جگمگا رہے ہیں۔ اس کے باوجود ہم ان کی علمی تصنیفات لسانی نوادرات کی اشاعت نہیں کر پا رہے ہیں ————— محترم! اس دورِ تباہی میں آپ کا یہ قلمی سفر ایک عظیم جہاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو یقیناً مشکور ہے۔

اداریہ میں آپ نے جن گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔ اگر ان گوشوں پر اربابِ فکر و قلم سنجیدگی کے ساتھ نہیں سوچتے تو ملی نقصانات کا سیلاب بلاخیز عالم اسلام کے ہر کوچہ و بازار کو اپنی ستم رانیوں کا نشانہ بنائے گا۔ پھر نہ درسگاہوں کا وقار محفوظ رہے گا۔ اور نہ ہی خانقاہوں کی پاکیزگی دورِ حاضر میں جہاد کی بس ایک ہی صورت کامیاب نظر آ رہی ہے۔ اور وہ ہے قلمی جہاد۔ تحریر کی اہمیت ہر زمانہ میں مسلم رہی ہے۔ آج بھی تحریر کی بنیاد پر بڑے سے بڑا انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔

ہمارا یہ تحریری جمود اہلسنت وجماعت کے حلقہ کو دن بدن محدود کرتا جا رہا ہے، باطل قوتیں تحریر ہی کی بنیاد پر ایوان ایمان و عقیدہ پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ اور ان کے ناپاک عزائم

بہت حد تک کامیاب بھی ثابت ہو رہے ہیں۔ اس لئے حاملانِ شریعت وطریقت اور دانشوران قوم وملت خوابِ غفلت سے بیدار ہوں اور سوچ وفکر کی راہیں بدلیں۔ افکار رضا کو عام سے عام ترکریں۔ ورنہ آج جس دور سے ہم گذر رہے ہیں ہماری آنے والی نئی نسل کو اس سے بھی بدتر دور کا سامنا کرنا پڑے گا۔

آپ نے اس راہ میں آنے والی تمام تر مشکلات کو انتہائی عزم و حوصلہ اور پیہم صبر و شکر کے ساتھ گلے لگاتے ہوئے "پیغام رضا" کے امام احمد رضا نمبر اور مفتی اعظم نمبر شائع کرکے ایک تقلیدی کارنامہ انجام دیا ہے۔ پروردگار عالم بطفیل سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے حوصلوں کو جواں رکھے۔ اور ادارہ رضا دار المطالعہ (پوکھریرا سیتامڑھی بہار) کی بہاریں قائم و دائم رکھے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت علامہ رفیق احمد مصباحی
خطیب و امام سنی محمدی مسجد، گونڈی، ممبئی

محترم صدیقی صاحب

ہدیہ سلام مسنون

طالب خیر بعافیت ہے۔

"پیغام رضا" کے امام احمد رضا نمبر کی اشاعت ہونے والی ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی۔ پیغام رضا کی بڑے پیمانے پر اشاعت وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اس کا جماعت کے ہر فرد کو احساس ہونا چاہیئے لیکن ہماری روش یہ ہوگئی ہے کہ جب بھی کوئی فرد ملّی کام کے لئے قدم اٹھاتا ہے تو ہم اس کی معاونت نہیں کرتے۔ بلکہ مخالفانہ رویّہ اختیار کرتے ہیں۔ اس طرح کی ذہنیت رکھنے والوں کی شدید طریقے پر حوصلہ شکنی ہونی چاہیئے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو مذہبی نقصانات کا دائرہ دن بدن بڑھتا جائے گا۔

یہ بات حقیقت ہے کہ امام احمد رضا کی ذات اور ان کے لسانی تبرکات کی اشاعت سے اخلاقی قوتوں کو توانائی ملے گی اور عشقِ حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی روشنی پھیلے گی۔ امام احمد رضا کی تصنیفات تاریک ماحول میں چراغ ہدایت ہے۔ اس چراغِ ہدایت کی حفاظت و اشاعت کیلئے ہمیں آپسی اختلافات کی دیواروں کو منہدم کرنا ہوگا درگاہوں اور خانقاہوں کو باہم مل کر ایسی راہوں کا انتخاب کرنا ہوگا جن سے امام احمد رضا کے پیغامات کی اشاعت میں جو دشواریاں ہیں انھیں دور کیا جاسکے۔ درسگاہوں میں جو ذہین اور باصلاحیت طلبہ ہیں ان کے ذہنوں کی اس طرح تعمیر کی جائے جو اس ضرورت کو اچھے طریقے سے پورا کرسکیں۔ ہم آپ کے حوصلے کا احترام کرتے ہیں اور آپ کے جذبات کی قدر کرتے ہیں اور مذہبی درد رکھنے والوں سے پرخلوص التماس کرتے ہیں کہ وہ "پیغام رضا" کی اشاعت میں اپنا مخلصانہ تعاون پیش کریں تاکہ چراغ بجھنے نہ پائے۔

رب کائنات سے دعا ہے کہ وہ اپنے محبوبین کے طفیل آپ کو دارین میں عافیت عطا فرمائے۔ آمین۔

فقط والسلام:۔

طالبِ کرم: محمد رفیق احمد مصباحی عفی عنہ

محمد مصباح الحق صدیقی (عرف) جاوید
پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار

حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طالبِ خیر بعافیت ہے۔

اس وقت اہل سنت کو "پیغامِ رضا" جیسے پچاسوں اخبار و رسائل کی ضرورت ہے۔ آج جماعت کے وجود کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس اپنا کوئی اخبار ہے نہ رسائل۔ دنیا کے ہر خطہ میں ہر روز وعظ و نصیحت کی محافل کا انعقاد نہیں ہوتا بلکہ بہت سارے علاقے ایسے ہیں جہاں دین و مذہب کی بنیادی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہیں لیکن اخبار دنیا کے ہر گوشہ میں ہر روز کسی نہ کسی طرح پہنچ جاتا ہے۔ اور اخبار کے ذریعہ جو پیغام دیا جاتا ہے اس کا قبول کرنا لوگوں کی مجبوری میں داخل ہے۔ اب اخبار و رسائل پر نگاہ اٹھا کر دیکھئے تو ان پر باطل قوتوں کی بالادستی ہے اور اس چیز کی کسی کو فکر بھی نہیں ہے۔

اپنی پیری مریدی کو چمکانے کے لئے لوگ طرح طرح کی راہوں کا انتخاب کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ خانقاہوں میں بدعات و منکرات کا ارتکاب عام ہو رہا ہے۔ جبکہ امام احمد رضا تاحیات بدعات و خرافات کے خلاف صف آراء رہے۔ جہاں آپ نے مزارات کے تقدس کی حفاظت کی ہے وہیں وہاں ہونے والے غلط اور غیر اسلامی طریقوں کی شدید مذمت بھی کی ہے۔ فدایانِ رضا خوابِ غفلت سے بیدار ہوں اور قوم و ملت اور مذہبی اقدار کے تحفظ کیلئے اپنی بے لوث قربانیاں پیش کریں۔

مولینا محترم مجھے علم ہے کہ آپ اس راہ میں تنہا جہاد کر رہے ہیں۔ آپ کا یہ قلمی اور فکری جہاد ایک نہ ایک دن رنگ لائیگا۔ لوگ آتے رہیں گے اور آپ کا کارواں بنتا جائے گا۔ گردشِ زمانہ سے بے فکر ہو کر آپ اپنا سفر جاری رکھیں امام احمد رضا، حضور مفتی اعظم ہند اور اسی طرح کے دوسرے محبوبانِ خدا کی روحانی دعائیں آپ کو قدم قدم پر سہارا دیں گی۔ ہم اور ہمارا تعاون آپ کے ساتھ ہے

فقط نیاز مند: مصباح الحق صدیقی

حضرت مولانا حافظ محمد اشرف صاحب دار العلوم غوث اعظم پوربندر گجرات

حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب ... ... سلام مسنون

امام احمد رضا کی شخصیت عالمی حیثیت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر خطہ میں پیغام رضا کی اشاعت لوگ اپنے طور پر کر رہے ہیں لیکن اب تک پیغام رضا کے نام سے کسی تحریک کی بنیاد رکھی نہیں گئی تھی۔ نہ کوئی رسالہ جاری کیا گیا تھا۔ بہت دنوں سے یہ کمی محسوس کی جا رہی تھی کہ اس نام کی کوئی تحریک ہو جو اپنے نام کی نسبت سے جانی جائے آپ نے اس کمی کو پورا کر دیا۔ اس پاکیزہ پیش رفت پر آپ کی ذات مبارکباد کے لائق ہے۔ رب کائنات آپ کے جذبوں کو سلامت رکھے۔

پیغام رضا کے دو تحقیقی، معیاری اور جاذب نظر نمبرات باعث تسکین قلب ونگاہ ہوئے۔ دینی کتابوں سے فطری طور پر محبت ہے۔ کوئی نئی کتاب مارکیٹ میں آتی ہے تو اس کو حاصل کرنے کا شوق بڑھ جاتا ہے۔ اور اگر اعلیحضرت امام احمد رضا کی ذات پر کوئی کتاب ہو تو اس کے حصول کا جذبہ نہ پوچھیے رضویات کا مطالعہ میرے ترجیحی مشاغل میں شامل ہے میں نے آپ کی کاوشوں کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کیا ہے جس سے امام احمد رضا اور حضور مفتی اعظم ہند کے حوالے سے بہت سارے اہم گوشے سامنے آئے ہیں۔ خاص کر مفتی اعظم نمبر کے اداریے کے بعض پہلو بہت ہی اہم ہیں۔ اداریہ کا مطالعہ نوجوان علماء کے جمود کو توڑ سکتا ہے اور ان کے خیالات کو نئی سمت دے سکتا ہے آپ اپنا یہ قلمی اور تبلیغی سفر جاری رکھیں میرا ہر ممکن تعاون آپ کے شریک سفر رہے گا۔ احباب ادارہ مخلصین ومعاونین سے سلام پیش کریں یہاں کے جملہ مدرسین آپ کو سلام پیش کرتے ہیں۔ اور صحت وعافیت کی دعائیں بھی۔

طالب دعا

محبوب الاولیاء خلیفۂ تاج الشریعہ الحاج محمد عیسٰی نوری صاحب قبلہ ماہم شریف بمبئی۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب ..... سلام مسنون و دعائیں پیغام رضا کی اشاعت میں جس دلچسپی کا آپ مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اس سے تابناک مستقبل کا اشارہ مل رہا ہے۔ ہماری تو صبح و شام یہ دعا ہوتی ہے کہ پیغام رضا دنیا کے ہر خطہ میں عام و تام ہو جائے۔ تاکہ جہالت کی تاریکی دور ہو اور حقانیت کے نور سے ایمان و عقیدے کی زمین معمور ہو۔ آپ اپنی کوششیں جاری رکھیں اللہ رب العزت پردۂ غیب سے میری مدد فرمائے گا۔ ہم آپ کے جذبوں کا احترام کرتے ہیں اور آپ کے لئے نیک خواہشات رکھتے ہیں۔ احباب ادارہ کی خدمت میں درجہ بدرجہ سلام پیش کریں۔ اور نمبر چھپ جائے تو اس کی چند کاپیاں بھیجدیں نوازش ہوگی۔

فقط
دعا گو
محمد عیسٰی نوری ماہم
بانی و مہتمم مدرسہ فیضان رضا اعظم گڈھ
یوپی۔

حضرت مولانا فیروز عالم بخت القادری صاحب مدھوبنی۔ بہار

حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی ... ... سلام و عقیدت

یہ جان کر مسرت ہوئی کہ پیغام رضا کا امام احمد رضا نمبر شائع ہونے والا ہے۔ اس نیک پیش رفت پر اراکین ادارہ اور خاص کر آپ کی ذات مبارکباد کی مستحق ہے رب کائنات آپ کی اس عظیم کوشش کو قبول فرمائے اور نمبر کے قارئین کو ہدایت و رہنمائی کا نور عطا فرمائے۔

آج کے پرفتن دور میں ہر طرف الحاد و لادینیت اور ضعیف الاعتقادی نے اپنا پر پھیلا رکھا ہے۔ اور نام نہاد مسلمان ایمان و عقیدے کی آڑ میں سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں سے عظمت رسالت و ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ کو بجھا دینا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں "پیغام رضا" تاریکیوں میں سفر کرنے والوں کے لیئے رہنما ثابت ہوگا۔

ادھر چند سالوں سے امام احمد رضا کے افکار و خیالات کی اشاعت بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے۔ اگر یہی کام نصف صدی پہلے کیا جاتا تو اس کے مثبت اثرات ظاہر ہوتے۔ اور بے اعتقادی کی فضا بہت حد تک ختم ہو سکتی تھی۔ سوچنے اور غور و فکر کے لمحات اب بھی موجود ہیں۔ اگر اب بھی ہوش کے ناخن نہیں لیئے گئے تو حالات دھماکہ خیز ہو سکتے ہیں۔ اور آنے والی نسل کو کافی مصائب کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس لیئے وقت کے تقاضے کو محسوس کریں۔ اور امام احمد رضا کی تحریک عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو جائیں۔ اسی سے دارین میں عافیت مل سکتی ہے۔

محترم صدیقی صاحب! آپ نے جو امام احمد رضا کی تحریک عشق رسالت

صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ میں رونق ڈالنے کی کوشش ہے۔ انشاء اللہ اس سے ہدایت کے نور میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اور بہت جلد بے یقینی کا ماحول ختم ہوگا۔ لوگ آہستہ آہستہ آتے رہیں گے اور کاروان عشق و محبت بنتا رہے اور اسطرح مخالفتوں کا طوفان دھیرے دھیرے دور ہو جائے گا۔ میں آپ کی ضرورت میں کہیں کام آسکوں تو یاد کر لیا کریں۔ یہی میرا جذبہ اور میری خواہش ہے رب کائنات ہم سب سے فکر رضا کی اشاعت کا کام لے۔ اراکین ادارہ واحباب ادارہ سے سلام پیش کریں۔

فقط

طالب خیر وعافیت

فیروز عالم

خطیب وامام سنی نوری مسجد، دھاراوی بمبئی

الجامعۃ العربیہ رضاء العلوم

محترم حضرات

حسن پور بسبڈہ بازار، سیتامڑھی بہار۔ جہاں کچھ سال پہلے تک لوگ اسلام کی بنیادی تعلیم وتربیت سے بہت حد تک محروم تھے۔ حضرت علامہ محمد عیسیٰ رضوی مصباحی اور آپ کے ہم عصر نوجوان علماء نے اس کمی کو شدت سے محسوس کیا اور ایک پائیدار ادارے کی مستحکم بنیاد رکھ دی۔ جو "الجامعۃ العربیہ رضاء العلوم" کے نام سے بہت جلد ملک کے مختلف خطوں میں مشہور ہوگیا۔ اب اس ادارہ کی وجہ سے اس علاقہ میں اسلام وسنیت کا نور تیزی سے پھیل رہا ہے۔ فی الوقت ادارہ میں چھ انتہائی ذی علم اساتذہ ہر وقت مصروفِ عمل ہیں۔ طلبہ کی ایک بڑی تعداد کی ادارہ ہر طرح سے کفالت کرتا ہے۔ اس لئے دینی بھائیوں سے گذارش کرتے ہیں کہ ادارہ کی ہر موسم میں حسب حیثیت مدد کریں۔

رابطہ کا پتہ

سکریٹری الجامعۃ العربیہ رضاء العلوم حسن پور بسبڈہ بازار سیتامڑھی بہار

دار العلوم عزیزیہ مظہر العلوم

شمالی ہند کی ایک عظیم الشان دینی درسگاہ ہے

دار العلوم عزیزیہ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کردہ ایک دینی ادارہ ہے یہ گورکھپور سے ۸۶ کلومیٹر شمال میں سرزمین نچلول بازار پر نیپال بارڈر سے ملحقہ کوہ ہمالیہ کے دامن میں قائم ہے، اور نباض قوم حضرت مولانا حافظ عبد الحکیم صاحب اعظمی کی قیادت میں ۲۹ ذی استعداد اساتذہ دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اس وقت ادارہ میں ۱۲۰۰ سے زائد مقامی اور بیرونی طلبا و طالبات حصول تعلیم میں مشغول ہیں، ادارہ میں درجۂ پرائمری اور حفظ و قرأت کے ساتھ ساتھ دورۂ حدیث تک کی تعلیم کا مکمل انتظام ہے۔

۱۔ نیز ادارہ منشی، مولوی، عالم، فاضل، الٰہ آباد بورڈ کے امتحانات کا سنٹر بھی ہے۔

۲۔ ادارہ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے مدرسۃ البنات

اور

۳ عصری تعلیم کے لئے ایک جونیئر ہائی اسکول کا قیام بھی عمل میں لا چکا ہے۔

ہم ادارہ کی ہمہ جہت ترقی کے لئے آپ سے دعاؤں کے خواستگار ہیں!

پیغام رضا کی اشاعت پر ہم دل کی گہرائیوں سے مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ (ادارہ)

المشتہر

(مولانا) محمد یونس قادری، قادری مسجد نائیک نگر سائن ممبئی ۲۲ ادارہ کا فون نمبر: ۴۶۳۵۹ کوڈ: ۰۵۵۲۳

यहां काट कर खोलिए TO OPEN CUT HERE

अन्तर्देशीय पत्र कार्ड
INLAND LETTER CARD

[illegible]

مخدوما رحمت اللہ صدیقی پوسٹ و مقام پوکھریرا
وایا رائے پور ضلع سیتا مڑھی بہار

To,

Maulana Rahemat-Ullah Siddiqi
Post/Village: Pokhrera,
Via: Raipur, Distt: Sita Madhi,
Bihar,
पिन PIN

दूसरा मोड़ SECOND FOLD

इस पत्र के भीतर कुछ न रखिए NO ENCLOSURE ALLOWED
पते में पिन कोड लिखें WRITE PIN CODE IN ADDRESS
प्रेषक का नाम और पता :– SENDER'S NAME AND ADDRESS :–

[illegible]

पिन PIN

पहला मोड़ FIRST FOLD CSP

مولانا وارث جمال کے خط کا عکس

۲۸۶/۱۲

جناب رحمت اللہ صدیقی صاحب

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

آپ نے میرے خلوص کا جس انداز میں خون کیا ہے اور میرے جذبہ خلوص کو جس بے دردی سے بے شرمی سے پامال کیا ہے۔ اور جس ذہنی و قلبی اذیت میں آپ نے مجھے مبتلا کیا ہے اور آپ کی بیماریت نے جس انداز میں مجھے ڈسا ہے اس کے بعد فقط فالی اللّٰہ المشتکی پر اکتفا کر رہا ہوں۔ البتہ اس کے انتقام اور اس کی سزا آپ کے ترشیدہ مسودہ پر منحصر ہے سرِدست آپ میرا وہ مقالہ فوراً بذریعہ رجسٹری یا خود لیکر مجھے واپس کر دیں یا خود لیکر مجھے پہونچا دیں آپ نے میری کسی واپس کرنے کی جو بات کی تھی وہ غلط ہے میں نے رضا کا [illegible] کہ اللہ شکر ہے مدد نہیں۔ آپ اسے ہرگز ہرگز دوسرے شمارے یا کسی اور شکل میں شائع نہیں کر سکتے میں نے اسے امام احمد رضا نمبر کے لئے لکھا تھا یا کہ عام شمارے کے لئے۔ لہذا پہلی فرصت میں وہ مجھے فوراً واپس کیجئے۔ جس بری حالت میں میں نے اسے [illegible] آپ نے اسے پیش کیا اور کسی طرح کی بیماریت دکھائی تو آپ اس کے انجام [illegible] منطقی نتیجے تک پہونچ جائیں گے۔ میں کس ذہنی انتشار بے چینی اور نازک ترین حالت میں لکھا تھا۔ جب کسی نے آپ کو منہ نہیں لگایا تو میں نے جذبات کو حوصلہ بخشا تھا۔ کتنے مفید مشورے دل سے بچے وغیرہ میرے اخلاص کے مقابلے میں بہ طور شک وہ ہی دوسروں سے کم تر ثابت خراب ہوتی تو مجھ سے معاذ اللہ تم حقیقی وجہ کہیں بتانے کی جرأت نہیں کر سکو گے۔ اگر تم نے میرا مسودہ واپس نہیں کیا تو میں مجبور ہونگا اور یقین کر لوں گا کہ تمہارا اصل میں خطا ہے۔ یا پھر تم حقیقی بچے ہو۔ پھر میرا ردعمل اسی کے اعتبار ظاہر ہوگا۔

سوال تمہاری کمینی دنیا میں روسیاہ کرے اور دل دکھانے اور افسانہ کا روبار مال کرے کی سزا کمینی اسی دنیا میں دے اور آئندہ کمینی اس توفیق ہی نہ رکھے تم مجھ سے [illegible] یہ کسی مخلص کا دل دکھا سکو! للہ کی لعنت و ملامت [illegible] تم کسی تجارت کے لائق نہ رہ جاؤ

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

فقط تمہاری روسیاہی کا شہرت سے منتظر ایک ستم رسیدہ وارث جمال قادری

۲۱ اگست ۱۹۹۳ء

۹۲/۷۸۶

۱۹۹۸ء میں برصغیر ہندو پاک کے مسلمان عالم اسلام کی عظیم شخصیت حضور سیدنا خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ' کا ۷۸۶ واں عرس پاک بڑے پیمانے پر منانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ہم پیغامِ رضا کے

امام احمد رضا نمبر

کی

اس خصوصی اشاعت کو اُن کی اور مجاہدِ دوراں

حضرت علامہ سید مظفر حسین کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی دینی و ملی خدمات کی نذر کرتے ہیں۔

ربِ کائنات ان دونوں شخصیات کے طفیل الحاج صاحب دین مرحوم اور حفیظ النساء مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

میرے والد ماجد محمد لقمان مرحوم
۲۵ / شعبان ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۶ / دسمبر ۱۹۹۷ء
بروز جمعہ انتقال فرما گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)
آج بھی میری آنکھیں ان کے غم میں اشک آلود ہیں
دعا کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت اپنے حبیب پاک
صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ان کو بخش دے
اور ان کو اپنے قرب خاص میں جگہ عطا فرمائے
اور اپنے قارئین سے بھی التماس کرتا ہوں کہ
ان کے لئے دعائے مغفرت کریں۔

رحمت اللہ صدیقی

یہ جان کر آپ کو مسرت ہوگی کہ پیغام رضا کا دفتر اب دہلی منتقل ہو چکا ہے اس لئے خواہشمند حضرات مندرجہ پتہ پر رابطہ قائم کریں۔

فون :- 3545154

پتہ :-

محمد ظہیر الحق رضوی۔ رضا منزل اے، بی ۹۳
کمہار والی گلی امرپوری پہاڑ گنج
نئی دہلی ۵۵

۹۲/۸۶

سہ ماہی الکوثر

ادب کی دنیا میں ایک نئے باب کا اضافہ۔

جدید تقاضوں کا بے باک ترجمان۔

ذوقِ لطیف کی تسکین کا سامان۔

تاریک دلوں کا بہترین رہنما۔

سہ ماہی الکوثر

آپ خود پڑھیے اور اپنے حلقۂ احباب میں خوب اشاعت کریں تاکہ قرآن وسنت کی روشنی دور دور تک پھیلتی رہے اس طرح اسلامی معلم کا آپ فریضہ انجام دیتے رہیں اوّل فرصت میں ادارہ سے رابطہ قائم کریں انشاء اللہ پرچہ آپ کو وقت پر ملتا رہے گا۔

عرس رضوی کے موقع پر الکوثر امام احمد رضا بریلوی پر خصوصی ضمیمہ پیش کریگا اس لئے دانشوروں سے گذارش ہے کہ تحقیقی مقالات سے اس پیش رفت میں ادارہ کا تعاون کریں۔

رابطہ کا پتہ:-
سہ ماہی الکوثر دار العلوم خیریہ نظامیہ
سہسرام، رہتاس (بہار)

۹۲/۷۸۶

تاثرات

محمد حفظ الاسلام صدیقی صاحب ۔ بی۔ ایس۔ سی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی ایک نابغۂ عصر اور عبقری شخصیت کا نام ہے آپ نے اپنی دینی و ملی خدمات سے پورے عالم اسلام کو متاثر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی اداروں سے لے کر عالمی جامعات تک آپ کے تابندہ نقوش تاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ روشنی پھیلی ہوئی ہے اکتسابِ نور کرنے والے مصروف عمل ہیں ــــ ویسے آج کے دور میں ہر ایسے غیرے کو وہ سب کچھ کہہ دیا جاتا ہے جس کا وہ قطعی اہل نہیں ہوتا اس بدعت سے اہلِ فن و نااہلوں کے درمیان خط امتیاز بالکل اٹھ گیا ہے۔ لیکن امام احمد رضا کو اب تک جو کچھ کہا گیا ہے۔ اور آئندہ جو کچھ کہا جائے گا ان کی شخصیت اس سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہے۔

علوم و فنون کے ہمالیائی پیکر امام احمد رضا پر تحقیقات میں لگے ہوئے ہیں اس کے باوجود ان کی شخصیت کا کما حقہٗ عرفان نہ پاسکے ہیں اور آئندہ بھی اُمید کی کوئی ایسی کرن نظر نہیں آتی ــــ وہ لوگ یقیناً قابلِ مبارکباد ہیں جو امام احمد رضا کی تعلیمات و پیغامات کی اشاعت میں مصروف ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی تالیفات و تصنیفات کو انٹرنیشنل زبانوں میں منتقل کیا جائے اس طرح علمی و تحقیقاتی دُنیا میں جدید انقلابات رُونما ہوسکتے ہیں۔

محمد حفظ الاسلام صدیقی

جنرل سکریٹری مدرسہ انوار الہدیٰ پوکھریرا، سیتامڑھی (بہار)